مغفرت کی شرطیں
اسلام
ایمان
فرمانبرداری
صداقت
صبر
پاکدامنی
خشوع
محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم
مکتبۃ الفقیر
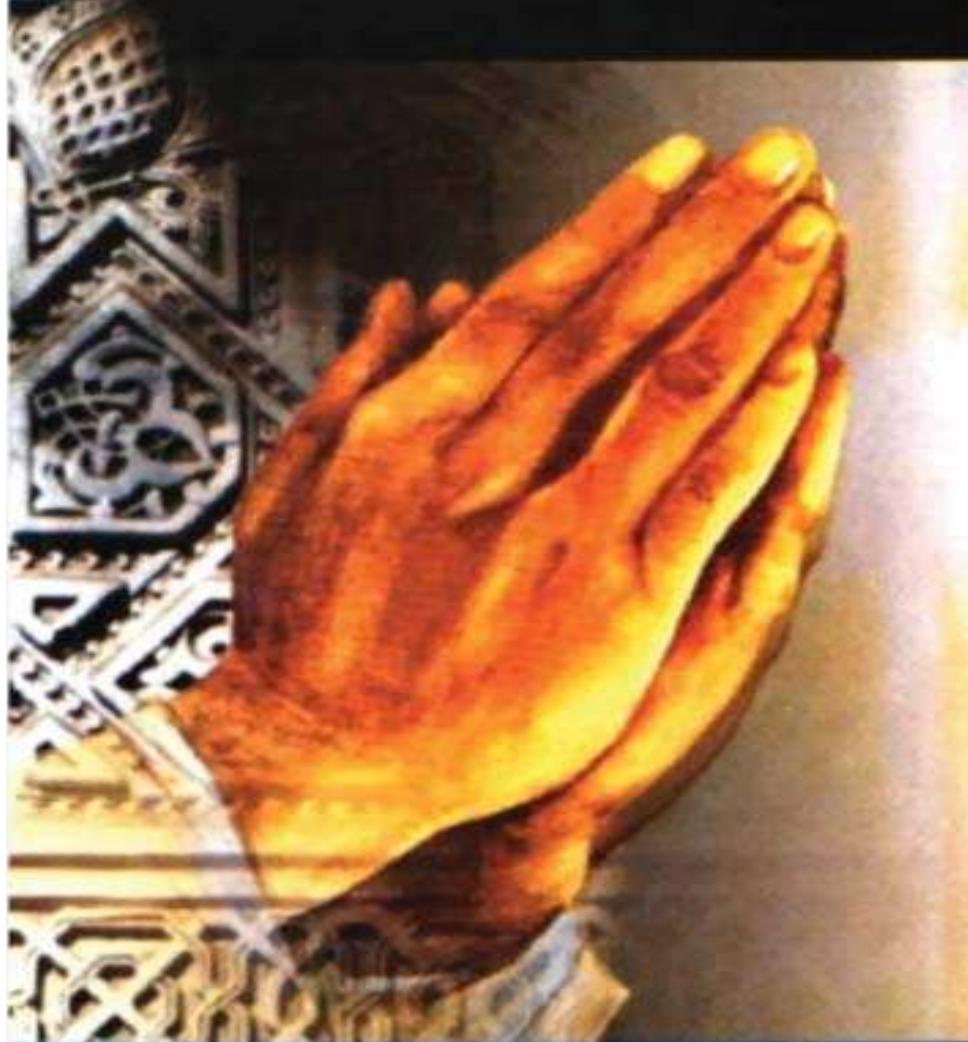
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مغفرت کی شرطیں

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ناشر
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618C03

نام کتاب ———— مغفرت کی شرطیں

از افادات ———— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ———— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی

ناشر ———— مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اول ———— اکتوبر 2009ء

اشاعت ہشتم ———— فروری 2012ء

اشاعت ————

تعداد ———— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ———— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی

بسم الله الرحمن الرحیم

فہرست

☆☆☆☆☆

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب حضرت اقدس دامت برکاتہم کے دورانِ اعتکاف ہونے والے بیانات کی ایک کڑی ہے جو حضرت ہر سال زیمبیا میں فرماتے ہیں۔ یہاں کثیر تعداد میں مقامی حضرات کے علاوہ بعض دیگر ممالک سے بھی بہت سے احباب حضرت والا سے استفادہ کرنے کے لیے پہنچے ہوتے ہیں۔ حضرت ہر سال کسی نہ کسی اصلاحی پہلو پر بات کرتے ہیں جس کا خواتین و حضرات کو خاطر خواہ فائدہ ہوتا ہے۔ رمضان ۱۴۲۷ھ میں حضرت دامت برکاتہم نے سورۃ احزاب کی ایک آیت پر بیان فرمایا۔

قرآن پاک کی ہر ہر آیت اپنے اندر علوم و معارف کا ایک وسیع سمندر رکھتی ہے۔ صاحبِ بصیرت اور اہلِ دل حضرات جب ان آیات کو پڑھتے ہیں تو اس سمندر میں سے بہت سے نادر گواہر و جواہر کو پا لیتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ بیان میں بھی حضرت والا نے اس آیت کے دس نکات کو کھولا ہے۔ ان کو عمل کی نیت سے پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ سے بے حد و حساب اجر اور مغفرت کے حاصل ہونے کی امید ہے۔

ہمارے ادارے کے لیے یہ سعادت کی بات ہے کہ ہمیں حضرت والا کی ان نادر باتوں کو قارئین تک پہنچانے کا موقع ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کاوشوں کو قبول فرمائیں اور مکتبہ کے تمام احباب کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین ثم آمین

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ
خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

پیش لفظ

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے کہ تمام انسان خطا کار ہیں مگر بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا ہر انسان کی ضرورت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو حاصل کرنا ایک مومن کی پوری زندگی کا مقصود ہے۔ یہ مقصود بندے کو کیسے حاصل ہو؟ اس کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں جا بجا اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً، کہیں ترغیب سے کہیں ترہیب سے۔ کہیں خوف سے کہیں امید سے۔ کہیں بشارت سے کہیں نذارت سے۔ یہ قرآن عظیم الشان تربیت کرتا ہے اپنے پڑھنے والوں کی، اگر وہ نور ایمان کی روشنی میں دل کی آنکھوں سے اسے پڑھیں تو بے شمار سبق حاصل ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ میں دورانِ اعتکاف خواتین کی مجالس میں فقیر کے دل میں بات آئی کہ چونکہ مرد و خواتین دونوں کا مجمع ہے تو آنے والوں کی اس حوالے سے رہنمائی کر دی جائے کہ کن صفات کو اپنانے پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ مشعلِ راہ کے طور پر فقیر کے سامنے سورۃ احزاب کی وہ آیت تھی جس میں اللہ رب العزت نے ماجور و مغفور بندوں کی دس صفات بیان کیں جن کو اختیار کرنے پر بندوں اور بندیوں دونوں سے صراحت کے ساتھ مغفرت کا وعدہ فرمایا:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ

وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○ (احزاب: ۳۵)

فقیر نے بتوفیق الٰہی ہر صفت کو کچھ اس انداز میں کھولا کہ روزانہ ہر ایک پر مستقل بیان ہوا۔ گویا کہ یہ دس شرطیں ہیں جن کی کوئی انسان پابندی کر لے تو وہ اللہ کی مغفرت کا مستحق بن جاتا ہے۔ حاضرین کو خصوصاً خواتین کو ان سے بہت ہی فائدہ ہوا۔ اب مکتبۃ الفقیر نے ان بیانات کی افادیت کی بنا پر ان کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، فقیر کی دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارے سے منسلک تمام حضرات کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور انہیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء

پہلی شرط

اسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا o

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ کا وعدہء مغفرت:

اللہ رب العزت قرآن عظیم الشان میں یہ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ

مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا ○

قرآن مجید، فرقان حمید کی یہ ایک آیت مبارکہ ہے جس میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَ الۡمُسۡلِمٰتِ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں وَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور عورتیں والصّٰدِقِيۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ اور سچ بولنے والے مرد اور عورتیں وَالصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں وَالۡخٰشِعِيۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں وَ الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ اور صدقہ کرنے والے مرد اور عورتیں وَالصّٰٓـئِمِيۡنَ وَالصّٰٓـئِمٰتِ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں وَالۡحٰفِظِيۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں وَالذّٰكِرِيۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا اللہ تعالیٰ نے ان سب مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

آیت کا شانِ نزول:

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک انصاریہ عورت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! قرآن مجید میں اکثر جگہ پر مردوں کا صیغہ استعمال کیا گیا اور ان کی وساطت سے ہمیں بھی حکم دیا گیا لیکن جی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام، کوئی آیت ایسی بھی اترتی جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ ہم عورتوں کو بھی خطاب کی سعادت نصیب ہوتی۔ یہ سوال انہوں نے اللہ رب العزت کی محبت کی بنا پر پوچھا، اگرچہ وہ سمجھتی تھیں کہ بول چال میں صیغہ تو مردوں کا استعمال ہو رہا ہے لیکن ان کے ضمن میں عورتیں بھی اس حکم

میں شامل ہیں۔ مگر محبت اظہار چاہتی ہے، تو جی میں آیا کہ ہم عورتوں کو یہ سعادت ملتی کہ اللہ رب العزت ہم سے بھی خطاب فرماتے۔ چنانچہ ان کی اس بات کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ اتنی جامع آیت ہے کہ اس میں اللہ رب العزت نے مردوں کا بھی صیغہ استعمال کیا اور عورتوں کا بھی صیغہ استعمال کیا، یعنی مردوں کو بھی مخاطب کیا اور عورتوں کو بھی الگ سے مخاطب کیا اور اس میں ان کی مغفرت کے لیے دس شرطیں بیان کی گئیں۔

آیت کریمہ کا مقصد:

آج قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ اب رمضان المبارک میں بقیہ جتنے بھی بیانات ہوں گے، وہ اسی کی تشریح ہوں گے۔ اصل مقصود یہی ہے کہ ہم اللہ رب العزت کو کیسے راضی کرلیں کہ ہماری مغفرت ہوجائے؟ ہمیں اللہ رب العزت کی رضا نصیب ہوجائے۔ تو جب یہ آیت ہی ایسی ہے کہ اس پر عمل کرنے کی وجہ سے، اللہ رب العزت کی طرف سے بخشش کا وعدہ ہے تو اب کام آسان ہوگیا۔ لہٰذا عورتوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس آیت کے ترجمے کو بھی یاد رکھنے کی کوشش کریں اور اس کی جو تفصیلات بیان کی جائیں گی، ان کو عمل کی نیت سے سنیں اور ان باتوں کو عملی جامہ پہنائیں تاکہ ہمیں اس آیت پر عمل کرنے کی سعادت نصیب ہو اور اس بنا پر ہمیں اللہ رب العزت کی طرف سے مغفرت کا انعام نصیب ہوجائے۔ اسلیے اس آیت کے ایک ایک لفظ کو کھولنا اور اسکی تشریح کرنا انتہائی ضروری ہے۔ جتنی بھی مستورات ہیں وہ اگر اس آیت کو یاد بھی کرلیں تو بہت اچھی بات ہے۔

مغفرت کی پہلی شرط:

آج اس میں صرف پہلی بات کو کھولا جائے گا کہ پہلی شرط کیا ہے؟

فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ﴾ (احزاب:۳۵)

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں''

مسلمان اسکو کہا جاتا ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھ کر دین اسلام کو قبول کر لے۔

دین اسلام زندگی میں روح کی مانند ہے:

یہ دین ہماری زندگی کے لیے روح کی مانند ہے، اس کی تفصیل سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ اللہ رب العزت نے انسان کے اندر مختلف اعضا بنائے ہیں آنکھ دیکھتی ہے ،زبان بولتی ہے ، کان سنتے ہیں ، ہاتھ پکڑتے ہیں ، پاؤں چلتے ہیں، ہر عضو کا اپنا اپنا ایک Function (فعل) ہے اور ایک عضو کا فعل دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ جو کام ایک عضو کر سکتا ہے، وہ کام دوسرا نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر: آنکھوں سے ہم دیکھ سکتے ہیں، باقی جسم کا کوئی عضو نہیں دیکھ سکتا، زبان سے بول سکتے ہیں باقی جسم کا کوئی عضو نہیں بول سکتا، کان سے ہم سن سکتے ہیں جسم کا اور کوئی بھی عضو سن نہیں سکتا۔ گویا انسان ایسے اعضاء سے مل کر بنا جو اپنی اپنی الگ صفت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے اپنی اس صفت میں بالکل جدا ہیں، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مگر اللہ رب العزت نے اس ضدین کے مجموعہ میں روح کو اتارا جس کی وجہ سے یہ سب اعضا ایک بن کر کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جب تک انسان کے جسم میں روح موجود ہے، اس کے پاؤں پر زخم آئے گا تو آنکھوں سے آنسو آئیں گے۔ اگر اس کے پاؤں میں درد ہو تو رات کو نیند نہیں آئے گی، آنکھ یہ نہیں کہے گی کہ پاؤں میں درد ہے مجھے تو درد نہیں، میں تھکی ہوئی ہوں میں تو سونا چاہتی ہوں۔ چونکہ روح موجود ہے، ایک عضو کی لذت پورے جسم کی لذت اور ایک عضو کی تکلیف پورے جسم کی تکلیف ہو جائے گی، گویا یہ سارے اعضا ایک بن کر کام کریں گے، ان سب کے اندر اتفاق اور یکجائیت ہو جائے گی۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ سر میں درد ہو اور پاؤں

ڈاکٹر کے پاس جانے سے انکار کر دیں کہ یہ میرا مسئلہ نہیں یہ تو سر کا مسئلہ ہے، جب تک جسم کے اندر روح موجود ہے جسم کے سارے اعضا ایک ہیں اور ایک بن کر کام کرتے ہیں،ان کے اندر Unity (اتحاد) موجود ہے۔

ہاں جب جسم سے روح نکل جائے، اب اگر کوئی بندہ اس میت کے بازو کو کاٹنے کی کوشش کرے تو پاؤں اس جسم کو بچانے کے لیے نہیں بھاگیں گے،آنکھوں میں سے کوئی آنسو نہیں آئے گا، کیونکہ اب جسم میں سے روح نکل گئی، وہ Unity (اکائی) ختم ہوگئی۔اگر یہ مثال ہمیں اچھی طرح سے سمجھ میں آ گئی تو اب ہم اپنے اوپر نظر دوڑائیں! ہمارے گھر ایسے افراد کا مجموعہ ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ایک کی حیثیت دوسرے سے مختلف ہے۔مثال کے طور پر: میاں بیوی، بیٹا بیٹی، بہن بھائی سے مل کر گھر چلتا ہے۔اب گھر میں جو خاوند کی حیثیت ہوتی ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی، جو ماں کی حیثیت ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی، بھائی کی حیثیت بہن نہیں لے سکتی اور بہن کی حیثیت بھائی نہیں لے سکتا۔سب آپس میں ایک دوسرے سے مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں،مگر اللہ رب العزت نے ان افراد کے اندر بھی ایک چیز کو اتار دیا جس کو ہم دین کہتے ہیں۔جب تک وہ دین ان لوگوں میں موجود ہو، یہ اسی طرح ایک بن کر محبت و پیار کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں جیسے روح کی موجودگی میں جسم کے اعضا ایک بن کر رہتے ہیں۔

چنانچہ جس گھر کے اندر دین موجود ہوگا تو وہاں اولاد پر ماں باپ کو شفقت ہوگی،اولاد کے دلوں میں ماں باپ کی قدر ہوگی، بہن اپنے بھائی سے محبت رکھے گی، بھائی اپنی بہن پر شفقت کرے گا، یہ سارا گھرانہ ایک جسم کی مانند ہوگا،ان میں سے ایک شخص کی پریشانی پورے گھر کی پریشانی کہلائے گی اور ایک شخص کی خوشی پورے گھر کی خوشی کہلائے گی، یہ گھرانہ زندہ جسم کی مانند ہے۔اور اگر دین کو گھر سے نکال دیا جائے تو یہ گھرانہ مردہ جسم کی مانند بن جائے گا، چنانچہ گھر کے افراد کو ایک دوسرے

کے ساتھ واسطہ تعلق بھی نہیں ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن گھروں میں دین داری کی زندگی نہیں ہوتی، خاوند بیوی کی پرواہ نہیں کرتا اور بیوی خاوند کی بات نہیں مانتی، بہن بھائی سے نہیں بولتی، بھائی بہن کو دیکھنا پسند نہیں کرتا، گھر کے سارے لوگ ایک دوسرے سے کٹے کٹے رہتے ہیں۔ حتی کہ ہمارے پاس بعض لوگ شکایت لے کر آتے ہیں، باپ کہتا ہے کہ جی میرا بیٹا ہے، میں نے پال پوس کر بڑا کیا، جوان کیا، اب اتنا بگڑ گیا ہے کہ چھ مہینے ہوگئے، میرے ساتھ ایک جگہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔ ماں کہتی ہے کہ شادی کے بعد بیٹا اتنا بدل گیا کہ چار مہینے ہوگئے اس نے مجھے شکل بھی نہیں دکھائی۔ تو جب دین زندگیوں سے نکل جاتا ہے تو پھر گھر کے سارے افراد ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں، ایک دوسرے سے محبتیں ختم ہوجاتی ہیں، ہمدردی نکل جاتی ہے، ہر ایک کی زندگی الگ الگ، نفسانفسی کا عالم ہوجاتا ہے۔

اور اگر دین گھر میں موجود ہو تو یہ ایک مثالی گھرانہ ہوتا ہے، الفتیں، محبتیں ہوتی ہیں۔ اچھا ایک مثال سمجھیں: اگر کسی آدمی کے جسم سے روح نکال دی جائے اور اس کو ایئر ٹائیٹ کرکے ناک کے ذریعے سے اس کے جسم کے اندر ہوا بھر دی جائے تو کیا جسم زندہ ہوجائے گا؟ کبھی نہیں ہوسکتا، ہوا روح کا متبادل تو نہیں بن سکتی۔ اسی طرح اگر کسی گھر سے دین کو نکال دیا جائے اور انسان کے بنے ہوئے قوانین اور ضابطے اس گھر کے اندر لاگو کردیے جائیں تو کیا دلوں میں الفتیں، محبتیں آجائیں گی؟ ہرگز نہیں آئیں گی۔ اس لیے جن گھروں میں دینداری نہیں ان گھروں میں سطحی محبتیں ہیں، ورنہ دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ نفرتیں ہوتی ہیں۔

دلوں کو جوڑنے والی ایلفی:

اسی بات کو ذرا ایک اور انداز سے سمجھیں! اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں دو چیزوں کو جوڑنے کے لیے کوئی نہ کوئی تیسری چیز بنائی ہے۔ مثال کے طور پر: کاغذ کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو گلیو استعمال ہوتی ہے، گلیو استعمال کرنے سے کاغذ کے ٹکڑے ایک بن

جائیں گے، اگر کپڑے کے دوٹکڑوں کو جوڑنا ہوتو اب گلیو کام نہیں آئے گی، سوئی دھاگہ استعمال کریں گےتو کپڑے کے دوٹکڑے ایک بن جائیں گے، اگرلکڑی کے دوٹکڑوں کو جوڑنا ہوتو سوئی دھاگہ بھی کام نہیں آئے گا، کیل استعمال کریں گے تو دوٹکڑے ایک ہوجائیں گے، اگر دو اینٹوں کو جوڑنا ہوتو کیل بھی کام نہیں آئے گا، سیمنٹ استعمال کریں گےتو اینٹوں کے دوٹکڑے آپس میں ایک بن جائیں گے گویا ہر دو چیزوں کو جوڑنے کے لئے اللہ نے کوئی نہ کوئی تیسری چیز بنائی ہے۔اب ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو انسانوں کو جوڑنے کے لیے کون سی تیسری چیز ہے؟ تو اس کا جواب ہے''دینِ اسلام''۔اگر کوئی دو بندے نیک بن جائیں، متقی بن جائیں ، پرہیزگار بن جائیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان محبتیں ڈال دیں گے۔قرآن مجید اسکی گواہی دے رہا ہے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾
(مریم:۹۶)

''بے شک جولوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اللہ ان کے دلوں میں محبتیں ڈال دیں گے''

تو دینِ اسلام کی وجہ سے دلوں میں محبتیں آتی ہیں۔اس لیے دین اسلام ہماری زندگیوں کی کامیابی کے لیے اسی طرح اہمیت رکھتا ہے جس طرح ہماری جسمانی زندگی کے لیے روح کی اہمیت ہے، روح کے بغیر جسم کی زندگی کا تصور نہیں اور دین کے بغیر کامیاب زندگی کا تصور نہیں۔

اتفاقی مسلمان یاارادی مسلمان:

ہم نے جو دینِ اسلام کو قبول کیا تو فقط اسلیے نہیں کہ وہ ہمارے ماں باپ کا دین ہے، بلکہ اس لیے کہ ہم خود اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ یہ اللہ رب العزت کا انعام

ہے، اس کی نعمت ہے جو اس نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے واسطے سے اس امت کو عطا فرمائی۔ اور یہ نعمت ہم تک ہمارے والدین کے ذریعے پہنچی۔ اب ہم اس کو اپنی خوشی سے قبول کرتے ہیں، ہم فقط Muslim by chance (اتفاقی مسلمان) نہیں بلکہ مسلم Muslim by choice (ارادی مسلمان) ہیں۔ اب ہم پختگی کی سوچ والی عمر کو پہنچ گئے ہیں، زندگی کے اپنے Discions (فیصلے) خود کرنے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے دل کا یہ فیصلہ ہے کہ ہم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں اور دین اسلام کو اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا ایک احسان سمجھتے ہیں۔

سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخنوں تک مسلمان:

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا:

﴿ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدہ:۳)

اور ہم اس دین کو اپنی زندگی پر لاگو کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ﴾ (البقرہ: ۲۰۸)

''اے ایمان والو! پورے کے پورے سلامتی میں داخل ہو جاؤ!''

یعنی سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک مسلمان بن جاؤ! تو ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم دین اسلام کو پورے جسم کے اوپر لاگو کریں اور اگر فقط زبان سے تو کہہ دیا اور اس کو عملی جامہ نہ پہنایا تو یہ ادھوری بات ہوگی۔ اس لیے کہنے والے نے کہا: ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ الا تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایک اور شعر کسی نے کہا:

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

''جب تک تیرا دل گواہی نہیں دیتا، تیرے یہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا کے الفاظ لغتِ غریب کی مانند ہیں''

تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ جب ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو ہماری بڑی ذمہ داریاں بن جاتی ہیں ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو میں لرز جاتا ہوں، اس لیے کہ میں لا الہ الا اللہ کی مشکلات کو جانتا ہوں۔

دین اسلام کی خوبیاں:

دین اسلام کے اندر اتنی خوبیاں ہیں کہ ہم لوگ تو ان کا احاطہ بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارا علم محدود ہے، علما کو اس کی پوری تفصیلات معلوم ہیں۔ تاہم دین اسلام کی چند خوبیاں یہ عاجز آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے تاکہ دل میں یقین ہو جائے، تسلی ہو جائے کہ واقعی دین اسلام ہی سب سے بہترین دین ہے۔

پاکیزگی والا دین

اسلام میں طہارت کی اہمیت:

سب سے پہلے دین اسلام مسلمانوں کو طہارت سکھاتا ہے، پاکیزہ زندگی سکھاتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے بھی محبت کرتے ہیں اور پاکیزہ رہنے والوں سے بھی محبت فرماتے ہیں۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ

کہ پاکیزگی دین کا حصہ ہے، جتنا دین اسلام نے صفائی اور پاکیزگی کو پسند کیا اتنا کسی اور دین نے پسند نہیں کیا۔

دیکھیے! دین اسلام نے قضائے حاجت کے بعد طہارت کا حکم دیا۔ صحابہ کرام ؓ مٹی استعمال کیا کرتے تھے اور پھر ناپاکی کو صاف کرنے کے لیے پانی استعمال کرتے تھے، آج مٹی کی بجائے آسانی کی خاطر لوگوں نے ٹوائلٹ پیپر بنا لیے۔ یہ دین اسلام ہی ہے کہ جس نے دونوں چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ آپ یورپ میں چلے جائیں تو وہاں پانی کا استعمال ہے ہی نہیں، فقط ٹوائلٹ پیپر استعمال کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ جسم صاف ہو گیا۔ حالانکہ اس کو ہر بندہ سمجھ سکتا ہے کہ جسم صاف تو نہیں ہوا۔ وہاں پر تو اکثر اندر پانی کا کنکشن ہی نہیں ہوتا۔ یہ دین اسلام ہے کہ جس نے اتنی پاکیزگی سکھائی۔ اتنا Hygienic Concept (حفظانِ صحت کا فہم) دیا کہ اگر جسم سے نجاست نکلی تو پہلے اس کو مٹی سے یا ٹوائلٹ پیپر سے صاف کرو اور پھر اس کے بعد پانی کے ذریعے سے اس کو صاف کر دو۔ تو گویا ایک مسلمان اتنی صفائی اور پاکیزگی کی زندگی گزارتا ہے کہ کوئی دوسرا بندہ اتنا نہیں گزار سکتا۔

نماز کے لیے وضو کی شرط:

پھر آپ ذرا غور کریں کہ مومن کو نماز پڑھنے کا حکم ملا اور اس سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا، دن میں پانچ مرتبہ تو ہم ویسے ہی وضو کرتے ہیں، ایسا اور کون سا دین ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو دن میں پانچ مرتبہ ہاتھ، بازو، چہرہ، پاؤں دھونے کا حکم دیا ہو؟ آج اگر یہودی بھی عبادت کرتے ہیں تو فقط ہفتے کے دن، عیسائی

عبادت کرتے ہیں تو فقط اتوار کے دن اور باقی دن ان کی اپنی مرضی کی زندگی ہوتی ہے۔مگر دین اسلام کی خوبصورتی پر قربان جائیں کہ ہر بندے کو پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کا اور نماز سے پہلے وضو کا حکم ملا۔اب دیکھیں کہ اعضائے وضو وہی ہیں جو عام طور پر کام کاج کے درمیان ننگے رہتے ہیں، مثلاً: چہرہ کھلا رہتا ہے، بازو کھلے رہتے ہیں، پاؤں کھلے رہتے ہیں، تو جو اعضاء Uncovered (کھلے) رہتے ہیں، ان ہی کو پانچ مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا، تاکہ اگر کوئی گندگی لگ گئی، کوئی میل کچیل آ گئی تو وہ بالکل دھل کر صاف ہو جائیں۔اللہ رب العزت کا یہ بڑا کرم ہے کہ وضو کے ذریعے ہم دن میں اپنے ان اعضاء کو پانچ بار دھوتے ہیں۔

غسل کا حکم:

پھر دینِ اسلام نے مردوں، عورتوں کو میل ملاپ کے بعد غسل کا حکم دیا، یہ بھی دینِ اسلام کا حکم ہے۔ حیران ہوتے ہیں کہ یہ تعلیم اور کہیں نظر نہیں آتی۔ آج میڈیکل ڈاکٹر بھی یہ کہتے ہیں کہ واقعی انسان کو اگر میاں بیوی کے ملاپ کے بعد نہانے کا موقع ملے تو اس کے جسم کے مسام میں سے جو کچھ پسینہ نکلتا ہے اور اس کے ذریعے سے جو Polution (آلودگی) ہوتی ہے وہ سب کی سب بالکل صاف ہو جاتی ہے۔

دیکھیے! عام آدمی تو اپنے منہ کو ایک مرتبہ صاف کرلے گا، یا دو مرتبہ صبح شام مسواک کرلے گا یا ٹوتھ برش کرلے گا، لیکن وضو کے اندر تو مسواک پانچ دفعہ کرنی سنت بنا دی گئی۔اب دیکھیے کہ مومن اپنے منہ کو بھی مسواک سے پانچ مرتبہ صاف کر رہا ہے، پھر اپنے ناک کو بھی صاف کر رہا ہے، پھر اپنے کانوں کے اندر بھی انگلیاں پھیر رہا ہے، پھر اپنے پاؤں کی انگلیوں کے اندر بھی مساج کر رہا ہے۔

جمعہ کی نماز میں بھی غسل کر کے جانے کو سنت قرار دیا گیا۔تو معلوم ہوا کہ دین اسلام نے پاکیزگی کا ایسا درس دیا کہ یہ پاکیزگی کسی غیر مسلم کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

مسجد میں زینت کے ساتھ آنے کا حکم:

پھر مسجد میں آنے کے لیے فرمایا:

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف:۳۱)

مومن مرد مسجد میں آئے تو زیب و زینت کے ساتھ آئے، عورتیں نماز پڑھیں تو صاف ستھرے خوشبو دار کپڑے پہن کر پھر مصلے پر آئیں کہ ان کی مسجد ان کے گھر کا مصلیٰ ہے۔ اب دیکھیں کہ کتنے لوگ ہیں جو کام کرنے والے ہوتے ہیں! میلے کچیلے گندے رہتے ہیں لیکن دینِ اسلام نے پانچ مرتبہ پاک صاف پاک ہو کر مصلّے پر آنے کا حکم دیا، تو یہ پاکیزگی دین اسلام کی ہی خوبصورتی ہے۔

اسلام اور گھریلو زندگی

اور بات دیکھیے کہ یہ جو گھریلو زندگی ہے کہ ماں، باپ، بھائی، بہن، اولاد، سب مل کر رہیں یہ Concept (تصور) دین نے دیا۔

اولاد اور والدین کا تعلق:

بچوں پر شفقت:

دین نے ماں باپ کو حکم دیا کہ تم اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرو، ان کو تعلیم دلاؤ، ان پر خرچ کرو۔ چنانچہ بچے پڑھتے ہیں تو بھلے وہ کالج یونیورسٹیوں تک پڑھتے جائیں ان کا خرچہ ان کے ماں باپ ہی اٹھاتے ہیں جب کہ آپ کو یہ چیز غیر دنیا میں نظر نہیں آئے گی۔ باہر کی دنیا میں بچہ جیسے ہی سولہ سال سے بڑا ہوا، اب اس کو اپنے سارے خرچے خود اٹھانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ اس کو سکالرشپ لینا پڑتا ہے، قرضہ لینا پڑتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں پر طالب علم پندرہ پندرہ سال یونیورسٹی کا قرضہ ہی اتارتے رہتے ہیں، ماں باپ ان کی ذمہ داری نہیں لیتے۔ لیکن دینی معاشرے میں

دیکھو کہ ہر خرچہ ماں باپ اٹھانے کے لیے تیار ہیں۔

ماں باپ کی عزت:

پھر ذرا اور دیکھیے کہ ماں باپ کو جو عزت اور مقام اسلام میں حاصل ہے یہ چیز آپ کو باہر کی دنیا میں نظر نہیں آئے گی۔ وہاں پر تو بچہ اٹھارہ سال سے بڑا ہوا تو پھر ماں باپ کا اس پر کوئی حق نہیں رہتا، بس پورے سال میں ایک مرتبہ مدر ڈے (ماں کا دن) منالیا جائے گا اور فادر ڈے (باپ کا دن) منالیا جائے گا، اس دن ان کو فون کر دو خط لکھ دو گویا ماں باپ کا حق ادا ہو گیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ امریکہ میں ہم سفر کر رہے تھے، ایک بوڑھی خاتون قریب آئی اور پوچھنے لگی: کیا آپ مسلمان ہیں؟ جواب دیا: جی ہاں، اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ مسلمان اپنے وعدے میں بڑے پکے ہوتے ہیں، ہم نے کہا: جی بالکل آپ نے صحیح بات سنی۔ اس نے کہا: پھر آپ بھی میرے ساتھ ایک وعدہ کریں، میں نے کہا کہ بھئی کیوں وعدہ کریں؟ اس نے کہا: بس آپ میرے ساتھ وعدہ کریں، پوچھا: کیا چاہتی ہیں؟ اس نے جواب دیا: میں بوڑھی عورت ہوں، میرے بیٹے بھی ہیں اور بیٹیاں بھی ہیں، مگر وہ سب جوان ہو چکے، اب کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ وہ مجھے دن میں ایک منٹ کے لیے ملنے آجائے، میں اپنے گھر میں اکیلی رہتی ہوں، اور تنہائی کی وحشت سے تنگ آگئی ہوں، یوں لگتا ہے کہ ذہنی مریضہ بن جاؤں گی، سارا دن میں گھر کی دیواروں کو تکتی رہتی ہوں، کوئی مجھے فون کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی میرا حال پوچھنے والا نہیں ہوتا، میں کھاؤں نہ کھاؤں، رات کو نیند آئے یا نہ آئے، جیوں یا مروں، میرے ساتھ کسی کو کوئی دلچسپی نہیں، مجھے زندگی کا کوئی مقصد نظر نہیں آرہا۔ آپ ایک کام کریں کہ جہاں کہیں بھی ہوں دن میں ایک منٹ کے لیے مجھے ٹیلیفون کر کے صرف اتنا پوچھ لیا کریں کہ آپ خیریت سے ہیں۔ ٹیلیفون کا بل میں ادا کروں گی مگر اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ سارا دن انتظار تو رہے گا تا کہ مجھے ایک بندے کی

کال آئے گی ۔اس دن احساس ہوا کہ یااللہ دین اسلام سے ہٹ کر جو لوگ زندگیاں گزاررہے ہیں، وہ کتنی مصیبت میں گرفتار ہیں! آج دین اسلام نے یہ تعلیمات دیں کہ جو بچہ یا بچی اپنے ماں باپ کو محبت کی نظر سے دیکھے، اللہ تعالیٰ ان کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''جس نے بوڑھے مسلمان کی عزت اس کے بڑھاپے کی بنا پر کی ایسا ہی ہے کہ جیسا اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی عزت کی''۔ اب بتائیے کہ دینِ اسلام نے تو ہر بوڑھے کی عزت کرنے کا حکم دیا مگر باہر کی دنیا کے تو حالات ہی کچھ اور ہیں۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے جوان بیٹے کے اوپر مقدمہ کیا کہ میرے ساتھ میرے گھر میں رہتا ہے، اس نے کتا پالا ہوا ہے، یہ تین چار گھنٹے روزانہ اس کتے کو نہلاتا ہے، کھلاتا ہے، بھگاتا ہے، میرے کمرے میں ایک منٹ کے لیے نہیں آتا، چنانچہ بیٹے نے بھی وکیل کیا، ماں نے بھی وکیل کیا۔ آخر پر مقامی عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ کتے چونکہ بچے نے خود پالے ہیں، اس لیے وہ اس کے liability (ذمہ داری) ہیں چاہے ایک گھنٹہ لگے یا پانچ گھنٹے لگیں، اس کو کتوں کے اوپر لگانے پڑیں گے، اور لڑکے کی عمر چونکہ اٹھارہ سال سے اوپر ہو چکی اس لئے ماں اسکے لیے کوئی liability (ذمہ داری) نہیں، اگر وہ ماں کے کمرے میں ایک منٹ کے لئے نہیں جاتا تو عدالت بچے کو مجبور نہیں کرسکتی۔ اب بتائیں کہ اس ماحول میں ماں کا کیا عالم ہوگا کہ جس میں بیٹا ایک منٹ اپنی ماں کو اپنا چہرہ دکھانے کا بھی روادار نہیں!

ہمارے ایک پروفیسر تھے، وہ بتاتے تھے کہ میں بیرون ملک میں کسی کے دفتر گیا، میرے سامنے اسے ہسپتال سے ایک فون آیا کہ اس کے والد فوت ہو گئے ہیں، تو اس نے کال اٹینڈ کی ڈاکٹر کو کہا کہ ان کو symetry service (تدفینی سروس) کے حوالے کردیں تا کہ وہ ان کو دفن کردیں اور بل مجھے بھجوادیں، میں بل کی

پیمنٹ کر دوں گا۔ وہ کہتے کہ میں نے اس لڑکے سے کہا کہ تم جا کر باپ کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے، تو وہ کہنے لگا کہ مجھے اس کی کیا ضرورت ہے؟ اب جو بیٹا باپ کی موت پر اس کا چہرہ بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا، تو بتائیں اس باپ کو گھر کے اندر کیا خوشیاں حاصل ہوں گی!

میاں بیوی کا تعلق:

گھریلو زندگی کا جو تصور دین نے دیا، یہ تصور آپ کو باہر کہیں نہیں ملے گا۔ شریعت نے تو یہاں تک کہا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ

تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اہل خانہ کے لیے بہتر ہے، نبی اکرم ﷺ نے میاں بیوی کو اتنی محبت سے رہنے کی تعلیم دی کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ تو جو محبتیں، جو الفتیں، جو ایثار دین نے سکھایا وہ آپ کو کہیں بھی باہر نظر نہیں آئے گا۔ اسلیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (النساء:۱۹)

تم اپنی بیویوں کے ساتھ بڑے اچھے انداز کی، پیار بھری زندگی گزارو۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں عورتوں کی سفارش کر رہے ہیں اور خاوندوں کو حکم دے رہیں کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ بڑی محبت بھری، پیار بھری، احسان والی زندگی گزارو۔ تو یہ گھریلو زندگی کا تصور دین اسلام کا ہی حسن ہے۔

میاں بیوی باہر کے ملکوں میں میاں بیوی ہوتے ہیں مگر دونوں کے اپنے اپنے Expences (اخراجات) ہوتے ہیں۔ ہم نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک خاوند کو ایک

سگریٹ کی ضرورت تھی تو اس نے اپنی بیوی سے سگریٹ ادھار مانگی اور کہنے لگا کہ جب میری بیوی کو سگریٹ کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ بھی مجھ سے سگریٹ ادھار مانگتی ہے اور دونوں کی شادی کو تیس سال گزر چکے تھے۔ آپ بتائیں کہ جہاں میاں بیوی ایک دوسرے سے سگریٹ بھی ادھار مانگیں، ان کی زندگی میں الفتیں، محبتیں کیا ہوں گی؟

اسلام خیر خواہی والا دین

دین اسلام خیر خواہی والا دین ہے، شریعت میں دوسروں سے خیر خواہی کا حکم دیا گیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الدین النصیحۃ ''دین سراسر خیر خواہی ہے''

چنانچہ مومن ہر کسی کا خیر خواہ ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم زبان سے تو مسلمان کہلائیں، مگر عملی طور پر عمل نہ کر سکے، یہ ہماری کوتاہی ہے، ورنہ دین کی تعلیمات تو کچھ اور ہیں۔ دین نے کہا کہ انسان اپنی بھی خیر خواہی کرے، اپنے ساتھ والے انسانوں کی بھی خیر خواہی کرے، ہر کسی کی خیر خواہی کرے۔ چنانچہ ہمارے اکابر کے اندر خیر خواہی اتنی تھی کہ ہم ان کی زندگیوں کو پڑھتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا!

یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ

انسانوں میں سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔ اور حدیث پاک میں فرمایا گیا:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ

''تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا''

تو گویا دین اسلام نے تو انسانوں کے ساتھ ساتھ حیوانوں کی بھی خیر خواہی کا حکم دیا، اب یہ تصور کہیں اور آپ کو نہیں مل سکتا۔

کتے کو پانی پلانے پر اجر:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک زانیہ عورت تھی، اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اس پر اللہ نے اس کے گناہوں کی بخشش کر دی۔ اگر پیاسے کتے کو پانی پلانے پر زانیہ عورت کی بخشش ہو جاتی ہے تو کسی پیاسے انسان کو پانی پلائیں گے تو کتنا اجر ملے گا!

چیونٹی کی خیر خواہی کا تذکرہ قرآن میں:

قرآن مجید کی آیت میں ایک چیونٹی کا تذکرہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام لشکر کے ساتھ اپنے تخت کے اوپر جا رہے تھے، ایک چیونٹی نے جب دیکھا تو اس نے دوسری چیونٹیوں کو کہا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ﴾ (نمل:۱۸)

''اے چیونٹیو! اپنے بلوں کے اندر گھس جاؤ!''

ایسا نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں پاؤں کے نیچے مسل کر چلا جائے، تو ساری چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں چلی گئیں۔ اب چیونٹی کی یہ خیر خواہی اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسکا تذکرہ کیا، اور ایک سورۃ کا نام اَلنَّمل چیونٹی کے نام پر رکھا۔ اگر چیونٹی کی خیر خواہی اللہ تعالیٰ کو اتنی اچھی لگی ہے تو ایک انسان دوسرے انسان کی خیر خواہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکو کتنا پسند فرمائیں گے! چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی دوسروں کی خیر خواہی کریں۔

اتنی خیر خواہی:

شریعت نے کہا کہ اگر کوئی مرد کسی مرد سے ملے تو مسکرا کر ملنا بھی عبادت،

دوسرے کے کام میں اس کی مدد کرنا بھی عبادت، کسی کو راستہ بتانا بھی عبادت، زمین میں پودا لگانا بھی عبادت، صدقہ کرنا بھی عبادت، فرمایا کہ یتیم کے سر پر اگر کوئی شفقت سے ہاتھ رکھ دے تو ہاتھ کے نیچے جتنے بال ہوں گے اتنی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔تو یتیم بچے کے سر پر ہاتھ رکھنا بھی عبادت، اتنی خیر خواہی!!!
سبحان اللہ!

ایک مکھی سے خیر خواہی کا انعام:

چنانچہ ایک محدث تھے، انہوں نے دین کا بڑا کام کیا، وفات کے بعد کسی کو خواب میں ملے، پوچھا: حضرت! کیا بنا؟ کہنے لگے: میری تو مغفرت ہوگئی۔اس نے کہا کہ جی ہاں آپ نے تو حدیث کا بڑا کام کیا، لوگوں کو علم پڑھایا، دین سکھایا، آپ کی تو بخشش ہونی ہی تھی۔وہ کہنے لگے: نہیں بخشش تو ایک ایسے عمل کی وجہ سے ہوئی جو مجھے یاد ہی نہیں تھا۔کہنے لگا: کون سا عمل؟ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ میں حدیث پاک لکھ رہا تھا، میں نے قلم کے اوپر سیاہی لگائی اور چاہتا تھا کہ میں لکھوں، اتنے میں ایک مکھی آکر اس سیاہی کے اوپر بیٹھ گئی، تو میں نے دل میں سوچا کہ یہ پیاسی ہوگی، اس کو سیاہی پی لینے دوں، لہٰذا میں نے اپنی قلم کو کچھ دیر کے لیے روکا تو وہ مکھی اڑ کر چلی گئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے میری رضا کی خاطر ایک مکھی کی پیاس کو بجھایا، آج میں تمہیں جہنم کی پیاس سے نجات عطا فرماتا ہوں۔

چنانچہ یہ خیر خواہی کی زندگی کا تصور دین اسلام نے دیا، حتیٰ کہ فرمایا کہ تم فقط مسلمانوں کی نہیں غیر مسلموں کی بھی خیر خواہی کرو، جانوروں کی بھی کرو۔نیکوں کی ہی نہیں بدکاروں کی بھی کرو۔

خیر خواہی ہر ایک سے......

چنانچہ میاں اصغر حسین ہمارے اکابر میں سے ایک بزرگ گزرے ہیں، ایک

مرتبہ وہ اپنے گھر جا رہے تھے، ساتھ میں کوئی اور بھی تھا۔ تو ایک جگہ پر ایک گھر تھا، اس کے قریب انہوں نے اپنے جوتے اتار دیے اور ننگے پاؤں چلنے لگے، آگے جا کر دوبارہ جوتے پہن لیے۔ ساتھ والے نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ دیکھو! یہ گھر ایک غیر مسلم عورت کا ہے جو طوائف ہے، یہ اپنی جوانی سے اس کام میں لگ گئی تھی، روزانہ بن سنور کر اپنے گھر میں رہتی تھی اور لوگ برائی کے لیے اس کے گھر میں آیا کرتے تھے، اب اس کی عمر ذرا بڑی ہوگئی تو لوگوں کا آنا کم ہوگیا، میں جب کبھی اس راستے سے گزرتا ہوں تو میں اپنے جوتے اس لیے اتار دیتا ہوں کہ کہیں مرد کے جوتوں کی آواز سن کر اس کے دل میں امید نہ لگ جائے کہ کوئی میرا Customer (گاہک) آگیا ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اتنی خیر خواہی کہ ایک بدکار عورت کے دل کو بھی نہیں دکھاتے تھے، تو پھر نیکوکاروں کا دل کتنا خوش رکھنا چاہیے۔

یہ خیر خواہی ہمیں دین نے سکھائی، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں مومن کا غم نہیں وہ میری امت میں سے نہیں۔ ایک حدیث میں ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ (کونسا انسان اللہ کو زیادہ پیارا ہے؟) فرمایا: اَنْفَعُ النَّاسِ لِلنَّاسِ (انسانوں میں سب زیادہ انسانوں کے لیے نفع پہنچانے والا بندہ، اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی خیر خواہی کی زندگی عطا فرمائے۔

دینِ اسلام اور جذبہءِ خدمت

پھر دین اسلام نے ہمیں دوسروں کی خدمت کا حکم دیا۔ چنانچہ اولاد، ماں باپ کی خدمت کرے، چھوٹے بڑوں کی خدمت کریں، شاگرد استاد کی خدمت کرے، میزبان مہمان کی خدمت کرے، یہ خدمت کا ایک ایسا عنوان ہے کہ جس کی کوئی

حد ہی نہیں اور یہ خدمت صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ فرمایا کہ انسان ہونے کے ناتے ہر کسی کی خدمت کرو۔

اکابر کے واقعات:

ہمارے اکابر تو ایسی زندگی گزار گئے کہ ہمارے لیے روشن مثالیں قائم کر گئے۔

⊙...... چنانچہ ایک عالم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کیلیے آئے تو راستے میں ایک ہندو بھی ان کے ساتھ ہو گیا، اب یہ گھبرانے لگے کہ یہ میرے ساتھ تو ہو گیا ہے، پتہ نہیں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس کو پسند بھی کریں یا نہیں۔ ملنے کے لیے آئے، حضرت نے دونوں کو کھانا کھلایا اور سلا دیا، وہ عالم کہتے ہیں کہ جب رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے کیا دیکھا کہ وہ ہندو مہمان سویا ہوا ہے اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے بزرگ اور عالم بیٹھے ہوئے اسکے پاؤں دبا رہے ہیں۔

⊙...... حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے، ایک ہندو بیت الخلا میں گیا تو اس نے دیکھا کہ بہت گندگی پڑی ہوئی تھی، اتنی گندگی کہ کوئی آدمی وہاں پر کہیں بھی فراغت حاصل نہیں کر سکتا تھا، وہ واپس آ گیا اور بڑا شکوہ کر رہا تھا کہ لوگ صفائی کا خیال نہیں کرتے، گندگی مچا دی ہے، کوئی دوسرا بندہ ٹوائلٹ استعمال ہی نہیں کر سکتا۔ اس کی یہ بات سن کر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ چپکے سے اٹھے اور جا کر انہوں نے بیت الخلا کو دھو کر صاف کر دیا اور واپس آ کر کہنے لگے کہ میں نے ابھی بیت الخلا استعمال کیا ہے، اب تو بہت صاف ہے۔ چنانچہ وہ ہندو گیا اور اس نے بیت الخلا کو استعمال کیا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ میں آپ کا بہت مخالف تھا لیکن آپ کے اس عمل نے تو مجھے آپ کا عاشق بنا دیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے واقعی اللہ کو راضی کر لیا تھا۔

⊙...... حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مجھے اللہ رب العزت نے جو مفتی اعظم

بننے کی توفیق دی تو اس کی وجہ ایک بڑھیا کی دعائیں تھیں۔ میں ایک دفعہ جارہا تھا، ایک بڑھیا کنویں سے پانی بھر کر گھر لے جانا چاہتی تھی اور وہ انتظار میں تھی کہ کوئی میرے سر پر گھڑا رکھ دے، میں نے دیکھا کہ بڑھیا کمزور ہے اور گھڑا وزنی ہے، یہ کیسے اٹھائے گی؟ کہتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ مجھے آپ راستہ بتائیں! میں گھڑا آپ کے گھر پہنچا دیتا ہوں چنانچہ میں نے اپنے سر پر گھڑا رکھ لیا اور اس کے گھر پہنچایا اس بڑھیا نے مجھے اتنی دعائیں دیں کہ اس کی دعاؤں سے اللہ نے مجھے اتنا علمی مقام عطا فرما دیا۔

سوچنے کا مقام:

آپ بتائیں! کیا ہم آج کسی کا کام کرتے ہیں؟ نوجوان بچیاں سوچیں! یہ اپنی ماں کی خدمت نہیں کرتیں، نوجوان بیٹے اپنے باپ کی خدمت نہیں کرتے۔ آج ماں اپنی بیٹی کو نہیں کہہ سکتی کہ پانی کا گلاس بھر کر لے آؤ۔ اس لیے کہ دینی تعلیم ابھی ہماری زندگیوں میں نہیں آئی، ہمیں تربیت کی ضرورت ہے۔ تو دین اسلام نے تو ایسے خدمت سکھائی، اس لیے دینِ اسلام نے بتایا کہ انسان کے اوپر سب سے زیادہ ماں باپ کا حق ہے، پھر اس کے بعد بیوی بچوں کا حق ہے، پھر اسکے بعد بہن بھائی کا حق ہے، پھر اس کے بعد پڑوسی کا حق ہے، پھر اس کے بعد اپنے رشتہ داروں کا حق اور اسکے بعد عام مسلمان کا حق ہے۔ بلکہ اس کے بعد غیر مسلم کا بھی حق ہے بلکہ اس کے بعد جانوروں کا بھی انسان پر حق ہے۔ یہ حقوق دینِ اسلام نے بتائے۔

دینِ اسلام اور جذبہء ایثار

دین اسلام کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیں ایثار سکھاتا ہے۔ ایثار کہتے ہیں کہ اپنی ضرورت کو قربان کرنا اور دوسرے کی ضرورت کو پورا کر دینا

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾

''اور وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر خود فاقہ ہو''

چنانچہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، سمرقند کے رہنے والے تھے، ایک رات انہوں نے تہجد پڑھی، سخت سردی تھی، ٹھٹھر رہے تھے۔ تو سخت سردی کی وجہ سے مصلّے سے اٹھ کر واپس اپنے بستر میں آنے لگے تو کیا دیکھا کہ بستر میں ایک بلی گھس گئی تھی۔ تو انہوں نے سوچا کہ بلی کی نیند خراب نہ ہو، واپس آکر مصلّے پر بیٹھ گئے اور بقیہ رات سردی میں ٹھٹھرتے گزار دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ رب العزت کی طرف سے ان کے شیخ کو بشارت ملی کہ جائیں اور وہاں ان سے ایک عظیم شخصیت بیعت ہوگی لہذا وہ وہاں آئے اور وہاں ان سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ بیعت ہوئے، تو ہمارے مشائخ تو جانوروں کی ضرورت کو بھی اپنی ضرورت پر فوقیت دیتے تھے۔

کسی نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نے مثنوی لکھی تو اس میں بڑی معرفت کی باتیں لکھیں، یہ معرفت کیسے ملی؟ انہوں نے فرمایا: ایک کتے کی وجہ سے، پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ میں ایک مرتبہ جارہا تھا، کھیتوں کے درمیان چھوٹا سا راستہ تھا، پگڈنڈی تھی اور اس پر ایک کتا سویا ہوا تھا، تو میں نے سوچا کہ میں قریب سے گزروں گا تو کتے کی نیند خراب ہوگی، میں تھوڑی دیر کے لیے رک گیا، تھوڑی دیر بعد کتا خود ہی اٹھ کر چلا گیا، پھر میں آگے چلا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات القا کی گئی کہ تم نے ایک کتے کے بھی آرام کا خیال رکھا، اس کے بدلے ہم تمہیں اپنی معرفت عطا فرمائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کتنی معرفت کی باتیں میری زبان سے کہلوادیں!

آج ہم اپنی بیوی کی نیند کا خیال نہیں کرتے، والدین کی نیند کا خیال نہیں کرتے، بچوں کا خیال نہیں کرتے، ہم گھروں میں ایسے رہتے ہیں جیسے جانور ہوتے ہیں، کاش

کہ ہم دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کرتے! تو دنیا میں بھی خوشیاں پاتے اور اللہ کے ہاں بھی بڑا مقام پالیتے۔

سچائی والا دین

یہ دین اسلام سچ کا دین ہے، انسان کو سچی زندگی سکھاتا ہے، جھوٹ سے نفرت سکھاتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مومن سب کچھ ہوسکتا ہے مگر مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الصِّدْقَ يُنْجِيْ وَالْكِذْبَ يُهْلِكُ

''سچائی سے انسان کو نجات ملتی ہے اور جھوٹ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے''

یہ سچ بولنا انسان کی زندگی کی پریشانیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے کہا کہ جو شخص اپنی زبان سے جھوٹ بولنا چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ سچی اور سچی زندگی گزارنے کی تعلیم دین اسلام نے دی۔ ہمارے اکابر کی اتنی Transparent (شفاف) زندگیاں تھیں کہ حیران ہوتے ہیں۔ چند مشہور واقعات آپ کو بھی سناتے ہیں۔

مسلمان ہار گئے اسلام جیت گیا:

کاندھلہ ایک گاؤں تھا، جس میں مسلمان اور ہندو اکٹھے رہتے تھے۔ وہاں پر ایک چھوٹا سا زمین کا ٹکڑا تھا جس پر مسلمان اور ہندو کے درمیان جھگڑا ہوا، مسلمان کہتا تھا کہ یہ میرا پلاٹ ہے اور ہندو کہتا تھا کہ میرا ہے۔ جب تھوڑا سا جھگڑا بڑھنے لگا تو مسلمان نے سمارٹ بننے کی کوشش کی اور اعلان کر دیا کہ یہ میرا پلاٹ ہے اور میں یہاں مسجد بناؤں گا، جواب میں ہندو نے بھی کہہ دیا کہ میں یہاں پر مندر بناؤں گا۔ اب بات تو تھی دو بندوں کی لیکن دو مذاہب کا جھگڑا بن گیا، لہٰذا پورے شہر کے

اندر ٹینشن پیدا ہو گئی۔ قریب تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے۔ عدالت میں مقدمہ پیش ہو گیا۔ جو جج تھا وہ انگریز تھا، وہ چاہتا تھا کہ یہ آپس میں صلح صفائی کر لیں، اس نے دونوں فریقین سے پوچھا کہ کوئی ایسی صورت ہے کہ صلح صفائی سے یہ معاملہ حل ہو جائے۔ ہندوؤں نے کہہ دیا کہ جی ہاں ایک مسلمان عالم ہیں آپ ان کو بلا کر ان سے گواہی لے لیں، اگر وہ گواہی دے دیں کہ یہ ہندوؤں کی زمین ہے تو یہ آپ ہمیں دے دیں اور اگر کہیں کہ مسلمانوں کی ہے تو ان کو دے دیں، انگریز نے اگلی تاریخ دے دی اور کہا کہ چلو ٹھیک ہے اس کا مناسب حل نکل آئے گا۔ جب ہندو باہر آئے اور دوسرے لوگوں نے بات سنی تو باقی ہندوؤں نے ان کو لعن طعن کی کہ تم کیا کسی مسلمان کو حکم بنا کر چلے آئے؟ وہ مسلمان ہے وہ تو مسجد بنانے کے لیے ہی کہے گا، تم تو مقدمہ پہلے ہی ہار گئے، تم نے بہت برا کیا۔ اگلی تاریخ پر جب مسلمان اور ہندو دونوں عدالت میں گئے، تو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک بزرگ تھے مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کو جج نے بلایا ہوا تھا۔ جج نے ان سے پوچھا کہ یہ زمین کس کی ہے؟ مسلمانوں کو توقع تھی کہ یہ کہیں گے کہ مسلمانوں کی ہے تاکہ ہم مسجد بنائیں، اللہ کا گھر بنائیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا: یہ جی زمین ہندو کی ہے، جج نے پوچھا کہ کیا ہندو اس کے اوپر اپنا مندر بنا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جب ملکیت ان کی ہے تو اختیار بھی ان کا ہے وہ جو چاہیں بنائیں۔ تو جج نے عجیب فیصلہ لکھا! اس نے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا: آج کے اس مقدمے میں مسلمان تو ہار گئے مگر اسلام جیت گیا۔ جب جج نے یہ فیصلہ سنایا تو وہ ہندو کہنے لگا کہ جج صاحب آپ نے اپنا فیصلہ سنا دیا، اب میرا فیصلہ بھی سن لیجیے، اگر اسلام اتنا سچ سکھانے والا دین ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں اور اس جگہ پر میں مسجد بنانے کا ارادہ کرتا ہوں۔ تو دین اسلام تو سچ سکھانے والا دین ہے۔

حیا والا دین

اور دینِ اسلام حیا سکھاتا ہے، یہ حیا ایک ایسی صفت ہے کہ اس کی تعلیم دینِ اسلام ہی کا حسن ہے۔ حیا والا دین، چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

''حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے''

اور فرمایا:

اِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَافْعَلْ مَاشِئْتَ

''جب حیا تجھ سے رخصت ہو جائے تو پھر جو چاہے تو کر''

آج باہر کی دنیا میں چلے جاؤ تو دنیا کہتی ہے کہ Shyness is the sickness (شرم ایک بیماری ہے) چنانچہ لڑکوں اور لڑکیوں کے دلوں سے شرم کو نکالا جاتا ہے تاکہ وہ بالکل جانوروں کی طرح آپس میں تعلقات قائم کر سکیں۔ جب کہ دین اسلام نے حیا کی تعلیم دی۔

حیا عورت کا حسن ہے:

دینِ اسلام نے حیا کو عورت کا حسن کہا ہے، اور واقعی جتنی باحیا عورت ہوتی ہے اس کا حسن اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔ یہ جو نیکی، تقوی، شرافت اور حیا کا حسن ہے، یہ شکل کے حسن سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس میں جتنا زیادہ حیا ہوا تنا زیادہ اس عورت کے اندر خوبی ہوتی ہے۔ تو یہ حیا کی تعلیم دین اسلام نے دی چنانچہ اس کی وجہ سے ماں باپ ایک وقار کی زندگی گزارتے ہیں، وہ اپنے بچوں کے سامنے ایسی حرکتیں نہیں کرتے کہ ماں باپ کا کوئی وقار ہی نہ رہے۔

بے حیائی کا نتیجہ:

باہر کی دنیا میں یہ چیز نہیں ہے، آپ اگر باہر کی دنیا میں کبھی جائیں تو بچوں کے سامنے ماں باپ کو عجیب حرکتیں کرتے دیکھیں گے۔ وہاں تو مرد عورت کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہمیں کوئی دیکھ رہا ہے یا نہیں دیکھ رہا، چنانچہ اس بے حیائی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہاں پر ڈانس پارٹیاں ہوتی ہیں، پانچ سو مرد عورتیں ایک وقت میں ڈانس بھی کرتے ہیں اور اس کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ سیکس بھی کرتے ہیں، اور ان کو ایک دوسرے کا کوئی لحاظ بھی نہیں ہوتا، یہ انسانیت نہیں یہ تو حیوانیت ہوئی۔ اسی بے حیائی کا نتیجہ ہے کہ آج وہاں پر مرد عورت کے میل ملاپ کے طریقے اتنے برے بن گئے کہ انہوں نے اورل سیکس کرنا شروع کر دی، انسان حیران ہوتا ہے کہ کیا یہ جانوروں والے کام انسان بھی کر سکتا ہے! شاید جانوروں سے بھی بڑھ کر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ حیا ایک صفت ہے، ایک نعمت ہے اور اس کی تعلیم دین اسلام کا حسن ہے۔

اسلام میں اخلاص کی تعلیم

دین اسلام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو اخلاص کی تعلیم دیتا ہے۔ بندہ جو بھی کام کرے، اللہ کی رضا کے لیے کرے۔ چنانچہ ہم جو بھی خدمت کرتے ہیں تو احسان چڑھانے کے لیے نہیں کرتے، اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ اگر کوئی امیر آدمی کسی غریب کو دیتا ہے تو احسان جتلانے کے لیے نہیں دیتا، اپنے اللہ کو راضی کرنے کے لیے دیتا ہے۔ یہ جو اخلاص ہے کہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے کام کرنا، یہ عجیب تعلیم ہے۔ سبحان اللہ! اور یہ تعلیم دین اسلام نے دی۔ ہمارے اکابر جو کام بھی کرتے تھے، وہ اخلاص کے ساتھ، اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے کرتے تھے۔

جب مدائین فتح ہوا تو جنگ ختم ہونے کے بعد امیرِ لشکر کے پاس ایک مسلمان فوجی آیا، جس کے جسم پر بہت ہی معمولی کپڑے تھے، حیثیت بھی معمولی نظر آ رہی تھی

اور اس نے کپڑوں کے اندر کوئی چیز چھپائی ہوئی تھی۔ اس نے آ کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وہ چیز دی، جب کپڑا ہٹایا گیا، تو وہ مدائن کے بادشاہ کا تاج تھا، جنگ کے اندر بادشاہ مارا گیا تھا اور اس فوجی نے اس کے تاج کو اپنے پاس سنبھال لیا تھا۔ بادشاہ کا تاج اتنا قیمتی تھا، اس میں اتنے قیمتی ہیرے اور موتی بھی لگے ہوئے تھے کہ اگر ایک ہیرہ بھی بیچا جاتا تو اس فوجی کی پوری زندگی سکون اور آسانی کے ساتھ گزر جاتی اور کسی کو پتہ بھی نہیں تھا کہ یہ تاج کس کے پاس ہے۔ مگر اس کے دل میں اخلاص تھا، خوف خدا تھا کہ یہ ایک امانت ہے، تو اس نے جا کر وہ تاج امیر لشکر کو دیا کہ یہ امانت ہے میں آپ کو دینے کے لیے آیا ہوں، تو امیرِ لشکر اس نوجوان کے اخلاص پر حیران ہوا۔ اس نے نوجوان سے نام پوچھا کہ بتاؤ! تمہارا نام کیا ہے؟ تو جیسے ہی نام پوچھا تو اس نوجوان نے اپنا رخ پھیر کر امیر کی طرف پیٹھ کر دی، چہرہ دوسری طرف کر کے چلنا شروع کر دیا اور یہ الفاظ کہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لیے یہ عمل میں نے کیا ہے وہ میرا بھی نام جانتا ہے اور میرے باپ کا نام بھی جانتا ہے۔

یہ اخلاص بندے کو نصیب ہو جائے اور اس اخلاص کے ساتھ اولاد، ماں باپ کی خدمت کرے، بیوی، خاوند کی خدمت کرے، خاوند، بیوی کو خوش رکھے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے کو بلائیں گے۔ فرمائیں گے: اے میرے بندے! میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا اور میں بیمار تھا تو نے میری طبیعت نہیں پوچھی تو وہ بندہ بڑا حیران ہوگا، کہے گا: یا اللہ! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ اس لیے کہ آپ تو بھوک پیاس سے پاک ہیں، منزہ مبرا ہیں، بیمار ہونے سے بالاتر ہیں۔ تو اللہ رب العزت فرمائیں گے، ہاں فلاں موقع پر تیرا پڑوسی بھوکا تھا، اگر تو اپنے پڑوسی کو کھانا کھلاتا، یہ ایسے ہی ہوتا جیسے تو نے مجھے کھانا کھلایا۔ اگر تو پڑوسی کو پانی پلاتا، ایسے ہی ہوتا جیسے تو نے مجھے پانی پلایا۔ پڑوسی بیمار تھا اگر تو نے اس کی بیمار پرسی کی ہوتی تو یہ ایسے ہی تھا

کہ جیسے میری بیمار پرسی کی۔ اس دن احساس ہوگا کہ دینِ اسلام کی تعلیمات کیسی تعلیمات ہیں!

دینِ اسلام سے سچی محبت ہونی چاہیے:

تو یہ چند باتیں اس لیے میں نے کھولیں کہ یہ احساس ہو جائے، دل میں یقین بیٹھ جائے کہ ہم فقط اس لیے مسلمان نہیں کہ باپ، دادا مسلمان رہے۔ بلکہ اب دین کو پڑھنے کے بعد، سمجھنے کے بعد ہمارے دل سے آواز اٹھتی ہے کہ دین اسلام ہی ہماری زندگی کا دین ہے اور ہم اس کو قبول کر کے اللہ کا احسان مانتے ہیں۔ دین اسلام سے ایسی محبت ہو کہ بس محبت کی کوئی انتہا نہ ہو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ مسلمان کہلاتے ہوئے شرمانے لگیں، نام بتاتے ہوئے شرمانے لگیں، یا مسلمان بتاتے ہوئے اپنے آپ کو مجرم محسوس کرنے لگیں، ایسا نہیں بلکہ دل کی چاہت اور محبت کے ساتھ ہم اپنے آپ کو مسلمان بنائیں اور مسلمان ہونے پر دل میں اللہ کا شکر ادا کریں۔

چنانچہ دین اسلام نے نماز، روزہ، حج، زکوۃ کا حکم دیا۔ نماز میں، روزے میں، حج میں، زکوۃ میں کیا کیا حکمتیں ہیں؟ یہ مستقل الگ عنوانات ہیں۔ بس مختصر اور نکتے کی بات یہ یاد رکھیں کہ اپنے مسلمان ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کریں اور اپنے دل میں خوش ہوا کریں اور دین اسلام سے اتنی محبت رکھیں کہ یہ نیت کریں کہ اگر کوئی بندہ میرے جسم سے جان نکالنا چاہے تو وہ جان تو نکال سکتا ہے، میرے دل سے دینِ اسلام کی محبت کو نہیں نکال سکتا، ایسی محبت ہو۔ چنانچہ اس محبت کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ بھی ہمیں دین اسلام کے اوپر ہی موت عطا فرمائیں گے۔

ایک عجیب واقعہ:

چنانچہ کتابوں میں ایک عجیب بات لکھی ہے، چونکہ علما نے لکھی ہے اس لیے میں نقل کرتا ہوں، بات بڑی اہم اور سمجھنے والی ہے۔ مدینہ طیبہ میں ایک نوجوان رہتا

تھا جو غفلت کا شکار تھا، اسکی زندگی بھی کافروں والی تھی، عادتیں بھی، لباس بھی، کھانا پینا بھی، سب کچھ اس کا بس کافروں کی طرح تھا، لیکن ویسے کلمہ پڑھتا تھا اور مدینہ طیبہ میں پیدا ہوا، وہیں کا رہنے والا تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کے جنازے کی نماز پڑھی گئی اور اسکو جنت بقیع میں دفن کیا گیا۔ اللہ کی شان کہ جو لوگ دفن کر کے واپس آئے ان میں سے ایک بندہ تھا جس کی جیب میں کوئی ایسا کاغذ تھا، جو بڑی اہمیت کا حامل تھا وہ گم ہو گیا۔ اس کو اندازہ ہوا کہ جب دفن کرنے کے لیے میں قبر میں اترا تھا، تو اس وقت وہ کاغذ کہیں نیچے نہ گر گیا ہو؟ کاغذ بہت اہم تھا چنانچہ اس نے حکومت سے اجازت مانگی کہ قبر کو کھولا جائے اور میرا وہ کاغذ اتنا اہم ہے وہ نکالا جائے۔ اس کو اجازت مل گئی جب قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ وہاں پر تو مرد کی بجائے ایک انگریز گوری لڑکی دفن ہے۔ تو قبر کھولنے والے بھی بڑے حیران! اب یہ بات کافی لوگوں میں پھیل گئی، اس کی تصویریں بھی لی گئیں، اخباروں میں چھپائی گئیں۔ چنانچہ یورپ کے کسی ملک سے ان کو ایک اطلاع ملی کہ یہ تصویر تو میری بیٹی کی تصویر ہے، جب اس سے رابطہ کیا گیا، اس بندے سے جا کر ملے تو اس نے کہا کہ اس کی بیٹی کی چند دن پہلے وفات ہوئی اور ہم نے تو اسے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ چنانچہ یہاں حکومت سے اجازت لے کر جب اس لڑکی کی قبر کو کھودا گیا تو دیکھا گیا کہ وہاں اس نوجوان کی لاش پڑی تھی۔ لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے، اس انگریز سے پوچھا گیا کہ آپ کچھ جانتے ہو یہ کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ اور تو مجھے پتہ نہیں لیکن اتنا مجھے اندازہ ہے کہ میری اس بیٹی نے کچھ دنوں سے اسلام کے بارے میں کتابیں پڑھنی شروع کر دی تھیں اور یہ مجھے بار بار کہتی تھی کہ میں دین اسلام سے محبت رکھتی ہوں، یہ بار بار کہتی تھی اور ہو سکتا ہے کہ اس نے کلمہ بھی پڑھ لیا ہو۔ تب جا کر لوگوں کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو نوجوان مدینہ میں پیدا ہوا اور فقط ظاہر کا مسلمان تھا، اندر سے غیر مسلموں کے طور طریقوں کو پسند کرتا تھا، اس کو اگر جنت

بقیع میں دفن کیا گیا تو اللہ نے اس لاش کو عیسائیوں کے قبرستان میں پہنچادیا اور عیسائی لڑکی جو اگر چہ عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کی گئی، دین اسلام سے محبت رکھنے کی وجہ سے اللہ نے اس کی لاش کو جنت بقیع میں پہنچادیا۔

یہ واقعہ اگر چہ اخباروں کا واقعہ ہے لیکن اتنا ہمیں سمجھانے کے لیے کافی ہے کہ ہم اپنے دل میں دین اسلام سے محبت رکھیں، اس پر اللہ کا شکر ادا کریں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور اپنے آپ کو مسلمان بنا کر رکھنے کی کوشش کریں۔ اس لیے کہ یہ دس شرطوں میں سے پہلی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دس شرائط پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہماری بخشش یقینی ہو جائے اور ہم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور فرمانبردار بندوں میں شامل ہو جائیں۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دوسری شرط

ایمان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ
وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ
وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ
فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ
مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا o (الاحزاب:۳۵)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

وعدۂ مغفرت:

اللہ رب العزت قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرماتے ہیں:
اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ
وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ
وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○ (الاحزاب:۳۵)

قرآن مجید فرقانِ حمید کی اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے مردوں اور عورتوں کو الگ الگ مخاطب کر کے یہ فرمایا: بے شک مسلمان مرد اور عورتیں، ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ رب العزت کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت یاد کرنے والی عورتیں، اللہ رب العزت نے ان سب کے لیے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں دس شرطیں بتائی گئی ہیں کہ اگر مرد اور عورتیں ان کو اپنے اندر پیدا کرلیں تو اللہ رب العزت کی طرف سے مغفرت کا وعدہ ہے۔ چنانچہ اسی آیت کے اوپر مضمون چل رہا ہے کہ کس طرح ہم یہ صفات اپنے اندر پیدا کرلیں؟ اور اپنے آپ کو اللہ رب العزت کی طرف سے مغفرت کا اہل بنالیں۔

مسلمین اور مسلمات پر بات ہو چکی، حدیث پاک میں آتا ہے کہ

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

''مسلمان وہ ہے کہ جس کے زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان حفاظت میں رہیں، سلامتی میں رہیں''

زبان اور ہاتھوں کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ عام طور پر یہی دو چیزیں انسان کے لئے ایذا کا سبب بنتی ہیں، یا تو انسان زبان سے کسی کا دل دکھاتا ہے یا اپنے

ہاتھوں سے کسی کو ایذا پہنچاتا ہے۔ ان دونوں میں بھی زبان کا تذکرہ اس لئے کیا کہ زبان کا زخم تلوار کے زخم سے بھی زیادہ ہوا کرتا ہے۔ بلکہ انسان اپنے ہاتھوں سے تو ایذاء ان کو پہنچاتا ہے جو سامنے حاضر ہوتے ہیں، جبکہ زبان سے ایذاء ان لوگوں کو بھی پہنچاتا ہے جو حاضر نہیں ہوتے بلکہ پہلے زمانوں میں گزر چکے ہوتے ہیں۔

دوسری شرط......ایمان:

آگے فرمایا:

﴿ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾

''ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں''

ایمان کہتے ہیں: نبی علیہ الصلوۃ والسلام اللہ رب العزت کی طرف سے جو شریعت لائے ہیں، اس کا زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا۔ اِقْرَارٌ بِالِلّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ۔ اللہ رب العزت کو ایک ماننا، نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرنا، کتابوں پر ایمان لانا، ملائکہ کو ماننا، قیامت کے دن پر ایمان رکھنا، تقدیر میں جو خیر اور شر ہے اس پر ایمان لانا، گویا جو کچھ نبی اکرم ﷺ لائے اس تمام کا زبان سے اقرار کر لینے اور دل سے مان لینے کو ایمان کہتے ہیں۔ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے، ایمان کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔ اسلام کا تعلق باہر سے ہے، ایمان کا تعلق اندر سے ہے، اسلام کا تعلق تن کے ساتھ ہے ایمان کا تعلق انسان کے من کے ساتھ ہے۔

ایمان کی قیمت:

یہ ایمان اتنا قیمتی ہے کہ جب کوئی بندہ ایمان لاتا ہے، کلمہ پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کا یہ عمل لے کر اللہ رب العزت کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آسمان کی

طرف جاتا ہے۔راستے میں اس کی ملاقات ایک دوسرے فرشتے سے ہوتی ہے، اوپر سے آنے والا فرشتہ پوچھتا ہے: تم کہاں جارہے ہو؟ وہ کہتا ہے: ایک آدمی نے کلمہ پڑھا ہے میں اسکا یہ عمل اللہ رب العزت کی خدمت میں پیش کرنے جارہا ہوں۔ پھر دوسرا فرشتہ پوچھتا ہے: تم نیچے کہاں جارہے ہو؟ وہ جواب دیتا ہے: جس شخص نے کلمہ پڑھا، میں اس بندے کے لیے بخشش کا پیغام لے کر جارہا ہوں۔ چنانچہ جس بندے نے بھی کلمہ پڑھ کر اسلام کو قبول کیا اَلْإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ اس سے پہلے جتنے گناہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔تو بندے کے پاس سب سے قیمتی چیز اس کا ایمان ہے۔

سب سے قیمتی چیز:

ہمارے پاس جتنی بھی چیزیں ہیں، ان میں پہلا درجہ یعنی ابتدائی درجہ مال کا ہے۔ مال کی بھی اللہ رب العزت کی نگاہ میں قدر و قیمت ہے، اس لیے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا، فضول خرچی کو گناہ کبیرہ فرمایا۔لیکن انسان کی جان اس سے بھی زیادہ قیمتی ہوتی ہے، اسی لیے جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو وہ اپنی زندگی کا کمایا ہوا سب مال اپنی صحت کے لیے خرچ کر دیتا ہے۔معلوم ہوا کہ جان مال سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ایک چیز اور بھی قیمتی ہے اس کو عزت وآبرو کہتے ہیں۔انسان کی عزت اس کی جان سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔اسی لیے اگر کوئی اپنی عزت آبرو بچانے کے لیے اپنی جان قربان کردے تو حدیث پاک میں آیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن شہادت کا رتبہ عطا فرمائیں گے۔تو پہلا درجہ مال کا، اس سے اوپر والا درجہ انسان کی جان کا اور اس سے بھی اوپر والا درجہ انسان کی عزت وآبرو کا ہوا۔لیکن اس سے بھی اوپر کا درجہ انسان کے ایمان کا ہے، ایمان سے زیادہ انسان کے پاس کوئی چیز قیمتی نہیں، یہ سب سے زیادہ قیمتی ہے، ہمیں اس کا احساس ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر بندے

کوکسی چیز کی قدر و قیمت کا احساس ہی نہ ہوتو وہ بعض دفعہ اس چیز کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔

لذاتِ دنیا کی حقیقت:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ لکھتے ہیں، فرماتے ہیں: بچپن میں میری والدہ نے مجھے سونے کی انگوٹھی بنوا کر پہنا دی، میں باہر آیا تو مجھے ایک آدمی مل گیا جو ٹھگ تھا، اس کے پاس گڑ کی ڈلی تھی، اس نے وہ گڑ کی ڈلی مجھے دی اور کہا: اس کو چکھو! میں نے جب اس کو چکھا تو وہ بہت میٹھا تھا۔ پھر وہ کہنے لگا: تم اپنی انگوٹھی کو چکھو! جب میں نے اسے چکھا تو اس میں کوئی ذائقہ، کوئی مزہ نہیں تھا، وہ ٹھگ کہنے لگا: تم مزیدار چیز لے لو اور بے مزہ چیز مجھے دے دو۔ میں چھوٹا تھا، میں نے اس سے سودا کرلیا، چنانچہ میں نے سونے کی انگوٹھی دے کر گڑ کی ڈلی اس سے لے کر کھالی، اس لیے کہ اس وقت ان کو اس انگوٹھی کی قدر و قیمت کا پتہ نہیں تھا۔ بالکل یہی حساب، ہمارا اور شیطان کا ہے۔ شیطان کی مثال ایک ٹھگ کی سی ہے، ہمیں اگر ایمان کی قدر و قیمت کا پتہ نہ ہوتو یہ دنیا کی لذتوں کی ڈلی ہمیں کھلا دیتا ہے اور ایمان کی دولت سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اگر انسان کو ایمان کی قدر و قیمت کا پتہ ہوتو پھر وہ اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے لیکن اپنے ایمان کو قربان نہیں ہونے دیتا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو فرمایا: تم ایمان کے اوپر جمے رہنا! اگرچہ تجھے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے یا آگ کے اندر ڈال دیا جائے۔

شک ایمان کی ضد ہے:

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ایمان بن دیکھے ماننے کو کہتے ہیں، اس لیے اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا جب کسی بندے کے دل میں شک آجائے تو ایمان ختم ہو

جاتا ہے۔اس لیے یہ شک بہت زیادہ بری مرض ہے، نبی اکرم ﷺ نے دعامانگی تو شرک سے بھی پہلے شک سے اللہ کی پناہ مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّكِّ وَ الشِّرْكِ وَ الشِّقَاقِ وَ النِّفَاقِ وَ سُوْءِ الْاِخْلَاقِ

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شک سے اور شرک سے اور مخالفت سے اور نفاق سے اور برے اخلاق سے''

تو دیکھیے شک اتنی بری چیز ہے،اس لیے قرآن مجید کی ابتدا میں فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ ﴾ (البقرۃ:۱)

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں''

اس کے بعد بتایا﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ کہ یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ اسلیے کہ اگر کسی بندے کے دل میں شک ہوتو اس کو قرآن سے بھی فائدہ نہیں ہوتا، کسی بات سے بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ شک ایمان کو اس طرح ضائع کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو فاسد کر دیتا ہے۔عورتیں آپس میں بات کرتے ہوئے کہتی ہیں،او جی! کیا پتہ آگے کیا ہوگا؟ یہ جو شک کی بات ہے یہ بہت خطرناک ہے۔بھئی کیوں پتہ نہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ہر بات کی تفصیل بتادی، نیک آدمی کے ساتھ آگے کیا ہوگا اور برے کیساتھ آگے کیا ہوگا۔تو یوں کہہ دینا کہ یہ جہاں میٹھا،آگے کس نے جاکر دیکھا؟ بھئی! نبیعلیہ الصلوۃ والسلام نے معراج کی رات آگے جاکر دیکھا اور انہوں نے یہاں آکر بتلا دیا کہ جنت کے حالات یہ ہیں اور جہنم کے حالات یہ ہیں،اب ہمیں اس کے اوپر اتنا پکا یقین کرنا چاہیے کہ جیسے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ایمان پختہ ہونا چاہیے:

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان اتنا ہی پکا تھا۔حضرت علی ؓ فرماتے تھے کہ

جنت اور جہنم کو بن دیکھے میرا اتنا پکا یقین ہے کہ اگر دونوں میری آنکھوں کے سامنے آجائیں تو میرے یقین میں ذرا بھی اضافہ نہیں ہوگا، گویا بن دیکھے اتنا یقین تھا کہ اگر دیکھ بھی لیتے تو یقین میں ذرا بھی اضافہ نہ ہوتا۔ تو ہمیں ایمان میں اتنا ٹھوس ہونا چاہیے کہ ہم کہیں کہ ہم ان چیزوں پر اتنا پکا یقین رکھتے ہیں جیسے بات کرتے ہوئے ہمارے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ اتنے یقین کے ساتھ ہم کہیں کہ ہم اللہ کو، اس کے رسولوں کو، کتابوں کو، فرشتوں کو، قیامت کے دن کو مانتے ہیں تو یہ ایمان کہلائے گا۔ یہ جو ڈھل مل یقین ہوتا ہے، ایسی باتیں کرنی کہ کیا پتہ آگے کیا ہوگا؟ کیوں پتہ نہیں؟ احادیث میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ہر چیز کی تفصیل بتادی، اس لیے اب شک میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: کیا آپ مومن ہیں؟ فرمایا: انا مومن حقا میں پکا مومن ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اَنَا مُؤمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ ''ان شاء اللہ میں مومن ہوں'' انہوں نے اس لیے کہا کہ انہوں نے موت کے وقت کو سامنے رکھا۔ مجھے امید ہے کہ موت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ مجھے ایمان کی حالت میں موت عطا فرمائیں گے۔ مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بات زیادہ ٹھوس، زیادہ پکی ہے۔ ہم سے جب بھی کوئی پوچھے، ٹھوس بات کرنی چاہیے۔ کیا آپ مومن ہیں؟ جی ہاں پکی بات ہے کہ ہم مومن ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر پکا ایمان رکھتے ہیں، دین کو مانتے ہیں، اس میں ذرا بھی کوئی شک اور تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے اور اس ٹھوس ایمان پر پھر اللہ رب العزت کی طرف سے ہمیں اجر ملے گا، چونکہ بندے کے ایمان کی اللہ رب العزت کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔

گواہی کا انعام:

کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ایک نوجوان آیا، اس نے لوگوں کو کہا کہ مجھے گندم چاہیے۔ چونکہ قحط کا زمانہ تھا، اس لیے لوگوں نے اس نوجوان کو کچھ گندم دے دی۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ چاہیے، انہوں نے کچھ اور بھی دے دی۔ وہ نوجوان کہنے لگا: نہیں مجھے اس سے بھی زیادہ چاہیے۔ تو لوگوں نے کہا: بھئی یا اگر تمہیں اس سے بھی زیادہ چاہیے تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، وہ صاحب اختیار ہیں، وہ جتنی گندم جس کو چاہیں دے دیں۔ وہ نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا، کہنے لگا: حضرت! مجھے گندم چاہیے، آپ نے بھی اس کو دیکھ کر کارندوں کو کہہ دیا کہ اس کو اتنی گندم اور دے دیں۔ وہ نوجوان کہنے لگا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ چاہیے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے فرمایا: نوجوان! تجھے کام کرنے والے لوگوں نے بھی گندم دی، میں نے بھی گندم دلوا دی اور تیرا دل ابھی بھی مطمئن نہیں ہوتا اور زیادہ مطالبہ کر رہا ہے۔ اس نوجوان نے آگے سے جواب دیا: حضرت! اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ میں کون ہوں؟ تو آپ مجھے بہت زیادہ گندم دیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے حیران ہوئے، پوچھا: بھئی! کون ہو؟ تو اس نے کہا: حضرت! جب زلیخا نے آپ پر بہتان لگایا تھا تو جس چھوٹے بچے نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی وہ بچہ میں ہوں، اب بڑا ہو کر جوان ہو گیا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ سنا، انہیں اتنی خوشی ہوئی کہ انہوں نے اس بچے کے ماتھے پر بوسہ لیا اور اسے پیار دیا اور اسے بہت زیادہ گندم دی اور کارندوں کو کہا کہ اس نوجوان کو گندم گھر پہنچا کر آؤ! جب اتنی عزت سے، اتنے اکرام سے اس نوجوان کو رخصت کیا تو اللہ رب العزت کی طرف سے وحی آئی، اے میرے پیارے یوسف! آپ نے اس نوجوان کا بڑا اکرام کیا، تو عرض کیا کہ پروردگار عالم! یہ وہ نوجوان ہے جس نے

میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی، آج یہ میرے پاس آیا تو میرا جی چاہا کہ جتنا کچھ میں اس نوجوان کو دے سکتا ہوں دے دوں ۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: میرے یوسف علیہ السلام! گواہ رہنا، جس نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اتنا دیا جو آپ دے سکتے تھے، میں پروردگار بھی یہ کہتا ہوں کہ جو شخص دنیا میں میری وحدانیت کی گواہی دے گا، قیامت کے دن جب میرے پاس آئے گا میں بھی اسے اتنا دوں گا جو میری شان کے مطابق ہوگا۔

ایمان بن دیکھے ماننے کو کہتے ہیں:

تو یہ چھوٹی بات نہیں ہے کہ ہم نے اللہ کو ایک مانا اور اس کی وحدانیت کی گواہی دی، اس کے محبوب کی رسالت پر ایمان لے آئے، دین کو قبول کرلیا، اللہ رب العزت کے ہاں اس کا بہت بڑا مقام ہے۔ اور مقام ہے ہی اسی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کو بن دیکھے مانا ہے، جب انسان دیکھ لیتا ہے تو پھر اس کی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ جیسے فرعون نے اپنی موت کے قریب آخرت کے مناظر کو دیکھ لیا تھا اور کہنے لگا: آمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَ هَارُوْنَ میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آیا۔ لیکن اب وہ ایمان نہیں رہا تھا اب وہ مشاہدہ ہو گیا تھا، اس لیے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، فرمایا: اب وقت گزر گیا۔ ہم نے بن دیکھے مانا تو اس وجہ سے اس کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔

بن دیکھا سودا:

یہ بات ایک واقعہ سے ذرا جلدی سمجھ میں آجائے گی۔ کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، جن کا نام تھا بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ، بڑے صاحب حال بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنی بیوی کے

ساتھ محل کی پچھلی طرف دریا کے کنارے چہل قدمی کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ بہلول ریت کے چھوٹے چھوٹے گھر بنا رہے ہیں، جیسے بچے کھیلتے ہیں اور گھر بناتے ہیں۔

ہارون الرشید نے اس سے پوچھا: بہلول کیا کر رہے ہو؟ بہلول نے جواب دیا کہ میں ریت کے گھر بنا رہا ہوں، پوچھا: کیوں بنا رہے ہو؟ اس نے کہا: جو بندہ یہ گھر خریدے گا، میں اس کے لیے دعا مانگوں گا کہ اللہ! اس گھر کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرمادے، انہوں نے پوچھا: بہلول! اس کی کتنی قیمت ہے؟ بہلول نے کہا: ایک دینار۔ ہارون الرشید یہ سمجھا کہ اس وقت یہ اپنی مستی کے حال میں ہے، موج میں بیٹھا باتیں کر رہا ہے، اس نے اسکی بات کو ہلکا جانا، آگے چلا گیا۔ پیچھے اس کی بیوی زبیدہ آئی، اس نے بھی سلام کیا، پوچھا: بہلول! کیا کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ گھر بنا رہا ہوں، جو کوئی خریدے گا، میں دعا کروں گا کہ اللہ! اس شخص کو اس گھر کے بدلے جنت میں گھر عطا فرمادے۔ اس نے پوچھا: بہلول قیمت کیا ہے؟ اس نے کہا: ایک دینار۔ زبیدہ اس بات پر یقین کر گئی، اس نے ایک دینار دے دیا اور کہا کہ بہلول! میرے لئے دعا کر دینا، آگے چلے گئے۔

اب جب ہارون الرشید رات کو سویا، تو اس نے جنت کے مناظر دیکھے، جنت کی سکائی لائن دیکھی، مرغزاریں ہیں، بہاریں ہیں، جنت کے نظارے ہیں۔ اور ان میں ایک گھر اس نے دیکھا جو سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا اور اس کے اوپر زبیدہ کا نام لکھا ہوا تھا، اس کا سائن بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا، یہ تو میری بیوی کا گھر ہے، میں ذرا اس گھر کو دیکھوں تو سہی۔ جب دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک سیکورٹی گارڈ (دربان) موجود تھا۔ اس نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: جس کا نام لکھا ہے میں اس کا خاوند ہوں۔ تو سیکورٹی گارڈ نے جواب دیا: Sorry (معذرت) اس جہان کا یہ دستور ہے کہ جس کا نام ہو وہی جا سکتا ہے دوسرا نہیں جا سکتا، آپ واپس

جائیں۔ جب سیکورٹی گارڈ نے اس کو پیچھے ہٹایا تو ہارون الرشید کی آنکھ کھل گئی، اب اس کو بڑا صدمہ ہوا کہ اوہو! وہ تو کوئی قبولیت دعا کا وقت تھا اور بہلول کی دعا قبول ہو گئی، میری بیوی زیادہ عقلمند نکلی کہ اس نے ایک دینار دے کر دعا لے لی اور میں دعا بھی نہ لے سکا۔ اس کو اپنے اوپر بڑا غصہ آیا، بڑا پریشان ہوا، سارا دن غمزدہ رہا کہ میں نے ایک سنہری موقع ضائع کرلیا۔ پھر دل میں خیال آیا کہ آج شام کو میں پھر جاؤں گا، اگر میں نے بہلول کو دیکھا تو آج تو میں ایک گھر کا سودا کرلوں گا۔ چنانچہ شام کو پھر چہل قدمی کے لیے نکلا، اللہ کی شان دیکھیے کہ بہلول ایک جگہ بیٹھے پھر اسی طرح مکان بنا رہے تھے۔ بہلول کو سلام کیا، پوچھا: کیا کر رہے ہو؟ جواب ملا: گھر بنا رہا ہوں، جو خریدے گا میں دعا کروں گا، اللہ! اس گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطا فرمادے۔ پوچھا: اس کی قیمت کیا ہے؟ تو بہلول نے کہا: جناب! اس کی قیمت ساری دنیا کی بادشاہی۔ ہارون الرشید بڑا حیران! کہنے لگا: بہلول! کل تو ایک دینار قیمت مانگ رہے تھے اور آج ساری دنیا کی بادشاہی مانگتے ہو جو میں دے نہیں سکتا۔ تو بہلول نے جواب دیا: بادشاہ سلامت کل بن دیکھے سودا تھا آج دیکھا ہوا سودا ہے۔

تو آج چونکہ ہم نے اللہ سے بن دیکھے سودا کیا اس لیے جنت ہمیں بہت سستی مل رہی ہے۔ حتی کہ ایک مٹھ جو خرچ کر دیں تو اس کے بدلے بھی جنت مل جاتی ہے، ایک کھجور اللہ کے راستے میں خرچ کر دیں، اس ایک کھجور پر جنت مل جاتی ہے۔ ایک آنسو اگر ندامت کا بہا دیں تو ایک آنسو پہ مل جاتی ہے۔ تو آج جنت کی قیمت بڑی سستی ہے، کیونکہ یہ بن دیکھا سودا ہے۔ لیکن جب موت کا وقت دیکھ لے گا، پھر اس وقت رو رو کر دریا بھی بہا دے گا تو جنت نہیں ملے گی، کیونکہ اب یہ ایمان نہیں یہ مشاہدہ بن جائے گا۔ اس لیے ہمیں اپنے ایمان کی قیمت کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اس لیے ہمارے

بزرگوں نے یہ کہا کہ ایمان کی وجہ سے بندے کو جنت ملے گی اور عمل کی وجہ سے جنت کے درجات ملیں گے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوْا (الاحقاف:۱۹)

جنت کی کنجی اور اس کے دندانے:

اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کلمہ جنت کی کنجی ہے لیکن جو نیک اعمال ہیں وہ اس کنجی کے دندانے ہیں۔ جیسے کنجی لگاتے ہیں اور اس کنجی کے دندانے آپس میں سیٹ نہ بیٹھیں تو تالا نہیں کھلتا۔ چنانچہ کنجی تو کلمہ ہی ہے لیکن نیک اعمال کے ذریعے ہم اس کے دندانوں کو ٹھیک کرلیں گے تو یہ کنجی سیٹ بیٹھے گی اور جنت کا دروازہ کھل جائے گا۔ لہٰذا ہمیں اپنے ایمان کی اس قدر و قیمت کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ ہونا چاہئے کہ میرے اللہ نے جو وعدے کیے ہیں، وہ سو فیصد سچے ہیں اور ہم ان پر پکا یقین رکھتے ہیں۔

دنیا کا دھوکا:

ہم دنیا میں زندگی گزارتے ہیں تو یہ دنیا کی زندگی ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے، ہمیں دنیا کا دھوکا لگ جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جی! لائف کو Enjoy کرو (زندگی میں موج کرو) تم آگے کے وعدوں پر بیٹھ گئے۔ جب انسان کا نفس بھی یہی کہتا ہے، شیطان بھی یہی کہتا ہے اور شیطان کے جو ایجنٹ ہوتے ہیں، دوستوں یا رشتہ داروں کی شکل میں وہ بھی یہی کہتے ہیں، تو انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ پھر اسے یوں نظر آتا ہے کہ دین میں تو پابندیاں ہی پابندیاں ہیں۔ کئی عورتوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جی شریعت میں تو پابندیاں ہی پابندیاں ہیں۔ پردے میں رہو، یہ نہ کھاؤ، یہ نہ دیکھو، وہ نہ دیکھو۔ تو بھائی! یہ پابندیاں بہت تھوڑے سے وقت کے لیے ہیں لیکن اس کے

بدلے میں جنت میں جو انعام ملے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کا ملے گا۔ اتنا بڑا انعام کہ اگر کھالیں کھنچوا کر اور بوٹیاں نچوا کر بھی اگر ہم جنت کے مستحق بن جائیں تو یہ بڑا سستا سودا ہے، جب کہ اللہ رب العزت مومن کو جنت بڑی آسانی سے دے دیتے ہیں۔ تو اس لیے ہمیں اللہ کے وعدوں پر زیادہ بھروسہ ہونا چاہیے۔

نظر کا راستہ اور خبر کا راستہ:

اب دیکھیں ایک ہے نظر کا راستہ اور ایک ہے خبر کا راستہ۔ نظر کا راستہ وہ جو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور خبر کا راستہ وہ جو ہمیں شریعت نے بتا دیا۔ اب شریعت بتاتی ہے کہ اگر انسان اپنے مال کی زکوٰۃ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو پاک کر دیں گے اور اپنی حفاظت عطا فرمائیں گے، جب کہ نظر کہتی ہے کہ زکوٰۃ کے دینے سے مال ہر سال گھٹ جائے گا۔ اب یہ نظر دھوکا دے رہی ہے اور خبر جو بات بتا رہی ہے وہ بالکل سچ بات بتا رہی ہے۔ نظر کہتی ہے کہ صدقہ دو گے تو مال گھٹ جائے گا اور خبر میں نبی اکرم ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ صدقہ دینے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ اب مومن کو تو ان وعدوں پر پکا یقین ہونا چاہیے، ٹھوس یقین ہونا چاہیے۔

مختلف وجوہات اور یقینی وجہ:

اس کو ذرا یوں سمجھیں کہ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے، ہسپتال میں جاتا ہے۔ فرض کریں اس کو بخار ہے، ایمرجنسی میں جو ڈاکٹر بیٹھا ہے وہ لکھتا ہے کہ اسکو بخار ہے۔ بخار کی کئی ساری وجوہات ہوسکتی ہیں، ان کو کہتے ہیں Differential reason (اسبابِ مختلفہ)۔ مثلاً اس کو انفیکشن بھی ہوسکتی ہے اور اس کو وائرس کی وجہ سے بھی بخار ہوسکتا ہے، یا اس کو ملیریا ہوسکتا ہے، تو کئی وجوہات ہیں۔ لہٰذا اس کا بلڈ ٹیسٹ ہوتا ہے، Confirmatory Test (تصدیقی ٹیسٹ) ہوتا ہے، تو ٹیسٹ کے

ذریعے یہ بات کھل جاتی ہے کہ اس کو تو ملیریا تھا۔ تو یہ جو ملیریا کا ٹیسٹ ہوا یہ اس کی Definite reason (اصل وجہ) کہلاتی ہے۔ تو ہم دنیا میں جب چیزوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس میں Differential reason (مختلف وجوہات) نظر آتی ہیں کہ ایسے ہوسکتا ہے، ایسے ہوسکتا ہے، لیکن جو قرآن وحدیث میں بتا دیا گیا وہ Definite reasons (حقیقی وجوہات) ہیں۔ ان کے اوپر شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

صدقہ سے مال بڑھنے کا یقین:

جب شریعت نے کہہ دیا کہ صدقہ دینے سے انسان کا مال بڑھتا ہے تو اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر تم اللہ کے راستے میں خرچ کروگے، مسجد بناؤ گے، مدرسے بناؤ گے تو تمہارا مال گھٹ جائے گا، لیکن آپ خود ذرا بیٹھ کر سوچیں کہ کون سا ایسا بندہ ہے کہ جس نے اپنی زندگی میں مدارس بنائے، مساجد بنائیں اور پھر وہ کنگال ہوگیا؟ ایک بھی مثال ایسی پیش نہیں کی جاسکتی، اور ہم سینکڑوں مثالیں دے سکتے ہیں، وہ لوگ جنہوں نے بڑے بڑے کاروبار چلائے لیکن کاروبار چلاتے چلاتے بالآخر کنگال ہوگئے، Bankrupt (نادہندہ) ہوگئے۔

تو معلوم ہوا کہ صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے گھٹتا نہیں، نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے حدیث پاک میں یہ بات قسم کھا کر ارشاد فرمائی ہے، اس پر ہمارا ٹھوس یقین ہونا چاہیے۔ زکوۃ ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے، اس پر ہمیں ٹھوس یقین ہونا چاہیے۔

سچ سے عزت ملنے کا یقین:

سچ بولنے سے انسان کو ہمیشہ عزت ملتی ہے ذلت نہیں ملتی، اس کا ہمیں ٹھوس یقین

ہونا چاہیے۔ آج ہمیں ٹھوس یقین نہیں ہوتا اسلیے ذرا ذرا سی بات پر جھوٹ بول دیتے ہیں۔ پھر عورتیں کہتی ہیں کہ جی! ہم نے بہانہ بنالیا۔ شیطان بھی ایسا بد بخت ہے کہ اس نے جھوٹ کا نام بہانہ کر دیا تا کہ جو نفرت مومن کے دل میں جھوٹ کے نام سے آنی تھی وہ نفرت ہی نہ رہے۔ کہتی ہیں کہ بہانہ بنا دیا، بہانہ جھوٹ ہے اور جھوٹ سے ذلت ملتی ہے۔ سچ سے ہمیشہ عزت ملتی ہے، حتیٰ کہ انسان غلطی کرلے اور سچ بتا دے تو سچ بتا دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرمائیں گے۔ یہ وہ احکام ہیں جو شریعت نے دیے اور اس پر مومن کو پکا یقین ہونا چاہیے۔

اللہ سے رزق ملنے کا یقین:

اگر یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رزق دینے والا ہے تو یہ بندہ پھر جھوٹ بول کر کیوں کمائے گا؟ ملاوٹ کیوں کرے گا؟ دھوکا کیوں دے گا؟ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے دوسرے کا حق مارے بلکہ یہ شریعت اور سنت کے مطابق کام کرے گا اور اس کو یقین ہوگا کہ میرے اللہ نے رزق کا ذمہ لیا ہے وہ تو مجھے مل کر ہی رہنا ہے۔ یہ ایمان اگر پکا ہو تو انسان کی زندگی بڑی آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال:

اس ایمان کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ذرا ایک دو مثالیں آپ کو قرآن مجید سے سنا دیں، توجہ سے سنیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جادوگروں کے سامنے کھڑے ہیں۔ جادوگروں نے زمین پر رسیاں ڈالیں،

﴿ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴾ (طہ:٦٦)

اب وہ جادو کی وجہ سے یوں لگیں جیسے وہ سانپ ہیں اور چل رہے ہیں، اب ایسی صورت میں انسان اپنی عقل سے سوچے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، عقل کہتی ہے کہ

آپ کے ہاتھ میں ایک عصا ہے، ڈنڈا ہے، آپ ڈنڈے کو مضبوطی سے پکڑیں جو سانپ آپ کے قریب آئے آپ اسے ڈنڈا ماریں تاکہ وہ سانپ مرجائے۔ مگر خیال رکھنا! وہ ڈنڈا چھوٹنے بھی نہ پائے اور ٹوٹنے بھی نہ پائے اس لئے کہ اگر آپ کے ہاتھ خالی ہوگئے تو سانپ آپ کو ڈس لیں گے، یہ عقل کہتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی طرف توجہ کی، اوپر سے پیغام آ گیا: اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! ﴿اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ﴾ (آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیجیے!) اب یہ خبر سن کر عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، کہتی ہے کہ یہ تو امید کا آخری سہارا تھا، آخری کرن تھی، تم نے اگر عصا ہی زمین پر پھینک دیا تو خالی ہاتھ تمہارا کیا بنے گا؟ آپ اللہ رب العزت کے پیغمبر تھے، آپ نے وہی کیا جو اللہ رب العزت کا حکم تھا۔ اب جیسے ہی انہوں نے عصا زمین پر ڈالا، وہ اژدھا بن گیا اور جتنے سانپ تھے اس نے ان کو کھا لیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرما دیا تو کامیابی نظر کے راستے میں نہ تھی، کامیابی خبر کے راستے میں تھی۔ خبر کہتے ہیں جو اللہ رب العزت کی طرف سے وحی آ گئی، حکم آ گیا، اطلاع آ گئی، اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ اب آگے دیکھیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ دریائے نیل کے کنارے کھڑے ہیں۔ پیچھے سے فرعون اپنے لاؤ لشکر کو لے کر پہنچ گیا

﴿قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ (الشعراء:٦١)

''کہا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہ اب ہم دھر لئے گئے''

انہیں ایک یقین بھری آواز آئی

﴿ كَلَّا اِنَّ رَبِّیْ مَعِیَ سَيَهْدِيْنِ ﴾ (الشعراء:٦٢)

''ہرگز نہیں! میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا''

چنانچہ ایسے وقت میں عقل سے سوچیں کہ کیا کریں؟ تو عقل صاحبہ کہے گی کہ اپنے

ڈنڈے کو مضبوطی سے پکڑو! تمہارے آگے ہے پانی کا دریا اور تمہارے پیچھے ہے انسانوں کا دریا، درمیان میں سینڈوچ بن چکے ہو، فرعون آرہا ہے، لہٰذا تم ڈنڈے کو پکڑو اور اس کا مقابلہ کرو! اور یاد رکھنا! کہ ڈنڈے کے ساتھ فرعون کو مارنے کی کوشش کرنا تاکہ وہ مرے اور تمہاری جان چھوٹے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اوپر سے پیغام آیا

﴿ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ﴾ (الاعراف: ١٦٠)

اے میرے پیارے موسیٰ! اس ڈنڈے کو پانی پر مارو! اب اس بات کو سن کر عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، کہتی ہے پانی پر مارنے سے کیا بنے گا؟ بھئی ڈنڈا مارنا ہے تو فرعون کے سر پر مارو تاکہ کچھ بن جائے، لیکن حضرت موسیٰ نے وہی کیا جو اللہ کا حکم تھا، جیسے ہی دریا کے پانی پر عصا مارا، اللہ نے بارہ راستے بنا دیے اور بنی اسرائیل کو اس میں سے گزار کر کامیاب کر دیا اور فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو اس میں غرق کر دیا۔ تو کامیابی نصیب ہوئی خبر کے راستے سے۔

پھر آگے وادیٔ تیہ میں پہنچے تو وہاں پر پانی نہیں تھا۔ قوم نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ حضرت! پینے کو پانی چاہئے، جینے کو پانی چاہئے۔ چنانچہ اس وقت عقل سے پوچھیں کہ کیا کریں؟ عقل کہتی ہے کہ آپ کے ہاتھ میں تو عصا ہے، اس ڈنڈے سے زمین کو کھودنا شروع کریں، حتیٰ کہ ایک گڑھا بن جائے، کنواں بن جائے، اس کے اندر سے پانی نکل آئے گا۔ مگر یاد رکھنا! گڑھا کھودتے ہوئے یہ عصا ٹوٹنے نہ پائے، ٹوٹ گیا تو تمہارے پاس کچھ بھی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اللہ کی طرف سے پیغام آیا ﴿اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! اس عصا کو پتھر پر مارو! اب یہ بات سن کر عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، عقل صاحب کو یہ بات سمجھ میں ہی نہیں آتی، وہ

کہتی ہے کہ ڈنڈے کو پتھر پر مارو گے تو ڈنڈا ٹوٹ جائے گا، تمہاری امید کی آخری کرن بھی ختم ہو جائے گی۔ مگر حضرت موسی علیہ السلام نے ڈنڈے کو پتھر پر مارا، اللہ تعالیٰ نے پتھر سے چشمے جاری فرمادیے اور حضرت موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کو پانی عطا فرمادیا۔ تو معلوم ہوا کہ جو مشاہدہ ہے وہ ظاہری دھوکہ ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہوتی ہے وہ حقیقت ہوتی ہے۔

اللہ کے وعدوں کا کامل یقین:

تو ہم چونکہ ایمان والے ہیں، اسلام والے ہیں، ہمیں تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر کامل بھروسہ ہونا چاہیے، ہمیں ذرا بھی اس راستے سے نہیں ہٹنا چاہیے۔ سو فیصد کامل یقین ہو کہ شریعت پر عمل کرنے میں ہمارا فائدہ اور شریعت سے ہٹنے میں ہمارا نقصان ہے، چاہے آنکھ کچھ دیکھ رہی ہو۔ مومن نفع نقصان کا بندہ نہیں ہوتا، مومن تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ جہاں نفع نظر آتا ہے، وہیں لپک پڑتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے۔ یہ چیز غلط ہے، ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کے احکام کے مطابق زندگی گزاریں، اس میں دنیا کی بھی کامیابی اور آخرت کی بھی کامیابی ہے۔ آج ہمیں دفتر سے ملنے کا یقین ہے، زراعت سے ملنے کا یقین ہے، تجارت سے ملنے کا یقین ہے لیکن اللہ رب العزت کی ذات سے رزق ملنے کا یقین نہیں ہوتا: ؎

بتوں سے تجھے امیدی خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اسی کو تو کافری کہتے ہیں کہ اسباب پر تو یقین ہے اور مسبب الاسباب کی ذات پر یقین ہی نہیں ہے۔ تو ہم اللہ کی ذات پر اپنا یقین بنائیں!

اکابرینِ امت کے یقین کامل کے واقعات

دارالعلوم دیو بند کا اصولِ ہشتگانہ:

ہمارے بزرگوں کا تو یہ حال تھا کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی ؒ نے جب دارالعلوم دیو بند کو بنایا تو انہوں نے اس کے اصول ہشتگانہ بنائے۔ان میں سے ایک اصول یہ بنایا کہ دارلعلوم کے لیے مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہمارا کیا حال ہے؟ ہم دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں: اللہ کوئی مستقل ذریعہ دے دے، مدرسہ چلانے کا کوئی مستقل ذریعہ بن جائے۔ ہمارا حال اتنا خراب ہے، اور ان بزرگوں کا حال یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ مستقل آمدنی کا ذریعہ ہی قبول نہیں۔کسی نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: پھر اللہ رب العزت سے نظر ہٹ کر ذرائع پر رہ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی مدد ختم ہو جائے گی۔تو ہمارے اکابر ہر وقت اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتے تھے۔

ایمان بچالیا:

چنانچہ حضرت عمر ؓ کا زمانہ ہے، خالد بن ولید ؓ سپہ سالار ہیں، جدھر جاتے ہیں کامیابی ہوتی ہے۔حضرت عمر ؓ نے خط بھیجا اور ان کو معزول کر کے دوسرے بندے کو سپہ سالار بنا دیا اور کہا کہ اگر آپ ایک عام سپاہی بن کر لڑنا چاہیں تو آپ وہیں رہیں وگرنہ میرے پاس مدینہ واپس آ جائیں۔خالد بن ولید ؓ نے ایک عام سپاہی بن کر لڑنے کو پسند کیا اور وہیں رہے۔بعد میں کسی نے خالد بن ولید ؓ سے پوچھا کہ آپ کے لیے تو بڑا مشکل ہوا ہوگا کہ ایک دن پہلے سپہ سالار تھے اور ایک دن کے بعد عام سپاہی اور آپ کی کوئی غلطی بھی نہیں تھی۔تو انہوں نے کہا: نہیں مجھے تو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔پوچھنے والے نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو انہوں نے فرمایا: جب میں

سپہ سالار تھا، اس وقت میں جس پروردگار کو راضی کرنے کے لیے لڑ رہا تھا، جب میں عام سپاہی بن کر لڑا تو پھر بھی اسی پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لیے لڑ رہا تھا تو مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حضرت! آپ نے امت کو اتنے بڑے جرنیل سے بغیر کسی خاص وجہ کے محروم کیوں کر دیا؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے امت کو جرنیل کی قیادت سے تو محروم کیا مگر میں نے ان کا ایمان بچالیا۔ پوچھا: کیسے؟ فرمانے لگے: خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جہاں جاتے تھے، فتح ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ لوگوں کے دل میں یہ گمان ہونے لگا کہ خالد جہاں جائیں گے فتح ہوگی، میں نے ان کو معزول کر کے یہ سمجھا دیا کہ فتح ان شاء اللہ اب بھی ہوگی، ایسا نہ ہو کہ کہیں اللہ سے نظر ہٹ کر کسی بندے پر پڑ جائے۔ تو ہمارے اکابر کی نظر میں بھی ہر وقت یہ بات ہوتی تھی کہ ہماری نگاہیں ہر وقت اللہ رب العزت کی ذات پر رہیں۔

ہمارا حال:

اب اگر ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پر پکا یقین رکھ لیں تو پھر کیا ہم کبھی کہہ سکتے ہیں؟ او جی! لگتا ہے کہ کسی نے ہمارا کاروبار باندھ دیا ہے۔ اب یہ کتنی کمزور ایمان والی بات ہے۔ عورتیں کہتی ہیں: او جی! کسی نے میرے خاوند کا کاروبار باندھ دیا۔ یعنی اگر اللہ نے کسی کے مقدر میں کاروبار کا رزق رکھا ہے تو کیا مخلوق اس رزق کو باندھ سکتی ہے؟ آرام سے کہہ دیتی ہیں: او جی کسی نے ہمارا کاروبار باندھ دیا اور کئی دفعہ کہہ دیتی ہیں: بچی کی عمر بڑی ہوگئی ہے، لگتا ہے کسی نے بچی کا رشتہ باندھ دیا ہے۔ یہ سب بے یقینی کی باتیں شیطان کہلواتا ہے تاکہ بندے کا ایمان خراب ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کچھ دینا چاہے تو ساری دنیا اس کو مل کر روک نہیں سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ نہ دینا چاہے تو ساری دنیا اس کو مل کر دے نہیں سکتی۔ تو لوگوں کو چھوٹا خدا بنا لیتے ہیں۔

تم نے خالہ کو چھوٹا خدا بنالیا کہ وہ تمہارا رزق باندھ سکتی ہے۔ کیا عملیات والے رزق باندھ سکتے ہیں؟ اسی لیے عملیات والوں کے پاس ہرگز نہیں جانا چاہیے یہ بندے کا ایمان خراب کردیتے ہیں۔ تو ایسی باتیں آپ کو کبھی بھی نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے، کبھی رزق کھلا دے دیتا ہے کبھی ہاتھ تنگ کردیتا ہے۔

گناہوں کی مصیبت:

میرے پاس کئی لوگ آتے ہیں، حضرت! لگتا ہے کسی نے کچھ کردیا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ ہاں واقعی کسی نے کچھ کردیا ہے۔ کہتے ہیں: بتائیں! کس نے کیا؟ میں کہتا ہوں: تمہارے گناہوں نے کچھ کردیا ہے۔ بھئی! لوگوں کے بارے میں کیوں سوچتے ہو؟ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمارا رزق کم ہوجاتا ہے، ہمارے گناہوں کی وجہ سے رشتے بندھ جاتے ہیں، ہمارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں مصیبتوں میں ڈال دیتے ہیں۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (الشوریٰ:۳۰)

''جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے''

تو یاد رکھیں ہمیں کسی نے پریشان نہیں کیا، ہمیں ہمارے گناہوں نے پریشان کیا ہوا ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پکا یقین رکھنا چاہیے۔

مصیبت سے نجات کیسے؟

ہاں! اگر کبھی کوئی ایسی بات پیش آجائے، کوئی مصیبت آجائے تو طریقہ یہ ہے کہ آپ دو رکعت نفل پڑھیں اور اپنے اللہ سے دعا مانگیں کہ میرے مولیٰ! میں کمزور ہوں، آزمائش کے قابل نہیں ہوں، میرے مولیٰ! مجھے اس مصیبت سے نکال لیجیے، میری پریشانی کو دور کردیجیے۔ اپنے اللہ کو پکاریں گی، اللہ تعالیٰ آپ کو اس تنگی کے

حالات سے نکال دیں گے۔

اور اگر کبھی دل کسی بات پر بڑا غمزدہ ہو تو قرآن مجید کی تلاوت کیا کریں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر آہستہ آہستہ اتارا ہی اسی لیے تھا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے دل کو سکون ملتا تھا۔ آج بھی غمزدہ دلوں کے لیے سکون اور تسلی پانے کا اس سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا، جب غم آتا تھا تلاوت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا گیا تو وہ فرماتی ہیں: میں اپنے والد کے گھر گئی، میں نے دیکھا کہ وہ چارپائی پر بیٹھے اللہ کا قرآن پڑھ رہے تھے۔ تو ہم ایسے وقت میں دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ سے دعا مانگا کریں، دوڑ دوڑ کر نفل پڑھیں، بھاگ بھاگ کر نفل پڑھیں۔ ایک دفعہ پڑھ کر تسلی نہیں ہوئی پھر پڑھیں، پھر تسلی نہیں ہوئی پھر پڑھیں، دوڑ دوڑ کر پڑھیں۔ بھاگ بھاگ کر اللہ کو منائیں گے تو بالآخر میرے مولیٰ کو ترس آئے گا اور اللہ تعالیٰ مغیر الاحوال ہیں وہ ہمارے حالات کو ہمارے موافق بنا دیں گے۔ یہ چیز سیکھنے والی ہے اور ایمان کے بارے میں ہم پکے رہیں۔

ایمان سے محرومی:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قرب قیامت میں ایک وقت آئے گا، ایسا فتنے کا دور ہوگا کہ:

يُصْبِحُ مُؤْمِنًا وَّ يُمْسِيْ كَافِرًا

ایک آدمی صبح ایمان والا ہوگا شام سونے کے لیے بستر پر جائے گا ایمان سے خالی ہوگا۔ یہ ایمان سے کیسے محروم ہوتا ہے؟ ایسے ہی شک شبہ کی وجہ سے محروم ہوتا ہے۔ تو اس لیے ایمان کے بارے میں ہمیں پکا اور مضبوط ہونا چاہیے، اللہ کی ذات پر کامل یقین ہونا۔

یقین کیسا ہونا چاہیے؟

حیرت کی بات ہے! آج خاوند کوئی بات کہہ دے تو بیوی یقین کر جاتی ہے، بیٹا کہہ دے ماں یقین کر جاتی ہے، باپ کہہ دے بیٹی یقین کر جاتی ہے۔ کیا اللہ رب العزت کو ہم نے اتنا بھی مقام نہیں دیا کہ اس کی باتوں پر ہمیں یقین ہو جاتا۔ اللہ کے نبی ﷺ کو ہم نے اتنا بھی مقام نہ دیا! اس لیے دلوں میں پکا یقین بنالیں کہ اللہ رب العزت نے جو وعدے کیے ہیں وہ سچے ہیں اور ہم اس کے اوپر پکے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ پر کتنا یقین تھا! اپنے بیٹے کو پانی میں ڈال دیا، دل گھبرا رہا ہے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ﴾ نہ ڈرنا نہ گھبرانا ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ﴾ ہم اسے آپ کی طرف لوٹائیں گے۔ ﴿وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (قصص: ۸) اور ہم نے اسے رسولوں میں سے بنانا ہے۔ اب دیکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھوں میں گئے، اس کے محل میں پہنچے مگر اللہ تعالیٰ نے ایک طریقہ سے ان پر دوسری عورتوں کا دودھ بند کر دیا، بالآخر ماں کے پاس پہنچا دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام ماں کے پاس پہنچ گئے تو فرعون کہنے لگا کہ بچے کو گھر لے جاؤ! اسے پالو! اور ہم تمہاری تنخواہ تمہارے گھر پہنچا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰی اُمِّهٖ﴾ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا ﴿كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا﴾ تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں ﴿وَلَا تَحْزَنَ﴾ تاکہ وہ غمزدہ نہ ہو ﴿وَلِتَعْلَمَ﴾ اور وہ جان لے کہ ﴿اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ چنانچہ آج ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جیسا ہی یقین نصیب ہو جائے تو کیا بات ہے!

دیکھیں! ہم اپنے دل میں آج یہ فیصلہ کر کے اٹھیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر پکا یقین رکھتے ہیں۔ ہماری آنکھ غلط دیکھ سکتی ہے، ہمارے رب کے وعدے غلط نہیں

ہو سکتے۔ جب اتنا ٹھوس یقین کر لیں گی تو پھر نفع نقصان کا مالک اللہ کو سمجھیں گی، پھر یہ سمجھیں گی کہ مخلوق کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک اللہ نہ چاہیں۔ یہی پیغام تو جماعت کے دوست سناتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر اور چیزیں کچھ نہیں کر سکتیں اللہ کے بغیر تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا اتنا پکا یقین ہو پھر دیکھیں کیسے برکتیں ہوتی ہیں؟

یارب! ایمان سلامت:

اس ایمان کی قدرو قیمت جاننے کے لئے میں آپ کو ایک واقعہ سناؤں۔ ۱۹۹۳ء میں اللہ نے مجھے سمرقند جانے کا موقع دیا، ایک مسجد میں جمعہ پڑھایا تو کچھ نوجوان آئے، کہنے لگے کہ آپ ہمارے گھر تشریف لائیں، ہماری والدہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں، میں نے ان سے معذرت کی کہ مسجد میں اتنے لوگ موجود ہیں، میں اتنے لوگوں کو چھوڑ کر کیسے گھر چلا جاؤں؟ تو مفتی اعظم سمرقند صاحب بھی موجود تھے، وہ کہنے لگے: حضرت! انکار نہ کریں میں بھی ساتھ چلوں گا اور میں راستے میں آپ کو اس کی تفصیل بتاؤں گا۔ میں نے کہا: بہت اچھا۔ اب ہم ان نوجوانوں کے ساتھ ان کے گھر کی طرف چلے، مفتی اعظم سمرقند صاحب نے یہ تفصیل بتائی:

حضرت! جب انقلاب آیا تو اس وقت ان کی والدہ کی عمر بیس سال تھی۔ جوان لڑکی تھی مگر اتنی پکی مومنہ تھی کہ جو لوگ دہریہ بنے، کمیونسٹ بنے، وہ ان کی عورتوں کے ساتھ بات کرتی، ان کو قائل کرتی اور ان کو کلمہ پڑھواتی، میرے والد بڑے فکر مند ہوتے کہ یہ جوان العمر لڑکی ہے، اگر کسی نے شکایت کر دی تو اس کو پھانسی دے دی جائے گی، اس کی عزت برباد کر دی جائے گی، یہ کہتی: کوئی کیا کرلے گا؟ میں اللہ کے نام کو پھیلاؤں گی اور میں اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دوں گی۔ یہ اتنی پکی لڑکی تھی، ذرا نہیں ڈرتی تھی اور عورتوں سے جا کر باتیں کرتی، ان کو دین کی طرف مائل

کرتی، اس نے ہزاروں عورتوں کا ایمان بچایا۔ ہم سب علما بھی اس لڑکی کو سمجھاتے کہ تو جوان العمر لڑکی ہے اگر کسی پولیس والے دہریے نے سن لیا تو وہ پتہ نہیں تیرا کیا حشر کردے گا! یہ ذرا نہ گھبراتی اور کہتی کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، نہ اپنی جان کی، نہ اپنی عزت وآبرو کی، بس مجھے اپنا ایمان عزیز ہے، میں لوگوں کو ایمان پر کیوں نہ لے کر آؤں؟ ایسی زندگی گزارتے گزارتے اس کو ستر سال گزر گئے، آج اس کی عمر نوے سال ہوگئی، یہ بوڑھی ہے، ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی، اس نے سنا کہ کوئی باہر کے ملک سے آئے ہیں، تو یہ چاہتی تھی کہ آپ سے ملے اور دعائیں لے، اس لیے اس نے آپ کو دعوت دی۔

جب میں نے سنا کہ یہ اتنی نیک خاتون ہے، جس نے اپنی جوانی کی عمر اللہ کے دین کی دعوت میں لگادی اور جس نے ہزاروں عورتوں کا ایمان بچالیا تو میرے دل میں آیا کہ میں اس خاتون سے جاکر دعاؤں کی درخواست کروں گا۔ چنانچہ جب ہم ان کے گھر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ صحن میں چارپائی پڑی تھی اور وہ چارپائی کے اوپر ہڈیوں کا ڈھانچہ لیٹی ہوئی تھی اور اس کے اوپر انہوں نے پردے کے لئے ایک کپڑا ڈال دیا تھا، چنانچہ ہم چارپائی کے قریب جاکر کھڑے ہوئے اور السلام علیکم کے بعد میں نے اس سے عرض کیا: اماں! میں آپ کی خدمت میں اس نیت سے حاضر سے ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا کریں۔ جب اللہ کی اس بندی نے یہ بات سنی تو لیٹے لیٹے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، اور دعا میں جو پہلی بات کہی وہ یہ تھی: "خدایا! ہمارا ایمان سلامت رکھنا" یقین کریں اس دن عاجز کے دل میں یہ بات بیٹھی کہ ایمان کتنا قیمتی ہے کہ یہ عورت جو بیس سال کی عمر سے لیکر آج نوے سال کی عمر تک ایمان کی محنت کرتی رہی آج بھی اگر اس کو دعا کے لئے کہا گیا تو پہلی بات یہ کہتی ہے کہ "خدایا! ایمان سلامت رکھنا"۔ کاش کہ ہمیں ایمان کی قدر آجائے اور ہم بھی اپنی ہر دعا میں یہ

مانگیں ''اللہ ہمارا ایمان سلامت رکھنا''۔ جب یہ یقین دل میں آ جائے گا تو پھر کوئی بھی ہمیں ایمان سے ہٹا نہیں سکتا۔

فرعون کے جادوگروں کا ایمان:

چنانچہ جادوگروں نے جب ایمان قبول کر لیا تو فرعون نے انہیں کہا تھا کہ میں تمہارے ایک طرف کا ہاتھ کٹواؤں گا اور مخالف سمت کی ٹانگ کٹوا دوں گا تاکہ تم Unbalance (غیر متوازن) ہو کر نہ چل سکو، نہ بیٹھ سکو، کچھ نہ کر سکو۔ انہوں نے جواب دیا تھا: فاقض ما انت قاض (جو کچھ تو کر سکتا ہے تو کر لے) ہم ایمان سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ چنانچہ انہوں نے جانیں دے دیں مگر اپنے ایمان کو ضائع نہیں ہونے دیا،

بی بی آسیہ کا ایمان:

اور سنیے فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم علیہا السلام بھی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔ فرعون کو پتہ چلا اس نے اس کو گھر سے نکال دیا۔ ایک کتاب میں تو یہ لکھا ہے کہ اس کے ہاتھوں میں اور پاؤں میں بھی زمین پر لٹا کر کیلیں گاڑ دیں اور اس کے جسم سے اس کی Skin (کھال) کو اتروا دیا، اس خاتون نے یہ سب کچھ برداشت کر لیا مگر ایمان سے پیچھے نہیں ہٹی۔ اس نے نہیں سوچا کہ میں اس ملک کی فرسٹ لیڈی (خاتونِ اوّل) ہوں، بادشاہ کی ملکہ ہوں، آسائش و آرام کی زندگی گزارتی ہوں، خزانوں کے منہ میرے اشاروں پر کھل جاتے ہیں۔ اس نے دنیا کی آسائشوں پر لات ماری، ایمان کا دامن نہیں چھوڑا، بلکہ اس نے اس وقت اللہ سے دعا مانگی ﴿رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ اللہ تعالیٰ اس بدبخت فرعون نے مجھے گھر سے نکال دیا، (عورت کا بے گھر ہو جانا سب سے بڑا صدمہ ہوتا ہے) اے اللہ! میں اس کے

بدلے میں مانگتی ہوں کہ مجھے جنت میں اپنے قرب کا گھر عطا فرما دیں۔ تو یہ بات ہوئی فرعون کا جبر اگر جبر تھا تو بی بی آسیہ کا صبر بھی تو صبر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات اتنی اچھی لگی کہ اللہ نے قرآن میں اس کا تذکرہ فرما دیا۔ آج محراب میں نماز میں کھڑے ہو کر ہم ان باتوں کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ کاش کہ آج کی عورتیں بی بی آسیہ کو اپنا آئیڈیل بنا لیتیں، ان کی طرح ایمان پر پکی ہو جاتیں کہ ہم دنیا کی ہر چیز قربان کر سکتی ہیں ہم ایمان کو ہرگز قربان نہیں کر سکتیں۔

ایمان کی قدر:

ایک دفعہ ایک عیسائی بادشاہ نے دو تابعین کو گرفتار کر لیا اور ان کو کہا کہ میں تمہیں جلتے ہوئے، ابلتے ہوئے تیل میں ڈلوا دوں گا، ورنہ تم اپنا دین چھوڑ کر ہمارے دین پر آ جاؤ، انہوں نے کہا: ہرگز نہیں۔ بادشاہ نے تیل کو ایک بڑے برتن میں گرم کروایا جو خوب اچھی طرح ابلنے لگا تو انہیں بلوا کر پھر وہی بات دہرائی، لیکن وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔ اس نے ان میں سے ایک کو اس جلتے ہوئے تیل میں ڈلوا دیا، جب تیل کے اندر ڈالا تو وہ شخص تھوڑی دیر میں جل کر کباب بن گیا۔ اب دوسرے کی طرف اس نے دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ یہ ڈر گیا ہے، اب یہ میری بات مان لے گا۔ اس نے کہا: اچھا اگر تم میری بات کو مان لو تو میں تمہیں تیل میں نہیں ڈلواؤں گا۔ وہ تابعی اسے کہنے لگے: بادشاہ! تو کیا سمجھتا ہے کہ میں اس لیے رو پڑا ہوں کہ تو مجھے تیل میں ڈلوا دے گا۔ اس نے کہا اور کس لیے رو دئے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے تو ایک خیال آیا۔ پوچھا کیا خیال آیا؟ جواب دیتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ میری ایک جان ہے، یہ بندہ مجھے ایک دفعہ ڈالے گا، میری جان چلی جائے گی، کاش جتنے میرے بدن پر بال ہیں اتنی میری جانیں ہوتیں، یہ مجھے اتنی دفعہ تیل میں ڈالتا میں اتنی جانوں کا نذرانہ تیری خدمت میں پیش کر دیتا۔ یہ لوگ تھے

جن کو ایمان کی قدر تھی۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی ایمان کی ایسی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کے وبال اور کوتاہیوں کی وجہ سے آخری وقت میں ہمیں ایمان سے محروم نہ کردے، اس لئے کہ ڈر لگتا ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ صبح اٹھے گا ایمان والا ہوگا، شام سونے کے لئے بستر پر جائے گا ایمان سے خالی ہوگا۔ اللہ ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ ایمان پر زندہ رکھنا، اسلام پر زندہ رکھنا اور جب جانے کا وقت ہو تو ہمیں ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے کی توفیق عطا فرما دینا۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

تیسری شرط

فرمانبرداری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ
وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ
وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ
وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰہَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ
اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ (الاحزاب:۳۵)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مغرت کی تیسری شرط:

جو آیاتِ مبارکہ تلاوت کی گئی یہ سورۃ الاحزاب، بائیسویں پارے کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے۔ اِس میں اللہ رب العزت نے دس شرائط کا تذکرہ کیا کہ اگر مرد اور عورتیں اُن کو پورا کرلیں تو اُن کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ جن میں سے دو شرائط کا تذکرہ ہو چکا، آج تیسری شرط ہے۔

وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ (الاحزاب: 35)

''فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں''

قنوت کا پہلا معنی......فرمانبرداری:

قنوت کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک اس کا معنیٰ ہوتا ہے فرمانبرداری کرنا، یعنی بات کو مان لینا، حیل وحجت نہ کرنا، کٹ حجتی نہ کرنا۔ جیسے عام زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بچے فرمانبردار ذہن کے ہوتے ہیں، اُن کو جو کام کہا جائے، وہ آرام سے اُس کے مطابق کر دیتے ہیں۔ اور جن بچوں کی طبیعت میں نافرمانی ہو، من مانی ہو، ضد ہو، کام چوری ہو، وہ آگے سے حجتیں بناتے ہیں، اس لیے کہتے ہیں کہ ''من حرامی حجت ڈھیر''۔

دو طرح کی عورتیں:

عورتوں میں بھی دو طرح کی عورتیں ہیں، بعض عورتیں بہت فرمانبرداری والے ذہن کی ہوتی ہیں۔ جب کنوارے پن میں اپنے گھر میں رہتی ہیں تو باپ کی فرمانبردار، ماں کی فرمانبردار، بڑی بہن، بڑے بھائی کی فرمانبردار ہوتی ہیں، جو اُنہیں کہہ دیا جاتا ہے وہ کر دیتی ہیں، ایسی بچیوں سے ہر کوئی محبت کرتا ہے۔ یہ بڑی خوش نصیب بچیاں ہوتی ہیں، اُن کو کھانا کھانے کے دوران چیزیں لانے کے لیے دس مرتبہ بھی اٹھنا پڑے تو وہ برا نہیں مانتیں، وہ سمجھتی ہیں کہ میں لڑکی ہوں اور خدمت میری ذمہ داری ہے، میرا فرض منصبی بھی ہے۔

بعض ایسی بچیاں ہوتی ہیں، سست الوجود ہوتی ہیں، اُن کے لیے کام کرنا اِک مصیبت ہوتی ہے، ماننے کی بجائے وہ منوانے والی شخصیت ہوتی ہیں۔ ایسی بچیوں کی جب شادی ہو جاتی ہے تو اُن کی ازدواجی زندگی میں مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مرد گھر کا امیر ہوتا ہے:

کیونکہ اللہ رب العزت نے گھر کے معاملے میں مرد کو سنیارٹی عطا فرمائی، سربراہ بنا دیا اور عورت کو اُس کا ماتحت بنا دیا، مشیر اور وزیر بنا دیا۔ فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ○ (النساء: 34)

یہ قرآن مجید کی آیت ہے اور ہمارے لیے اللہ رب العزت کا ایک پیغام ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورت کا قوام بنایا ہے''۔ تو معلوم ہوا کہ گھر کے معاملے میں فائنل بات تو مرد ہی کی ہوگی کیوں کہ گھر کا سربراہ ہے، ذمہ دار ہے، قیامت کے دن اُس سے پورے گھر کے بارے میں پوچھا جائے گا، وہ گھر کا امیر ہے اور امیر کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

لہٰذا عورتوں کو کہا گیا کہ وہ گھر کے اندر اللہ رب العزت کی بھی فرمانبرداری کریں اور اپنے خاوند کی بھی فرمانبرداری کریں، روزمرہ کے کاموں میں خاوند جو کہہ دے بس اُس کی بات کو اپنے لیے حکم سمجھیں، اگر اُس پر عمل کریں گی گویا اُن کو اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کرنے کا اجر ملے گا۔ خاوند کی فرمانبرداری حقیقت میں اللہ رب العزت کی فرمانبرداری ہوتی ہے، کیوں کہ اُسی کے حکم کی وجہ سے عورت، خاوند کی بات مان رہی ہوتی ہے۔

کچھ خوش نصیب عورتیں ہوتی ہیں، وہ اِس مسئلے کو اچھی طرح سمجھتی ہیں اور روزمرہ کے کاموں میں خاوند جو کہہ دے اُس کی منشا کے مطابق کر دیتی ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ خاوند بھی خوش رہتا ہے، گھر کے اندر بھی برکتیں رہتی ہیں اور کیوں کہ بیوی فرمانبردار ہوتی ہے، کل کو ہونے والی اولاد بھی فرمانبردار بنتی ہے۔ اور اگر بیوی فرمانبردار نہ ہو، خاوند ایک بات کرے تو وہ دوسری سے سلیکشن دیدے، خاوند ایک کام کہے اور وہ دوسرے کام کے بہانے کر دے۔ طبیعت اُس کی نہ ماننے والی ہے

اور اِس کو پھر بحث مباحثہ سے ظاہر کرتی ہے کہ نہیں جو میں کہہ رہی ہوں یہ بہتر ہے۔ اب یہاں پر ازدواجی زندگی میں مصیبتیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ایسے میاں بیوں کی زندگی میں روزانہ ڈائیلاگ (بحث مباحثہ) ہوتے ہیں۔ اور شیطان بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے، خاوند کو بھی غصہ دلاتا ہے، بیوی کو بھی غصہ دلاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ پہلے چھپ چھپ کر آپس میں بحث ہوتی ہے، پھر اونچا بولتے ہیں تو لوگوں کو پتہ چلتا ہے، پھر جھگڑے بنتے ہیں، پھر برادری کو بھی پتہ چل جاتا ہے، حتیٰ کہ پھر اس کا نتیجہ طلاق تک آجاتا ہے۔ جب دیوار ٹیڑھی نہیں ہونے دینی تو پھر پہلی اینٹ ہی سیدھی رکھی جائے، پہلی اینٹ سیدھی رکھیں گے تو دیوار ٹھیک بنے گی۔ اور پہلی اینٹ سیدھی یہ ہے کہ عورت اپنے دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے اللہ نے مجھے اِس بات کا حکم دیا ہے کہ میں نے خاوند کی بات ماننی ہے، لہٰذا میں فرمانبرداری کروں گی اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی طلب گار بنوں گی۔

کٹ حجتی کا نقصان:

یہ جو کٹ حجتی ہے، یہ انسان کو بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ اس لیے کتنی عورتیں ایسی ہیں جو شکل کی اچھی، عقل کی اچھی، نصیب کی اچھی اور تعلیم یافتہ ہوتی ہیں مگر اُن کے اندر صرف ماننے والی عادت نہیں ہوتی، منوانے والی ہوتی ہے۔ اور وہ گھروں کے اندر مصیبتیں ڈال کر بیٹھ جاتی ہیں، خود بھی پریشان ہوتی ہیں، دوسروں کو بھی پریشان کر دیتی ہیں۔ اُن کی کٹ حجتی کی سب سے بڑی جو مصیبت ہوتی ہے وہ یہ کہ اولاد بھی نافرمان بنتی ہے۔ جب بیوی ہی خاوند کی بات نہیں مان رہی بحث مباحثہ کر رہی ہے تو پھر بچے بھی تو یہ بات دیکھیں گے۔ تو ایسے گھر کے اندر ایک تو اولاد نافرمان بنتی ہے اور دوسرا اس گھر کے اندر بے برکتی آجاتی ہے، کیوں کہ ہمارے بزرگوں نے بتایا کہ اتفاق میں برکت ہے اور نااتفاقی میں بے برکتی ہے۔ تو جہاں بیوی نے اپنے خاوند کی

بات سے نااتفاقی کی، وہیں بے برکتی شروع ہوگئی۔ پھر روتی بھی پھرتی ہیں کہ کیا کروں؟ بس نہ وقت میں برکت ہے، نہ رزق میں برکت ہے، نہ کاموں میں برکت ہے، نہ اولاد میں برکت ہے، اصل میں تو یہ بے برکتی ہوئی نااتفاقیوں کی وجہ سے ہے۔ اب دو میں سے ایک نے تو ماننا ہی ہے، ایک صورت تو یہ ہے کہ خاوند ہی زن مرید بن جائے، جو بیوی کہے وہی کرنا شروع کر دے۔ یہ بات اوّل تو مرد کی فطرت کے خلاف ہے اور دوسرا حکمِ خداوندی کے بھی خلاف ہے، تو اِس لیے یہی عورت ہی اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لے کہ مجھے اپنے گھر کے اندر خاوند کی بات کو ماننا ہے۔ بیٹی نے والد کی بات کو ماننا ہے، بڑے کی بات کو ماننا ہے۔

آج کل تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ بیٹیاں اپنی ماں کی بات کو مانتی نہیں بلکہ ماں سے باتیں منواتی ہیں، ضد کرتی ہیں، ماں کو تو بس اللہ میاں کی گائے سمجھتی ہیں، سمجھتی ہیں کہ اسکی تو کوئی ویلیو ہی نہیں ہے، ماں بیچاری منتیں کررہی ہوتی ہے اور بیٹی ماں پر رعب چلا رہی ہوتی ہے۔ یہ بڑی بدقسمت بیٹی ہے جس کو اپنی ماں کی اطاعت کی توفیق نہ ملی اگر یہ چاہے کہ سعادت مند بنے، خوش نصیب بنے، اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار بندی بنے، اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت کی مستحق بنے۔

’’جیسی کرنی ویسی بھرنی‘‘:

تو اِس بچی کو چاہیے کہ یہ بڑوں کی بات کو مانے، نتیجہ کیا نکلے گا؟ ’’جیسی کرنی ویسی بھرنی‘‘ آج یہ اپنے بڑوں کی مانے گی، کل جب اپنی زندگی میں یہ بڑی بنے گی، ماں بنے گی تو پھر اِس کے جو چھوٹے ہوں گے، اِس کے جو بچے ہوں گے، وہ سب اِس کی بات مانیں گے۔ چنانچہ ایسی عورتوں کی اولاد بڑی فرمانبردار ہوتی ہے، جو خود اپنے ماں باپ، اپنے خاوند کی فرمانبردار ہوتی ہے۔ یہ ادلے کا بدلہ ہے، جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔ اِس لیے جو لوگ ماں باپ کے نافرمان ہوتے ہیں، اُن کی اپنی

اولادیں کبھی اُن کی فرمانبردار نہیں ہوتیں۔ اُن کی اولادیں بھی اُن کے سینے پر مونگ دلتی ہیں، اُن کے دل جلاتی ہیں، دل دکھاتی ہیں، بڑھاپے کے اندر اُن کو رُلاتی ہیں اور اُن کو تکلیف پہنچاتی ہیں۔ تو دین اسلام کی یہ خوبصورتی ہے کہ اُس نے جہاں بھی دیکھا کہ وہاں شیطان کو عمل دخل کا موقعہ مل سکتا ہے، اُس چیز کو سیدھا کر دیا، سوراخ کو بند کر دیا۔

تو گھر کی زندگی میں شیطان کے داخلے کو بند کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ بیوی اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لے کہ مجھے اپنے خاوند کی بات کو ماننا ہے، مجھے اپنے بڑوں کی بات کو ماننا ہے، چاہے وہ سسر ہو، ساس ہو، میری والدہ ہو، میرے والد ہوں، میری بڑی بہن ہو، میرے بڑے بھائی ہوں، میں اپنے بڑوں کی فرمانبردار بنوں گی، کل اللہ تعالیٰ چھوٹوں کو میرا فرمانبردار بنا دے گا۔ یہ تو زندگی کے حصے ہیں، آج جو بچی گھر میں چھوٹی ہے، کل وہی گھر کی بڑی ہوتی ہے، تو جب بیوی اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے گی تو اِس کا بہترین بدلہ یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اِس کو فرمانبردار اولاد دیں گے جو اِس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دے گی۔ یہ اپنی فرمانبردار اولاد کو دیکھے گی، اِس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

شیطان کا راستہ:

اب دیکھیے! اللہ رب العزت نے حکم دیا کہ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو) سب فرشتوں نے بات مان لی اِلَّآ اِبْلِیْسَ (سوائے ابلیس کے)۔ جب شیطان سے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ تو آگے سے کٹ حجتی کرنے لگا، دلیلیں بیان کرنے لگا، آگے سے مباحثہ، مناظرہ کرنے لگا، کہنے لگا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ میں اِس سے زیادہ بہتر ہوں، نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ رب العزت نے فرمایا: فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ نکل جا یہاں سے! تو مردود ہے۔ تو جو عورت شیطان کے راستے پہ چلتی ہے

اوراپنے خاوند کی بات کو ماننے کی بجائے آگے سے حیل وحجت کرتی ہے، تو کئی مرتبہ شیطان کے راستے پر چلنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِس عورت کو بھی طلاق دے کر گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا راستہ:

اورایک راستہ ہے آدم علیہ السلام کا، اُن سے بھی بھول ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اس درخت کے پھل کو نہیں کھانا اور وہ کھا بیٹھے جب کھا بیٹھے تو کھاتے ہی فوراً غلطی کا احساس کرلیا اور کیا کہا

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ (الاعراف:۲۳)

یہ سیدنا آدم علیہ السلام کی لائن ہے، یہ اُن کا طریقہ کار ہے، غلطی کا اعتراف کر لیا، معافی مانگ لی، اللہ تعالیٰ نے غلطی بھی معاف کر دی اور اُن کے ساتھ پھر وہی وعدے فرما دیے۔ تو یہ بہترین لفظ ہے، عورت اگر اِس کو کثرت سے استعمال کرے غلطی ہوگئی، مجھے معاف کر دیں، جب بھی کوئی ایسا کام ہو کہ جس میں سستی ہوئی، کوتاہی ہوئی اور خاوند کہتا ہے کہ آپ نے ایسے کیوں نہ کیا؟ تو اِس کے جواب میں آگے سے جھوٹ بولنا، بہانے بنانا، خاوند کی نگاہوں میں اپنے آپ کو سچی بنانے کی کوشش کرنا۔ اس کا بہترین حل یہی ہوتا ہے کہ جواب میں کہیں کہ مجھ سے غلطی ہوگئی آئندہ احتیاط کروں گی، آپ مجھے معاف کر دیں۔ اِس سے خاوند کا دل بھی خوش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو جاتے ہیں۔

نہ ماننے والی بیماری:

آپ دیکھیں! بکری ایک جانور ہے، مگر اپنے مالک کی اتنی وفادار ہے کہ اگر

گھاس چر رہی ہو اور مالک اُس کو ایک آواز دے تو آواز سنتے ہی گھاس چھوڑ کر مالک کے پیچھے آ جاتی ہے۔ تو جس میں عقل بھی نہیں وہ اپنے مالک کی اتنی وفادار ہے تو عورت کو تو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی، یہ عقل استعمال کرنی چاہیے اور ایسے موقع پر خاوند کی بات کو ماننا چاہیے، جو کہہ دے اُس کے مطابق کرنے میں ہمیشہ برکت ہوتی ہے۔ جب خاوند کی بات کو یہ عورت اتنے اچھے انداز سے مانے گی تو صاف ظاہر ہے کہ پھر اللہ رب العزت کی بات کو تو بہت اچھے طریقے سے مانے گی۔ چنانچہ جن عورتوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ خاوند کی بات نہیں مانتیں، بعد میں دیکھا گیا کہ وہ اللہ کی بات بھی نہیں مانتیں، وہ شریعت کی باتوں میں بھی ہٹ دھرمی کرتی ہیں، پھر وہ یوں سمجھتی ہیں کہ مولوی تو خود مسئلے بنا لیتے ہیں، پھر اُن کو شریعت کے اوپر بھی اعتراض شروع ہو جاتے ہیں، پھر وہ نماز میں سستی کرتی ہیں، نام و نمود کے کام بڑے شوق سے کرتی ہیں اور نیکی کے کام کرتے ہوئے اُن کو مصیبت ہوتی ہے۔ اصل میں بیماری اندر ایک ہی ہے، نہ ماننے والی بیماری۔

فرمانبرداری کا انعام:

جو عورت دل میں فیصلہ کر لے کہ میں نے آج کے بعد بات ماننی ہے، تو وہ اپنے بڑوں کی بھی بات مانے گی اور پھر اپنے اللہ اور رسول ﷺ کی بھی بات کو مانے گی، یہ ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں عطا فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ بعض عورتیں تو اتنی اصیل ہوتی ہیں، اتنی شریف ہوتی ہیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے اُن کو حوروں جیسے اخلاق عطا کیے ہوتے ہیں، ہر کام میں خاوند سے مشورہ، ہر بات پوچھ کر کرتی ہیں اور اپنے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دیتی ہیں۔ اِسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ ”جو عورت اِس حال میں مرے کہ فرائض پورے کرنے والی ہو اور اُس کا خاوند اُس سے خوش ہو تو مرتے ہی اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت کے دروازے کو

کھول دیتے ہیں''۔ تو دیکھیں کہ مرد کو جنت پانے کے لیے تو بڑے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں، بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ کبھی دین کے راستے میں نکلو، کبھی مشقتیں اٹھاؤ، کبھی قربانیاں دو، راتوں کو تہجد میں جاگو، تو مرد کو عبادت کی لائن میں اتنے مجاہدے برداشت کرنے کے بعد پھر جنت ملتی ہے۔ اور عورت کو تو اللہ تعالیٰ نے خدمت کی لائن سے جنت دے دی کہ یہ صرف اپنے خاوند کو خوش رکھے، فرائض کی موٹی موٹی باتوں پر عمل کرتی رہے، سیدھی جنت چلی جائے گی، اتنی عورت کی اللہ تعالیٰ نے Favour (رعایت) کی ہے کہ حیران ہوتے ہیں! تو جو عورت اپنے خاوند کو خوش رکھے اور شریعت کے احکام یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، پردہ، اِن موٹے موٹے فرائض پر عمل کرتی ہے، کبیرہ گناہوں سے بچتی ہے وہ سیدھا جنت میں جائے گی۔

بلکہ جو خاوند کی فرمانبرداری کرنے والی ہونگی، کتابوں میں لکھا ہے، جیسے ہی جنت میں جائیں گی تو جنت کے دروازے پر اُن کے لیے سواریاں انتظار میں ہوں گی اور وہ پالکیوں پر بیٹھ کر اپنے محل میں پہنچ جائیں گی۔ کیا پروٹوکول ملے گا جنت میں!

فرمانبرداری کا عہد:

اب میں جب خاوند کی فرمانبرداری کی بات کر رہا ہوں تو کچھ عورتیں تو بات کو دل میں تسلیم کر رہی ہوں گی اور کچھ عورتوں کو غصہ بھی آ رہا ہوگا کہ آج مولانا صاحب نے یہ کیا لیکچر شروع کر دیا؟ مگر آپ کو غصہ بھی آئے تو آپ دل میں سوچیں کہ بچی بات تو بچی ہی ہے۔ لیکن اِس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بس ہر بات میں خاوند ہٹلر ہی بن جائے اور وہ بیوی سے پوچھنا بھی گوارا نہ کرے۔ خاوند کو بھی یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مشیر کا مقام دیا ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ کہ گھر کے امور میں وہ بھی مشورہ کیا کریں۔ تو خاوند اپنی ڈیوٹی دے، بیوی اپنی ڈیوٹی دے، خاوند بھی جنت میں جائے گا، بیوی بھی جنت میں جائے گی۔ لیکن یہ کوئی بہانہ نہیں کہ

خاوند تو میری بات سنتا نہیں، میں اُس کی کیوں مانوں؟ اِس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کوئی دوسرا برا بن گیا تو میں بھی بری بن کے دکھاؤں گی، دوسرا جہنم میں جا رہا ہے تو میں بھی جہنم میں چھلانگ لگا کے دیکھوں گی، یہ کیا بات ہوئی بھئی!۔عورت کو چاہیے کہ جو اُس کی اپنی ذمہ داری ہے بس اُس کو پورا کرے، کیوں کہ اُس کو پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد اِس کے ساتھ ہوگی، اللہ کی پشت پناہی ہوگی، گھر میں برکتیں ہوں گی، گھر کے اندر خوشیاں ہوں گی، سکون ہوگا۔

تو آج کی اِس مجلس میں، میں چاہوں گا کہ عورتیں اپنے دل میں یہ عہد کریں کہ قرآن مجید کی اِس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے، آج سے ہم اپنی زندگی کی ترتیب کو بدلیں گی، اگر پہلے کچھ کٹ حجتی، بہانے بازی کرتی بھی تھیں، تو آج کے بعد ہم بڑے آرام سے خاوند کی بات کو مانیں گی تاکہ جنت کی حق دار بن جائیں۔

قنوت کا دوسرا معنی......اخلاص:

ایک دوسرا معنیٰ اِس کا مفسرین نے لکھا ہے''اخلاص'' یعنی اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والی عورتیں۔ اگر قنوت کا یہ معنیٰ لیا جائے تو پھر اِس کا مفہوم بنے گا، ریا کاری نہ کرنے والی عورتیں، دکھاوا نہ کرنے والی عورتیں۔

دکھاوے کی مصیبت:

یہ دکھاوا بھی عجیب مصیبت ہے، مردوں میں بھی بہت ہوتا ہے اور عورتوں میں تو بدرجہ کمال ہوتا ہے۔ جو دکھاوے کے طریقے اِن کو آتے ہیں، وہ تو مردوں کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتے۔ اسی لیے ہر چیز میں اِن کا دکھاوا ہوتا ہے اور اِن کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ یہ جوتا بھی خریدیں گی تو لوگوں کو دکھانے کے لیے، کپڑے خریدیں گی تو لوگوں کو دکھانے کے لیے، جیولری خریدیں گی تو لوگوں کو

دکھانے کے لیے۔ بہت کم عورتیں ایسی ہوں گی کہ جو اِس نیت سے چیزیں خریدیں کہ ان کو دیکھ کے میرا خاوند خوش ہوگا، عمومی طور پر دوسری عورتوں کو دکھانے کا شوق ہوتا ہے، طبیعت اُن کی ایسی ہے کہ وہ چاہتی ہیں کہ دوسری عورتیں دیکھیں تو واہ واہ کہیں! اور کہیں کہ واقعی اِس کی تو سلیکشن بہت ہی اچھی ہوتی ہے۔ اسی لیے کاسمیٹکس کی چیزیں خریدنی ہوں تو برانڈ پہ جاتی ہیں، تاکہ گھر میں پڑی ہوئی چیز اگر کوئی دیکھے تو وہ کہے کہ ہاں! یہ تو اِس برانڈ کی چیزیں استعمال کرتی ہے۔ شادی بیاہ کے معاملے میں اکثر رسومات پر جو عمل ہوتا ہے، وہ عورتوں ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، دکھاوے کی خاطر اتنے پیسے برباد کردیتی ہیں، اتنا اسراف کرتی ہیں! خیال ہی نہیں کرتیں کہ خاوند اتنا بوجھ اٹھا بھی سکتا ہے یا نہیں، اور پیچھے ایک ہی Logic (دلیل) ہوتی ہے، لوگ کیا کہیں گے؟ حالانکہ لوگ تو اتنا سب کچھ دیکھ کر بھی کوئی نہ کوئی برائی ہی نکالتے ہیں۔

لوگ کبھی خوش نہیں ہوتے:

لوگ تو کبھی خوش نہیں ہوتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے کہ باپ بیٹا جارہے تھے، ایک گدھا اُن کے پاس تھا، تو وہ دونوں گدھے کے اوپر سوار ہوکر جارہے تھے۔ آگے گئے تو ایک بندے نے دیکھ کر کہا: دیکھو گدھا ایک ہے اور اوپر دو بندے سوار ہیں، اِن کو بے زبان کا خیال نہیں آتا۔ یہ سن کر باپ نے اپنے بیٹے کو نیچے اُتار دیا، پھر آگے چلے تو ایک اور بندہ ملا، وہ دیکھ کر کہنے لگا: حال دیکھو! خود اوپر بیٹھا ہوا ہے، چھوٹے بچے کو پیدل چلا رہا ہے، کیسا ظالم باپ ہے؟ یہ سن کر اُس نے بیٹے کو اوپر بٹھا دیا، خود پیدل چلنے لگا، ذرا آگے گئے تو کسی نے دیکھ کر کہا: کتنا بے ادب بیٹا ہے کہ باپ پیدل چل رہا ہے اور خود سواری کررہا ہے! اب جناب! دونوں نے پیدل چلنا شروع کردیا، آگے گئے تو کسی نے دیکھ کر کہا: اِن لوگوں کے پاس ذرا عقل نہیں، گدھا بھی پاس ہے پھر بھی پیدل چل رہے ہیں۔ تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اب پیچھے ایک ہی چیز رہ گئی تھی کہ دونوں مل کر گدھے کو ہی سر پر اٹھا لیتے مگر لوگ اِس سے بھی خوش نہ ہوتے اور اُن کو کہتے کہ اِن جیسا بیوقوف تو دیکھا نہیں، جو سر پر گدھے کو اٹھائے پھر رہے ہیں۔تو دنیا تو کسی بات پر خوش ہو ہی نہیں سکتی، آپ ساری مخلوق کو خوش نہیں کر سکتے، بس ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے اللہ کو خوش کریں، اپنے بڑوں کو اپنے خاوند کو خوش رکھیں ۔ ہر کام میں سنت کے اوپر عمل کرنا چاہیے، سنت سے اللہ رب العزت لوگوں کے دلوں میں عزتیں ڈال دیتے ہیں، اور بندے کو ایک وقار نصیب ہو جاتا ہے۔

دکھاوے کے اعمال سے اجر ضائع:

شادی بیاہ کے موقع پر عورتیں اچھے کپڑے پہنتی ہیں، بن سنور کر جاتی ہیں، جتنی بے پردگی شادی کے موقع پر ہوتی ہے اتنی بے پردگی آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ کئی مرتبہ عورتیں مجمع میں ایک دوسرے کو ملتی ہیں تو چہرے پر بھی نقاب رکھا ہوتا ہے، لیکن یہ جو عورتوں کی مجلس میں چہرے پر نقاب کیا ہوا ہے، وہ پردے کی وجہ سے نہیں کیا ہوا بلکہ اِس لیے کہ انہوں نے اپنے آپ کو تیار نہیں کیا ہوا ہوتا۔ وہ سوچتی ہیں کہ ہم منہ دھو کر تو آئی نہیں، باسی چہرے کی ساتھ کسی سے کیسے ملیں؟ اِسی طرح کسی کے گھر مہمان جائیں گی چاہے کتنے ہی قریبی رشتہ دار ہوں تو گاؤن نہیں اتاریں گی، اب یہ گاؤن نہ اتارنے کا مقصد کوئی پردے کی پابندی نہیں ہے، یہ تو اِس لیے ہے کہ میلے کپڑے تھے اوپر سے صاف گاؤن پہن لیا، اب گون پہن کر بیٹھنا تو دکھاوا ہے۔ دکھاوا ایک ایسی مصیبت ہے، اگر یہ بندے کے اندر آ جائے تو بندہ اپنے ایک ایک عمل کو دکھاوے کے لیے کرتا ہے اور جب دکھاوے کے لیے کرتا ہے تو پھر اللہ رب العزت کے ہاں اُس کا اجر ضائع ہو جاتا ہے۔

سنیے! ذرا دل کے کانوں سے سنیے! قیامت کے دن اللہ رب العزت ایک عالم کو

بلائیں گے، پوچھیں گے کہ تم نے دنیا میں کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے اللہ! میں نے مدرسے بنوائے، مسجدیں بنوائیں، ساری زندگی دین کے کام کرتا رہا، فرمایا جائے گا: نہیں تو نے اِس لیے سارے کام کیے تھے کہ تجھے بڑا آدمی کہا جائے اور لوگ تجھے بڑا عالم کہتے تھے (فَقَدْ قِيلَ) وہ تجھے کہا جاچکا، لہٰذا ہمارے پاس تمھارے اِن عملوں کا کوئی اجر نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہوگا، اس عالم کو اُلٹا جہنم کے اندر پھینک دیا جائے، چنانچہ اسے اوندھے منہ جہنم میں گرادیا جائے گا۔ پھر حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شہید کو بلائیں گے، فرمائیں گے: تو نے میرے لیے کیا کیا؟ وہ کہے گا: اے اللہ! میں تو تیرے دین کی خاطر اپنی جان قربان کر کے آیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، نہیں تیرے دل میں نیت یہ تھی کہ لوگ تجھے بڑا بہادر کہیں اور تجھے لوگوں نے بہادر کہہ دیا، اب میرے پاس کوئی اجر نہیں، شہید کو بھی اوندھے منہ جہنم کے اندر ڈال دیا جائے گا۔ جب بھی حدیث پاک پڑھتے ہیں، بس کانپ جاتے ہیں، پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی نظر آتی ہے، اللہ: دین کا اتنا کام کرنے والے کہ جنہوں نے جانیں تک لگادیں قیامت کے دن اِس ریا کاری کی وجہ سے وہ بھی خالی ہاتھ ہوجائیں گے تو پھر ہم کمزوروں کا کیا حال ہوگا۔

امِ وظائف:

اِس لیے ام وظائف یہی ہے کہ انسان اپنے اعمال کو ریا سے خالی کرلیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ریا نیت میں داخل ہوتی ہے، ریا کار آدمی اللہ رب العزت سے مذاق کررہا ہوتا ہے، عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ جو غلافِ کعبہ کو پکڑ کر دعا کررہا تھا اور خراساں کے لوگوں کو دکھا رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت! وہ کیسے؟ یہ آدمی تو ہے مکہ مکرمہ میں، غلاف کعبہ پکڑ کر وہاں دعائیں مانگ رہا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ خراساں

کے علاقے کے لوگوں کو وہ دکھا رہا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: جب وہ غلافِ کعبہ کو پکڑ کر دعا کر رہا تھا، اُس وقت اُس کے دل میں یہ خواہش جنم لے رہی تھی، کاش! میرے وطن کے لوگ ہوتے اور وہ دیکھتے کہ میں کیسے عاجزی وزاری سے بیٹھا دعائیں مانگ رہا ہوں! تو غلافِ کعبہ کو پکڑتے ہوئے بھی دل میں یہ خیال آ گیا تو ایسی دعا کو بھی بندے کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ اِس لیے نماز پڑھیں، پردہ کریں، نیکی کریں، یہ ذہن میں سوچ ہی نہ ہو کہ دوسری عورتیں میری تعریف کریں گی۔ اِس سوچ کو ہی ذہن سے نکال دیں۔

مخلص بندہ کون؟

چنانچہ فقیہ ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت! اخلاص کا لفظ تو ہم بڑا پڑھتے ہیں لیکن ہمیں کسی مثال کے ذریعے سے سمجھائیں کہ مخلص بندہ کون ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تم نے کبھی بکریاں چرانے والے کو دیکھا ہے؟ کہنے لگے: ہاں، فرمایا: جب نماز کا وقت ہو جائے تو وہ بندہ بکریوں کے درمیان میں مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھ لیتا ہے تو بتاؤ! اُس کے ذہن میں کوئی طمع ہوتی ہے؟ کیا اسے توقع ہوتی ہے کہ بکریاں میری تعریف کریں گی؟ انہوں نے کہا: جی بالکل نہیں، فرمایا: جس طرح اُس چرواہے کے دل میں ذرا بھی امید نہیں ہوتی کہ بکریاں میری تعریف کریں گی، اِسی طرح مخلص بندہ انسانوں کے درمیان بیٹھ کر عبادت کرتا ہے لیکن اُس کے دل میں ذرا بھی طمع نہیں ہوتی کہ لوگ میری تعریف کریں گے، اُس کی نظر ایک اللہ رب العزت پر ہوتی ہے۔

ایک عجیب بات:

اور یہ بھی عجیب بات ہے اللہ کی شان دیکھو! کہ ریاکار بندے کی بجائے مخلص

بندے کی شہرت زیادہ ہوتی ہے۔یعنی ریا کار اِس لیے ریا کاری کرتا ہے کہ لوگ تعریفیں کریں مگر لوگ اُس کی تعریفیں نہیں کرتے اور جو لوگوں سے چھپا کر اللہ کی رضا کے لیے عمل کررہا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کی زبانوں سے اُس بندے کی تعریفیں نکلوا رہے ہوتے ہیں، تو اِس اخلاص کے راستے پر تعریفیں بھی زیادہ نصیب ہوجاتی ہیں، ''ہم خرماں وہم ثواب''۔ ریا کار بندے کی مثال ایسے ہے کہ جیسے: ایک آدمی نے اپنی جیب کے اندر چھوٹے چھوٹے پتھر ڈالے ہوں اور دوسرے لوگ بھری جیب کو دیکھ کر محسوس کررہے ہوں کہ جی اِس کے پاس تو بڑے پیسے ہیں، مگر جب نکالنے کا وقت آئے گا تو پیسوں کی بجائے پتھر نکلیں گے، اِسی طرح ریا کار آدمی کو لوگ تو سمجھتے ہیں بڑا نیک ہے، بہت اچھی عادات ہیں لیکن قیامت کے دن جب اِس کا نامہء اعمال کھلے گا تو ریا کاری کی وجہ سے اِس کے عملوں کی کوئی قیمت نہیں لگائی جائے گی۔ اتنی عبادت، مجاہدہ، محنت کرنے کے بعد بھی اگر قیامت کے دن اجر نہ ملا تو یہ بھاگ دوڑی کس کام آئے گی۔

اللہ کو دین خالص چاہیے:

حضرت بایزید بستامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سورۃ طٰہٰ پڑھ رہے تھے کہ اُن کا ایک بہت قریبی دوست قریب سے گزرا، جب وہ گزرا تو اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میرا یہ دوست مجھے تلاوت کرتے ہوئے سن رہا ہوگا۔ جب رات کو سوئے تو خواب میں اپنے نامہ اعمال کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ سورۃ طٰہٰ سونے کے حروف کے ساتھ اُن کے نامہ اعمال کے اندر لکھی ہوئی ہے، وہ بڑے خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے میری تلاوت کو قبول کرلیا۔ جب خوشی خوشی نامہ اعمال کے ورق الٹنے لگے تو ایک جگہ پر دیکھا کہ وہاں پر تو کچھ آیتوں کی جگہ بالکل خالی ہے تو بڑے حیران ہوئے! یہ خالی جگہ درمیان میں کیسے آگئی؟ جب ذرا غور کیا تو یہ وہی دو آیتیں تھیں جو انہوں نے

اپنے دوست کے خیال کے ساتھ پڑھیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے اُن آیتوں کے اجر سے محروم کر دیا۔

اِس معاملے میں اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہیں فرماتے ہیں:

﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ﴾ (الزمر:۳)

''اللہ کے لیے خالص دین چاہیے''

چنانچہ اگر ننانوے فیصد عمل ہم اللہ کی رضا کے لیے کریں اور ایک فیصد عمل ہم لوگوں کے دکھاوے کے لیے کریں تو بھی اللہ تعالیٰ اُس عمل کو قبول نہیں کریں گے، اُس کو بندے کے منہ پر واپس ماردیں گے۔(میا فی المیا)سو فیصد اللہ کو اخلاص والے عمل چاہییں۔ یہ جوریاکاری کا وائرس ہے اگر یہ داخل ہو گیا تو سمجھ لو کہ عمل مردود ہو گیا۔ یہ دکھلاوے کا بکٹیریا اگر اِس میں شامل ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عمل کو رد کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے اکابر اپنی نیکیوں کو اِس طرح چھپاتے تھے جس طرح لوگ اپنے گناہوں کو چھپاتے ہیں۔ واقعی ہم اِس میں تو بڑے ماہر ہیں کہ دائیں ہاتھ سے اِس طرح گناہ کرتے ہیں کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلنے دیتے لیکن جہاں نیکی کا معاملہ آتا ہے پتہ نہیں کیوں ہم ایسا کام نہیں کرتے!

والدہ محترمہ کی نیکی چھپانے کی عادت:

بعض عورتوں کو اللہ رب العزت نے یہ خوبی دی ہوتی ہے کہ وہ چھپ کر نیک کام کرتی ہیں، ایسے انداز سے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔اس عاجز کی والدہ محترمہ کا واقعہ ابھی میرے ذہن میں آیا، اللہ رب العزت نے اُن کو اِسی صفت سے نوازا تھا۔ چنانچہ وہ محلے کی کتنی ہی عورتوں کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کرتی تھیں! اور گھر کی بیٹیوں کو بھی پتہ نہیں چلتا تھا۔ چنانچہ میری بڑی بہن یہ واقعہ سنانے لگیں کہ ہمارے محلے میں ایک عورت تھی، اُس کا خاوند اُس کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا، اس کو خرچہ بھی نہیں

دیتا تھا، وہ بچوں کے ساتھ بڑی پریشان رہتی تھی۔

ایک مرتبہ دعا کروانے کے لیے والدہ صاحبہ کے پاس آئی تو والدہ صاحبہ نے کچھ اُس کی مدد کرنا شروع کر دی، اب وہ وقفے وقفے سے آتی اور والدہ صاحبہ نے کچھ نہ کچھ پہلے سے رکھا ہوتا، مختصر وقت میں وہ اُس کو فارغ کر دیتی۔ وہ عورت محلے سے چلی گئی، کسی دوسرے محلے میں جا کر بیٹھ گئی۔ تو والدہ صاحبہ کی بڑھاپے کی عمر تھی، بڑی مدت تک پوچھتی رہیں کہ پتہ نہیں وہ عورت کہاں چلی گئی؟ اُس کا پتہ بھی نہیں، کبھی آئی بھی نہیں، کئی مرتبہ تذکرہ کرتیں۔ ہمشیرہ صاحبہ کہتی ہیں: ایک مرتبہ شہر میں سے گزرتے ہوئے مجھے وہ عورت ملی تو میں نے اُس سے پوچھا کہ آپ کہاں رہتی ہیں؟ وہ کہنے لگی کہ میں تو ساتھ والے محلے میں چلی گئی تھی اور بس میں ایسی الجھ گئی کہ مجھے آنے کا موقع ہی نہیں ملا، تو ہمشیرہ صاحبہ نے آکر والدہ صاحبہ کو بتایا کہ فلاں عورت تو ساتھ والے محلے میں ہے اور میں اُس کا گھر دیکھ کر آئی ہوں۔ والدہ صاحبہ بیمار بھی تھیں، بوڑھی بھی تھیں، کہنے لگیں کہ مجھے اُس کے گھر لے جاؤ! میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔ ہمشیرہ نے پوچھا کہ کچھ کہنا ہے یا دینا ہے بتا دیں! کہنے لگیں: نہیں، بس میں نے ملنا ہے۔ حتیٰ کہ ہمشیرہ اُن کے ساتھ چلیں، راستے میں والدہ صاحبہ بیماری کی وجہ سے کچھ دیر چلتیں پھر بیٹھ جاتیں، پھر چلتیں پھر بیٹھ جاتیں، ہمشیرہ کہتی ہیں کہ ہم اُن کے پاس گئے اور امی نے اُس کو کیا دیا، کب دیا؟ مجھے کچھ پتہ نہیں، پھر ہم واپس آ گئے۔ جب والدہ کی وفات ہوئی، تب اُس عورت نے آکر مجھے بتایا کہ تمھاری والدہ نے آکر مجھے دس ہزار روپے دیے تھے۔

ایک مرتبہ محلے کی ایک جوان العمر لڑکی بیمار تھی، خاوند اُس کے علاج معالجے پر توجہ نہیں دیتا تھا۔ والدہ صاحبہ کے پاس جب کبھی آتی تو وہ اُس کے لیے دعا بھی کرتیں اور اُس کی کچھ مدد بھی کر دیتیں۔ کچھ دن وہ نہیں آئیں تو ایک دن اُس بیمار لڑکی کی

بڑی بہن آ گئی، والدہ صاحبہ نے اُس کو دو ہزار روپے دیے اور اُسے کہنے لگیں کہ یہ تیری بہن کے پیسے میرے ذمے بنتے تھے اور میں پہلے نہ دے سکی، مجھے دیر ہوگئی، تم یہ اپنی بہن کو میری طرف سے ادا کر دینا۔ اب بڑی بہن نے پیسے لے لیے اور اُس نے جا کر اپنی بہن کو دے دیے اور اُس کو کہا کہ فلاں خاتون نے پیسے دیے ہیں اور یہ کہلوایا ہے کہ تمہارے میری طرف جو پیسے بنتے تھے پہلے میں نہ دے سکی، اب میرے پاس پیسے ہیں تو میں یہ ادا کر رہی ہوں۔ وہ لڑکی بڑی حیران ہوئی مگر چپ ہوگئی، کچھ دنوں کے بعد والدہ صاحبہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اماں آپ نے یہ پیسے کیسے بھیجے؟ تو والدہ صاحبہ نے کہا کہ بیٹی میں نے تمہاری مدد ہی کے لیے بھیجے تھے لیکن اگر تمہاری بہن کو بتاتی کہ میں تمہاری مدد کر رہی ہوں تو وہ بہن تمہیں طعنہ دیتی، میں نے یوں ظاہر کیا کہ جیسے میرے اوپر قرضہ تھا، چنانچہ تمہیں پیسے بھی پہنچ گئے اور اُس کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوا، اور میرا عمل بھی اُس سے چھپ گیا۔

نیکیاں چھپانے والے:

کاش کہ سب عورتیں اور سب مرد ایسے نیک بن جائیں کہ اپنی نیکیوں کو اِس طرح چھپا کر چلیں کہ قریب والوں کو بھی پتہ نہ چلنے دیں، یہ خوش نصیب لوگ ہوں گے کہ قیامت کے دن جن کے سروں پر سعادت کے تاج پہنا دیے جائیں گے۔ ہمارے اسلاف کے اندر یہی چیز نظر آتی ہے، چنانچہ کتنے لوگ ایسے تھے کہ جو کسی کے گھر صدقہ خیرات کی کوئی چیز دینا چاہتے تھے تو وہ رات کے اندھیرے میں اُن کے گھر کے دروازے کے اندر چیزیں ڈال کر رقعہ لکھ دیتے تھے کہ یہ ہدیہ قبول کریں! اور پتہ بھی نہیں چلنے دیتے تھے کہ یہ کس بندے کی طرف سے ہدیہ آیا ہے؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جب کسی

مانگنے والے فقیر کو کچھ پیسے دلواتیں تو کواڑ کے پیچھے سے بعض دفعہ سنتی بھی تھیں کہ اِس نے کیا دعا دی ہے؟ جو دعا وہ دیتا تھا یہ وہی دعا اُس فقیر کو دیتی تھیں کہ میں تم سے اِس کی توقع نہیں کرتی فقط اپنے اللہ سے اجر کی توقع رکھتی ہوں۔ آج تو ہم کسی کے ساتھ بھلا کریں تو پھر چاہتے ہیں کہ محفل میں بیٹھ کر ہماری تعریفیں کرے تو کیے ہوئے عمل ضائع کر بیٹھنا یہ کتنی بڑی حسرت کی بات ہے؟

ہمارے اکابر میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کا نام تھا ابوعمر نجیر رحمۃ اللہ علیہ، اللہ نے ان کو نیکی بھی دی تھی اور دنیا کا بڑا مال بھی دیا تھا۔ ایک مرتبہ حاکم وقت نے امیر لوگوں کی مجلس بلائی۔ کوئی رفاہی کام کرنا تھا تو اس کام کے لیے اس نے ان کی توجہ دلائی کہ آپ لوگ اگر تعاون کریں تو ہم یہ عوام کی سہولت کا رفاہی کام کر سکتے ہیں، ابوعمر نجیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دو لاکھ دینار دیدیے۔ جب دوسری مرتبہ میٹنگ ہوئی تو حاکمِ وقت نے ساری مجلس میں بتا دیا، ترغیب دینے کی خاطر کہ جی دیکھو! ابوعمر نجیر نے تو دو لاکھ دینار دیے ہیں۔ جب اس نے یہ بات کہہ دی تو تھوڑی بعد ابوعمر نجیر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، بادشاہ سلامت! میں نے آپ کو وہ مال دے تو دیا مگر مجھے کسی سے مشورہ بھی کرنا تھا، وہ میں نے مشورہ نہیں کیا، لہٰذا آپ مہربانی فرمائیں کہ میرے دو لاکھ دینار مجھے واپس کر دیں، بادشاہ نے دیناروں کی تھیلی واپس کر دی۔ مجلس کے ہر بندے نے کہا کہ کیسا برا انسان ہے دیئے ہوئے پیسے واپس مانگ لیے۔ پھر جب مجلس ختم ہوئی تو تنہائی میں انہوں نے وہ دو لاکھ دینار واپس بادشاہ کو دیتے ہوئے کہا: جناب آپ نے لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے میرے عمل کو ضائع کیا تھا، میں نے واپس مانگ کر تھوڑی دیر کی ذلت تو اٹھالی، اب آپ کو اللہ کی رضا کے لیے پھر دے رہا ہوں، اب اِس کا تذکرہ کسی کے سامنے نہ کرنا، اللہ اکبر کبیرا!!!

اعمال کا کوالٹی کنٹرول:

آج دنیا کے اندر کوالٹی کنٹرول کا بڑا چرچہ ہے، ہر چیز میں کوالٹی کی بات ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی کوالٹی کنٹرول ہے، ہر عمل کی کوالٹی کو دیکھا جاتا ہے، سو فیصد اخلاص کو قبول کیا جاتا ہے اور اگر اخلاص میں کمی ہو تو اُس کو رد کر دیا جاتا ہے۔ ہم نے جب چند ٹکوں میں چیز خریدنی ہو تو ہم کوالٹی مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جس نے بندے کو جنتیں دینی ہیں، اُس کے عمل کی کوالٹی نہیں مانگیں گے؟ وہ بھی اخلاص کی کوالٹی چاہتے ہیں تو یہ بڑی فکر والی بات ہے۔ اور یہ ذہن میں رکھیں! نکتے کی بات کہ لوگ جو تعریفیں کرتے ہیں، یہ عملوں کی اجرت ہوتی ہے، اگر ہمارے دل میں ذرا سی بھی یہ خواہش آ گئی کہ لوگ تعریف کریں اور لوگوں نے تعریف کر دی تو عمل کی اجرت ہمیں مل گئی۔

دفتروں میں ایک ہوتا ہے ووچر، ووچر بنتا ہے پھر اس پر لوگوں کو پے منٹ ہوتی ہے، تو دفتر کے زمانے کی بات ہے کہ ایک انجینیر تھے، اُس کو پیسے کی بہت ضرورت تھی، اُس کو کیشیئر کا فون آیا کہ میرے پاس آپ کا ایک ووچر ہے اور اُس میں آپ کے تقریباً پندرہ ہزار روپے بنتے ہیں، آپ آ کر لے لیں۔ وہ بڑا خوش ہوا، جلدی سے کیشیئر کے پاس گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد آنکھوں میں آنسو لے کر واپس آ گیا، ہم نے پوچھا: بھائی کیا ہوا؟ کہنے لگا: ووچر تو واقعی ہی اُس کے پاس تھا، جب اُس نے نکالا تو نیچے اُس نے دیکھا کہ وہ تو پہلے پے ہو چکا تھا، اُس پر مہر لگی ہوئی تھی تو اُس نے کہا کہ یہ تو ادا ہو چکا ہے۔ بالکل اِسی طرح قیامت کے دن ہمارے اعمال کو کھولا گیا اور اُس پر بھی (ادا کیا گیا ووچر) کی مہر لگی ہوگی تو پھر قیامت کے دن ہم خالی ہاتھ کھڑے ہوں گے۔ کیا اتنی مشقتیں اِسی لیے اٹھائیں تھیں کہ دنیا کی چند بندے دو لفظ

کہہ دیتے ہیں کہ جی بڑے نیک ہیں، بڑے اچھے ہیں اور بس! اس عمل کا یہی اجر دنیا میں مل گیا۔

اس لیے سو فیصد نیت کر لیجیے کہ اللہ! ہم آپ سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں، اس کے باوجود اگر کوئی تعریف کرے تو اس کے بارے میں حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابی ﷛ نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم عمل تو اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں مگر لوگ پھر بھی تعریفیں کرتے ہیں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آخرت میں ملنے والے اجر کی ایک قسط ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اپنے بندے کو پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ تعریف تو اللہ تعالیٰ پھر بھی زبانوں سے کروا دیتے ہیں مگر ہماری نیت اللہ کی رضا والی ہونی چاہیے۔

خلاصہ کلام:

تو آج کے درس میں جو سمجھنے والی بات ہے وہ یہ ہے کہ اگر قنوت کا مطلب ہے ''ماننا'' تو ہم دل میں یہ نیت کریں کہ آج کے بعد گھر میں ہم خاوند کی، بڑوں کی ہر بات کو مان کر زندگی گزاریں گی، اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیں گے، وہ ایسی عزت دیں گے کہ ہوسکتا ہے خاوند ہی ہماری بات کو ماننے لگ جائے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ نیک بیویاں اپنی نیکی کی وجہ سے اپنے خاوند کی نظر میں وہ مقام پالیتی ہیں کہ اُن کی زبان سے جو بات نکلتی ہے، خاوند کی کوشش ہوتی ہے کہ میں اُس کی بات کو پورا کردوں۔

اگر اِس کا معنیٰ ''اخلاص'' ہے تو پھر آج کے بعد ہم اپنے سارے اعمال فقط اللہ رب العزت کی رضا کی نیت سے کریں گی، مخلوق کو دکھاوے کی کوئی بات ذہن میں نہیں لائیں گی اور اگر خیال آ بھی گیا تو ہم استغفار کر کے اپنے اللہ سے معافی مانگیں گی

اور اپنی نیت کو پھر ٹھیک کریں گی۔ نیت کو بار بار ٹھیک کرنا پڑتا ہے اور بالآخر یہ عمل بندہ اخلاص کے ساتھ کرنے لگتا ہے۔

اور عام مفہوم جو قنوت کا لیا جاتا ہے، ''فرمانبرداری'' ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ دائرۂ شریعت کے اندر رہتے ہوئے ہمیں اپنے بڑوں کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔

لَاطَاعَتَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَتِ الْخَالِقِ

اللہ کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں لیکن گھر کے جو روزمرہ کے کام ہوتے ہیں، اُن میں اگر خاوند کی بات کو سو فیصد مان لیا جائے تو یہ چیز عورت کے لیے نیکیوں کا سبب بنے گی، گھر کے کام بھی ہوں گے، اللہ کا قرب بھی ملے گا، اللہ کی رضا بھی ملے گی تو یہ کتنی اچھی بات ہے! اور یہ جو کٹ حجتی کی عادت ہے اِس سے بھی توبہ کر لینی چاہیے، اللہ تعالیٰ کو بھی اِس سے ناراضگی ہوتی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خاوند کو بھی اِسی پر ناراضگی ہوتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی فرمانبرداری:

ذرا قرآن مجید کی ایک مثال پر غور کیجیے! توجہ فرمائیے! اور دل کے کانوں سے سنیے کہ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے کیسی اطاعت اور فرمانبرداری والی طبیعت عطا فرمائی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب سیلاب آنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تو وعدہ فرمایا کہ میں آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بچالوں گا۔ چنانچہ طوفان آ گیا حضرت نوح علیہ السلام اپنے ماننے والوں کے ساتھ کشتی میں داخل ہو گئے۔ آپ کا ایک بیٹا تھا، وہ کشتی میں داخل نہیں ہوا، آپ نے اسے کہا بھی:

﴿ يَابُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا ﴾ (ھود:۴۲)

اے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں آ جاؤ!

مگر اُس نے آگے سے ایک بہانہ کر دیا: نہیں میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور کہنے لگا:

﴿قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ﴾

نتیجہ کیا نکلا؟

﴿ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴾ (ھود:۴۳)

پھر ایک لہر آئی اور بیٹا اپنے والد کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا

اب والد کی بیٹے کے ساتھ کیسی محبت ہوتی ہے؟ جب بیٹا غرق ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! ﴿ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا۔ ﴿وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَق اور اللہ! تیرے وعدے سچے ہیں ﴿وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴾ بس اتنے الفاظ کہے، مگر اللہ رب العزت کی طرف سے ارشاد ہوا، اے نوح علیہ السلام! ﴿ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ﴾ وہ آپ کے اہل میں سے نہیں تھا۔ ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﴾ اُس کے عمل برے تھے اور آگے کہا: ﴿ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ مِنْ عِلْم ﴾ مت سوال کیجیے اس چیز کا جس کا آپ کو پتہ نہیں اِنِّیْۤ اَعِظُكَ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں ﴿ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴾ جاہلوں والی باتیں مت کریں۔ اللہ کے پیغمبر کو اللہ رب العزت کی طرف سے یہ خطاب آیا جیسے ہی خطاب آیا، کوئی کٹ حجتی نہیں، کوئی آگے سے بات نہیں، دلیل نہیں، فوراً نوح علیہ السلام نے معافی مانگ لی:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْم وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ (ھود:۴۷)

''حضرت نوح نے فرمایا کہ اے میرے رب! میں آپ سے ایسا سوال کرنے کی پناہ مانگتا ہوں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ اور اے اللہ! اگر آپ نے مجھے معاف نہ

کیا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان پانے والوں میں سے ہوجاؤں گا‘‘

یہ ہوتی ہے فرمانبرداری۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی ایسی فرمانبرداری والی زندگی نصیب فرمائے۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

چوتھی شرط

صداقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالحَافِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا o (احزاب:۳۵)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

چوتھی شرط:

سورۂ احزاب کی اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے دس شرطوں کا بیان فرمایا کہ جو مرد یا عورت ان کو پورا کرے تو ان کے لیے اللہ رب العزت نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان میں سے چوتھی شرط ہے:

﴿ وَالصَّادِقِیْنَ وَالصَّادِقَاتِ ﴾

''سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں''

سچ کے لفظی معنی ہیں ''اصل حقیقت''۔

دین اسلام نے سچ بولنے کی تعلیم دی، چنانچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

''میں مکارم اخلاق کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں''

ان مکارم اخلاق میں سے پہلا ہے ''سچ بولنا'' اور دوسرا ہے ''سچائی کا معاملہ کرنا''۔

سچے لوگ کون؟

دین اسلام کے مطابق سچے لوگ کون ہوتے ہیں؟ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی آیت میں اس بات کو کھولا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ (حجرات: ۱۵)

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ بے شک وہ ایمان والے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اس طرح سے کہ ﴿ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا ﴾ اس پر ان کو ذرا برابر بھی کوئی شک نہ رہا ﴿وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ کے راستے میں اپنے مالوں سے اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ مجاہدہ کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ یہ لوگ سچے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر شک کے ایمان لائے اور جان و مال سے اللہ کے راستے میں مجاہدہ کرے۔ یہ بندہ اپنی بات میں سچا ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مومن سب کچھ ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا''۔ یہ بات ذہن میں رکھیں! جھوٹ کتنا ہی تیز بھاگے سچ بالآخر اس کو جا کر پکڑ لیا کرتا ہے۔

جھوٹ کے مواقع:

دو ایسے موقع ہیں جس پر شریعت نے خلاف واقعہ کوئی بات کر دینے کو بھی درگزر دیا ہے کہ اس کے اوپر ہم پکڑ نہیں کریں گے۔ پہلا موقع یہ کہ اگر میاں بیوی کے درمیان کوئی رنجش ہے اور کوئی آدمی اس رنجش کو دور کرنے کے لیے کوئی ایسی بات کر دیتا ہے جو واقعہ کے خلاف ہے، تو اللہ کو میاں بیوی کا محبت پیار سے رہنا اتنا پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خلاف واقعہ بات پر پکڑ سے بھی معاف فرما دیا، چونکہ یہ مقصود تھا۔

دوسرا یہ کہ اگر دو مسلمانوں کے درمیان بول چال بند ہے تو ان کو منانے کے لیے اگر کوئی عورت ایسی بات کر دیتی ہے جس سے ان میں صلح ہو جائے، شریعت نے اس کو بھی جائز قرار دے دیا۔ ان دو کے علاوہ باقی تمام امور میں انسان بات وہی کرے جو سچی ہو، اس لیے کہ سچ بولنے میں برکت ہوتی ہے۔

سچ میں عزت ہے:

شیطان ذہن میں ڈالتا ہے کہ اس وقت جھوٹ بولنے میں خیر ہے۔ حالانکہ جھوٹ میں ہمیشہ شر ہوتا ہے، جھوٹ میں بے برکتی ہوتی ہے، جھوٹ میں غربت ہوتی ہے، لگتا ہے کہ سچ بولنے سے کام خراب ہو جائے گا، لیکن سچ سے کبھی بھی کام خراب نہیں ہوتا، وقتی شرمندگی اٹھانی پڑ سکتی ہے، مگر بالآخر سچ بولنے سے انسان کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ سچ بولنے سے انسان کو کبھی ذلت نہیں ملتی ہمیشہ اللہ تعالیٰ دوسرے بندے کے دل میں اس کی عزت پیدا کر دیتے ہیں۔ سب

سے بڑی چیز کہ سچ بولنے والے کی عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوتی ہے۔

مستجاب الدعوات کیسے بنیں؟

ایک خاص بات ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ سچے انسان کو مستجاب الدعوات بنا دیتے ہیں۔ جو عورت جھوٹ بولنا سو فیصد چھوڑ دے تو وہ اس درجے کو پہنچ جاتی ہے کہ جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے نکلی ہوئی دعا کو خالی نہیں لوٹایا کرتے۔ چنانچہ ہمارے بزرگوں نے کہا کہ جب انسان کا دل غیر سے خالی ہو، یعنی دل میں کسی غیر کی نفسانی، شیطانی، شہوانی محبت نہ ہو اور پیٹ حرام سے خالی ہو تو ایسے بندے کی زبان سے جب دعا نکلتی ہے اللہ ہمیشہ اس دعا کو قبول کر لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کے لیے دو چیزیں بہت اہم ہیں، ایک رزق حلال اور دوسرا صدق مقال۔ رزق حلال سے مراد حلال روزی اور صدق مقال سے مراد بات کرتے ہوئے سچ بولنا۔

سچ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کو یاد رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ میں نے کس بندے کو کیا بتایا تھا؟ اس لیے کہ سچ جو ہے وہ تو ہمیشہ ایک ہی حقیقت ہوگی۔ جو عورت جھوٹ بولے گی اس کو یاد رکھنا پڑے گا کہ میں نے کس کو کیا کہا تھا؟ وگرنہ تو ایک بات کے بعد دوسری بات سے اس کا جھوٹ کھل جائے گا۔

سچ میں اللہ تعالیٰ کی رضا:

حدیث پاک میں کعب بن مالک ﷺ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں جانا چاہتے تھے مگر نہ جاسکے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام واپس تشریف لائے، جو منافقین رہ گئے تھے انہوں نے بہانے بنا کر جھوٹ بول کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے عذر پیش کر دیے، آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ کعب بن مالک ﷺ نے صاف بات بتا دی کہ

میرے پاس اونٹنیاں بھی دو تھیں، فراغت رزق بھی تھی، بس میں آج کل آج کل کرتا رہا کہ میں پہنچ جاؤں گا، بس سستی ہوگئی۔ تو بظاہر سچ بولنے پر یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے سب لوگوں کو ان سے بات کرنے سے منع کر دیا، ان کو یہ بھی فرمایا کہ تم اپنی بیوی سے بھی بات چیت نہ کرو، ان کے پچاس دن بڑی مشکل سے گزرے لیکن بالآخر اللہ رب العزت نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا اور سچ بولنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے۔

ایک وکیل کی سچ پر استقامت:

ہمارے قریب میں ایک وکیل رہتے ہیں وہ اپنی جوانی میں بہت بولنے والے بندے تھے۔ یونین کے صدر بھی تھے اور ایسے وکیل تھے کہ بحث و مباحثہ کرتے تھے تو حیران کر دیتے تھے، ایک لاکھ روپیہ ان کی ماہانہ آمدنی تھی۔ اللہ والوں کی صحبت ملی تو ان کے دل میں خیال آیا کہ میں نے اپنی آخرت بھی تو بنانی ہے، لہٰذا آج کے بعد میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ وکیل اور جھوٹ بولنے سے توبہ، یہ کتنی عجیب سی بات ہے! لوگ تو وکیل کے بارے میں یہ کہتے ہیں بقول شاعر:

پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا
لو میں بھی اب صاحب اولاد ہوگیا

تو وکیل کو تو ہر قسم کے جھوٹے سچے مقدمے لڑنے پڑتے ہیں، مگر یہ اللہ کا بندہ ایسا تھا کہ اس نے عہد کرلیا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولنا۔ بیوی سے مشورہ کیا تو اس نے بھی کہا کہ میں اس میں آپ کا پورا ساتھ دوں گی اگرچہ مجھے فاقے اٹھانے پڑیں۔ ان کی کچھ زرعی زمین تھی جس سے ان کی دال روٹی چلتی تھی۔ چنانچہ ایک دن دفتر آئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ میں نہ جھوٹ بولوں گا اور نہ جھوٹے کا ساتھ دوں گا۔ اب ان کے پاس کون مقدمہ لائے؟ جب بھی کوئی مقدمہ لاتا تو یہ پوچھتے کہ بتاؤ! تم سچے

ہو یا جھوٹے؟ تو شروع میں تو ہر بندہ کہتا ہے کہ جی میں سچا ہوں، مگر یہ اگلی بات کرتے کہ اگر مقدمے کی پیروی کے دوران مجھے یہ محسوس ہوا کہ تم جھوٹے ہو تو میں تمہاری پیروی چھوڑ دوں گا۔ اب لوگ پیچھے ہٹ جاتے، چنانچہ آہستہ آہستہ ان کے پاس مقدمات آنے ہی بند ہو گئے، یہ سارا دن جاتے اور اپنے چیمبر میں (دفتر میں) خالی بیٹھ کر واپس آ جاتے۔

تھوڑے دنوں کے بعد لوگوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں، کسی نے ملا کہا: کسی نے مولوی کہا، چونکہ داڑھی جو رکھ لی تھی۔ کسی نے کہا کہ یہ مسجد کے مینڈھے بن گئے ہیں، کسی نے کہا کہ وہ تو بسم اللہ کے کوٹھے میں رہنے لگ گئے ہیں، الغرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں، لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے اور یہ اللہ کا بندہ ایسا پکا کہ سارا دن فارغ بیٹھ کر واپس آ جاتا۔ کچھ لوگ کہتے کہ بھئی! اگر جھوٹ نہیں بولنا تو کوئی اور کام کرو! یہ کہتے کہ نہیں، میں نے کرنا بھی وہی کام ہے جو میں نے پڑھا مگر بولنا سچ ہے۔ لوگوں کو یہ دو باتیں ناممکن نظر آتیں۔ ایک سال ان کے پاس کوئی مقدمہ نہ آیا، لوگ آپس میں ہنسی مذاق اڑاتے، محفلوں میں ان کے تذکرے ہوتے، کہتے پتہ نہیں اس کو کس نے مولوی بنا دیا؟ کیا کر دیا؟ اچھا بھلا بندہ تھا، خراب کر دیا۔ یہ عجیب وغریب طعنے سنتے، جو لوگ ان کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکتے تھے، وہ بھی ان کا مذاق اڑاتے، حتیٰ کہ ججوں میں کبھی بات چلتی تو وہ بھی اس کے اوپر ہنستے، مگر یہ بندہ اپنی بات پر پکا رہا۔ ایک سال مجاہدے کا گزرا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت شروع ہو گئی، نیک اور دیندار لوگ، مثلاً کوئی تبلیغی جماعت میں تھے، کوئی مدرسوں میں تھے، کوئی نیک گھرانوں کے تھے، ان کے اوپر بھی تو ناجائز مقدمات بن جاتے ہیں تو ان لوگوں نے بالآخر ان کی طرف آنا شروع کر دیا کہ بھئی! نیک آدمی ہے اور ہم اپنی بات میں سچے ہیں تو اس کے پاس کیوں نہ مقدمہ لے کر جائیں۔ اب جب یہ کسی مقدمے کو

لے کر عدالت میں جاتے تو جج حیران ہو جاتا کہ یہ وکیل مقدمہ لے کر آیا ہے، جب وہ مقدمے کی پیروی سنتا تو اس کو واقعی محسوس ہوتا کہ یہ تو سچا مقدمہ لے کر آیا ہے چنانچہ اس وکیل کے حق میں وہ فیصلہ دے دیتا۔ ایک کا فیصلہ اس کے حق میں، دوسرے کا اس کے حق میں، تیسرے کا اس کے حق میں حتی کہ ججوں کو یہ محسوس ہوا کہ ہمیں تو زیادہ تفتیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں، یہ بندہ جو مقدمہ بھی لاتا ہے سچا ہی لاتا ہے، لہٰذا انہوں نے اس کے حق میں فیصلے دینے شروع کر دیے۔ اب تو جتنے سچے مقدمے والے لوگ تھے ان کی لائن لگ گئی، وہ دوگنی اجرت دینے لگ گئے۔ اللہ کی شان کہ اگلے ایک سال میں یہ ہر مہینے دو لاکھ روپیہ کما کر گھر واپس لاتے۔ جب جھوٹ بولتے تھے تو مہینے کا لاکھ کماتے تھے، اب سچ بولنے کا عہد کیا تو اللہ نے سچ پر ان کے رزق کو دوگنا کر دیا۔ پھر اس پر ایک عجیب بات اور بھی ہوئی کہ حکومت نے ایک پالیسی چلائی کہ جو وکیل تجربہ کار ہوں اور اچھے ہوں ان کو جج بنا دیا جائے گا، چنانچہ ان کا نام سب سے پہلے اس میں شامل کیا گیا۔ اب اللہ کی شان جب جھوٹ بولتے تھے تو زمین پر کھڑے ہو کر جج کو مائی لارڈ کہا کرتے تھے، سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ نے ان کو جج کی کرسی کا عہدہ خود عطا فرما دیا۔ اب یہ کرسی کے اوپر بیٹھ کر لوگوں کے مقدمے کے فیصلے کرتے تھے۔

تو ظاہر میں لگتا ہے کہ انسان جھوٹ بولے گا تو بچ جائے گا، حالانکہ جھوٹ بولنے سے انسان پھنس جاتا ہے۔ جھوٹ سے بے برکتی ہوتی ہے، جھوٹا انسان اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے گر جاتا ہے، اور جو انسان اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں گر جائے اسے کبھی بھی لوگوں میں عزتیں نہیں ملا کرتی۔ لوگ ظاہری طور پر تو اس کے سامنے اس کے ساتھ کی بات کر دیں گے لیکن الگ بیٹھیں گے تو اسے برا ہی کہیں گے، اسے برا ہی سمجھیں گے۔ اور سچ بولنے والے کے منہ پر تو لوگ اسے برا کہہ دیں گے لیکن جب پیچھے ہٹیں گے تو ان کے دل مانیں گے کہ یہ بندہ سچا ہے، یہ اچھا بندہ ہے۔ تو عورت اگر اپنے دل

میں عہد کرلے کہ میں آج کے بعد سچ بولوں گی، غلطی ہوئی تو تسلیم کرلوں گی، نقصان ہوا تو مان لوں گی، بات سچ کروں گی، اس سچ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ خیر کا معاملہ فرمائیں گے۔

سچ میں نجات ہے:

اب ذرا چند حدیثیں سن لیں جس سے آپ کو پتہ چل جائے کہ سچ کتنی بڑی نعمت ہے۔ایک حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ))

''بے شک سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے''

گویا سچ بولنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرما دیتا ہے۔عورتیں عام طور پر جھوٹ کیوں بولتی ہیں؟ وہ سمجھتی ہیں کہ جھوٹ میں نجات ہوگی۔حالانکہ اللہ رب العزت کے پیارے محبوب ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الصِّدْقَ يُنْجِيْ وَالْكِذْبَ يُهْلِكُ

کہ سچ بولنا نجات دیتا ہے۔تو اگر آپ اپنے سسرال میں پھنس گئی ہیں یا آپ کے آگے پیچھے آپ پر چوکیدار، تھانیدار متعین ہوگئے ہیں اور آپ سمجھتی ہیں کہ مجھے ان کی مصیبت سے نکلنے کے لیے جھوٹ بولنا ہے تو یہ غلط ہے۔آپ سچ بولیں گی تو اللہ رب العزت کے پیارے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ اَلصِّدْقُ يُنْجِي "صدق سے نجات مل جاتی ہے"۔تو اللہ تعالیٰ اس سچ کی برکت سے آپ کو ہر مصیبت سے نجات عطا فرمائیں گے۔

اب دوسری حدیث پاک سنیے! نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

وَ الصِّدْقُ شَفِيْعِيْ ''صدق میرا شفیع ہے''

شفیع کہتے ہیں کسی کی شفاعت کرنا، سفارش کرنا، تو گویا جو عورت سچ بولے گی تو سچ اس کی سفارش کرے گا اور دوسرے بندے کے دل میں اس کی محبت ڈالے گا اور اس عورت کو ہر برے موقع سے بچائے گا۔ تو سچ کو اپنا نجات دہندہ بنا لیجیے، سچ کو اپنا شفیع بنا لیجیے، آپ دیکھیں گی کہ اس کے صدقے اللہ تعالیٰ آپ کو عزتوں بھری زندگی عطا فرمائیں گے۔

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ قیامت کا دن وہ دن ہوگا کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لِيَسْئَلَ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ﴾ (احزاب:8)

کہ اس دن اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں پوچھیں گے۔ تو کسی نے دیکھا کہ ہذیل بن عیاض ؓ دھوپ میں کھڑے ہوئے اپنی داڑھی کو پکڑ کر رو رہے ہیں اور یہ آیت پڑھ رہے ہیں کہ لِيَسْئَلَ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! جن کو آپ نے قرآن مجید میں سچا فرمایا، آپ ان کے بارے میں کہتے ہیں، ہم ان سچوں سے قیامت کے دن ان کی سچائی کے بارے میں پوچھیں گے، تو اے اللہ! اس دن ہم جیسے جھوٹوں کا کیا حال ہوگا؟ تو جب سچوں سے سچائی کے بارے میں اس دن پوچھا جائیگا تو پھر جھوٹ بولنے والوں کا کیا حال ہوگا؟ حدیث پاک کا مفہوم ہے، انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے، بولتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اللہ رب العزت فرشتوں کو حکم فرماتے ہیں، جھوٹوں کے دفتر میں اس کا نام لکھ دیا جائے۔ تو ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو ہم سچے بنے رہیں اور اللہ کے دفتر میں جھوٹوں میں اپنا نام لکھوا بیٹھیں، اللہ رب العزت ہمیں سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن ''جھوٹوں پر اللہ کی لعنت''

لعنت کا مفہوم مفسرین نے لکھا کہ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوں۔ تو جھوٹا بندہ اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے، سچا بندہ اللہ کی رحمت کے قریب ہوتا ہے۔ سچ کو اپنا شیوہ بنا لیجیے اور اللہ کی رحمت کے قریب ہو جایئے، دنیا میں بھی عزتیں ملیں گی اور آخرت میں بھی عزتیں ملیں گی۔ لہٰذا آج کی اس محفل سے آپ سچ بولنے کی نیت کر لیں اور سچ کی برکتیں اپنی زندگی میں دیکھیے۔

بچوں کو سچ کی عادت ڈالیں:

اپنے بچوں کے بارے میں جھوٹ سچ کے معاملے میں بہت سختی کیا کریں۔ بچوں کی چند باتیں ہوتی ہیں جو معاف کر دینے کے لائق ہوتی ہیں لیکن سچ اور جھوٹ ایسی بنیادی چیز ہے کہ اس میں بچوں کے ساتھ کوئی Compromise (سمجھوتہ) نہ کیا جائے۔ بچے کو کہیں کہ تیری ہر غلطی معاف ہو سکتی ہے، لیکن اگر تو جھوٹ بولے گا تو تیرا جھوٹ کبھی برداشت نہیں کیا جائے گا، حتیٰ کہ بچے سچ بولنے والے بن جائیں۔ جس بچے کو آپ نے سچ بولنے والا بنا دیا آپ نے اس بچے کی آدھی تربیت آسانی سے کر دی۔ خود بھی سچ بولیں بچوں کو بھی سچ بولنے کی تلقین کریں اور پھر سچ بولنے کی برکتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اللہ رب العزت اس سچ کے بدلے ہمیں جنت نصیب فرمائے اور اپنے سچے بندوں کی فہرست میں شامل فرمائے۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

پانچویں شرط

صبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۳۵)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مغفرت کی پانچویں شرط:

سورۂ احزاب کی اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے دس شرطوں کا بیان فرمایا کہ جو مرد یا عورت ان کو پورا کرے تو ان کے لیے اللہ رب العزت نے مغفرت کا اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا۔ مغفرت کی پانچویں شرط ارشاد فرمائی:

﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ ﴾ (الاحزاب: ۳۵)

''صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں''

تو پانچویں شرط ہے ''صبر''۔ اس کا لفظی مطلب ہے روکنا، تھام لینا۔ جب کسی انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ طبعاً کچھ جزع فزع بھی کرتا ہے، اس کے اعضاو جوارح میں بے قراری آجاتی ہے اور اس کی زبان پر شکوے جاری ہو جاتے ہیں۔ ایسے مشکل حالات میں اپنے آپ کو روک لینا، تھام لینا اور زبان پر شکوہ شکایت کا کوئی لفظ نہ لانا صبر کہلاتا ہے۔

صبر پر بے حساب اجر:

ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ گھر کی زندگی گزارتے ہوئے ایک عورت کو بہت صبر کرنا پڑتا ہے، اور اس صبر کے اوپر اس کو اتنا اجر ملتا ہے کہ جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ (الزمر: ۱۰)

''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا کرتا ہے''

صبر کے تین مواقع:

صبر تین موقعوں پر کیا جاتا ہے:

مصیبت پر صبر:

ایک ہوتا ہے ''مصیبت پر صبر کرنا'' مثلاً: مال ضائع ہو گیا، کوئی قریبی عزیز فوت ہو گیا، چوری ہو گئی، کوئی اور ایسی مصیبت آگئی تو اس کے اوپر انسان زبان سے اللہ کے شکوے بھی نہ کرے اور اعضا سے کوئی ایسی حرکت بھی نہ کرے کہ جس سے یہ محسوس ہو کہ اس کو یہ بات بہت ناگوار گزری ہے تو اس کو صبر کہتے ہیں۔

معصیت پر صبر:

دوسرا ہوتا ہے ''معصیت پر صبر'' کہ نفس گناہ کرنا چاہتا ہے مگر اپنے نفس کو روک لینا صبر کر لینا اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچا لینا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے صبر کیا۔ ہر عورت کو زندگی میں گناہ کے مواقع بہت ملتے ہیں، اگر یہ اپنے آپ کو گناہ کے وقت روک لے، تھام لے، موقع ہونے کے باوجود گناہ سے بچ جائے، تو یہ صبر کرنے والی عورت ہوگی، اس کا اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہوگا۔

اطاعت پر صبر:

اور تیسرا ہوتا ہے ''اطاعت پر صبر'' کہ نیک کاموں کے کرنے کے لیے اپنے نفس پر جبر کرنا، اور تنگی ترشی کو برداشت کر لینا۔ مثال کے طور پر سردیوں کے موسم میں آپ لحاف کی گرمی میں لیٹی ہوئی ہیں، نیند بھی آ رہی ہے، اب ایسے موقع پر فجر کی نماز پڑھنا بڑا مجاہدہ ہوتا ہے، یہ تنگی برداشت کر لینا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کر دینا، اطاعت پر صبر کہلاتا ہے۔

تو تینوں موقعوں پر آپ صبر کا مظاہرہ کریں۔ مصیبت ہو، معصیت سے بچنا ہو، یا اطاعت کا کرنا ہو۔ تو اللہ کی طرف سے بڑے اجر کا وعدہ ہے۔

صبر روشنی ہے:

حدیثِ پاک میں آتا ہے:

وَالصَّبْرُ الضِّيَاءُ ''صبر روشنی ہے''

تو گویا معلوم ہوا کہ بے صبری ظلمت ہے۔ البتہ تکلیف کے موقع پر آنکھوں سے آنسو نکل آئیں تو یہ صبر کے خلاف نہیں ہے چونکہ صبر دل کا عمل ہوتا ہے۔

آنسو آنا صبر کے خلاف نہیں:

نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراهیم علیہ السلام جب فوت ہوئے تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام ان کو ہاتھوں سے دفن فرمارہے تھے اور آنکھوں سے آنسو بھی تھے، تو کسی صحابی نے دیکھ کر بڑی حیرانی کا اظہار کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْقَلْبُ يَحْزَنُ وَالْعَيْنُ تَدْمَعُ وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ

''دل بہت مغموم ہے اور آنکھوں میں سے آنسو نکل رہے ہیں، ابراهیم! ہم تیری جدائی میں بڑے غمزدہ ہیں''

تو آنکھوں سے آنسوؤں کا نکل آنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ زبان سے شکوے کی باتیں نکل آنا صبر کے خلاف ہے۔ مثلاً: کوئی جوان فوت ہوگیا، اب زبان سے یہ کہنا کہ اتنی جوانی میں اللہ نے لے لیا، تو یہ جو لفظ ہم نے کہہ دیے، یہ گویا ہم نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ گھر میں کوئی بیمار ہوگیا، او جی! بیماری تو ہمارے گھر کی جان چھوڑتی ہی نہیں۔ اس قسم کے الفاظ جو ناپسندیدگی کے نکلتے ہیں یہ بے صبری کہلاتی ہے۔ زبان سے خاموش رہیں اور جو حالات بھی اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں ان حالات پر آپ صبر کے ساتھ رہیں تو اس پر آپ کو اجر ملے گا۔

دنیا امتحان گاہ ہے:

یہ دنیا دار الامتحان ہے، امتحان گاہ ہے۔ امتحان میں بچے کو کاغذ پر لکھے ہوئے سوال ملتے ہیں، Question paper (سوالیہ پرچہ) ملتا ہے اور پھر وہ Anser sheet (جوابی کاپی) کے اوپر اس کا جواب لکھتا ہے، پھر استاد دیکھتا ہے کہ کون سا جواب ٹھیک اور کون سا جواب غلط ہے؟ اگر زیادہ جواب ٹھیک ہوں تو اس طالب علم کو

پاس قرار دیا جاتا ہے اور انعام کا مستحق بنتا ہے۔ یہ دنیا بھی دارالامتحان ہے اور یہاں ہر مرد اور عورت کا امتحان ہورہا ہے، مگر یہ کوئی تحریری امتحان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ حالات کو Question (سوال) کی شکل میں بھیجتے ہیں، مثلاً: مصیبت کو بھیج دیا، بیماری کو بھیج دیا، پریشانی کو بھیج دیا، ذلت کو بھیج دیا، یہ جو آنے والے حالات ہیں یہ سوالیہ پرچے کی مانند ہوتے ہیں اور اس کا جواب ہم اپنے عمل کے ذریعے سے لکھتے ہیں، جس طرح اس موقع پر ہم React (ردعمل ظاہر) کرتے ہیں وہی ہمارا جواب ہوتا ہے۔ اگر تو بیماری آئی اور ہم نے برداشت کرلیا، صبر کرلیا، تو ہم نے ٹھیک جواب دیا، اللہ کے ہاں ہمارا جواب صحیح قرار دیا جائے گا، اور اگر ہم نے زبان سے ناشکری اور بے صبری کے لفظ کہہ دیے تو اللہ کے ہاں ہم اس امتحان میں فیل قرار دیے جائیں گے۔ ہم حالات کے آنے پر جیسے اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہیں، اصل میں ہم جوابی کاپی پر اس کا جواب لکھ رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے کسی کو خوشی دے دی تو اس خوشی کے اندر عجب کا کلمہ کہنا، تکبر کا کلمہ کہنا، فخر کرنا، خلاف شرع بات کرنا، یہ گویا ہم نے اس سوال کا جواب غلط لکھ دیا۔ خوشی کے موقع پر ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے تھا اور غم کے موقع پر ہمیں صبر کرنا چاہیے تھا۔ صبر کرنے پر بھی جنت مل جاتی اور شکر کرنے پر بھی جنت مل جاتی۔

الحمدللہ کی لذت:

چنانچہ ایک بزرگ بیمار تھے، ہم ایک مرتبہ ان کی عیادت کے لیے گئے، کافی تکلیف میں تھے، تو جب پوچھا کہ حضرت مزاج کیسے ہیں؟ تو انہوں نے آگے سے الحمدللہ اتنی محبت سے کہا کہ اس الحمد للہ کی لذت آج بھی ہمیں اپنے دل میں محسوس ہوتی ہے۔ یہ ہوتے ہیں صبر کرنے والے کہ بیمار تھے لیکن حال پوچھتے ہی جواب

میں الحمد للہ کہا۔

الحمد للہ کی عادت:

الحمد للہ کا کیا مطلب؟ کہ اللہ نے مجھے جس حال میں بھی رکھا ہے بس میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں۔ اس لیے اگر کوئی بندہ بیمار ہو اور دوسرا بندہ آ کر پوچھے کہ کیسے ہو؟ تو علما نے لکھا ہے کہ پہلے زبان سے کہے کہ الحمد للہ، تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ میں اس حال میں بھی اللہ سے راضی ہوں، پھر بے شک بتا دے کہ مجھے بخار ہو گیا، مجھے گلے میں انفیکشن ہوگئی، مجھے نزلہ زکام ہو گیا، جو بھی تکلیف ہو پھر بتا دے پھر اس کا بتانا بے صبری نہیں کہلائے گا۔

ہمیں یہ آداب آنے چاہییں۔ جب بھی کوئی غم آئے، مثلاً: کسی عورت کا جوانی کی عمر میں خاوند فوت ہوگیا، اب کسی نے اس سے بات کی کہ آپ کا خاوند فوت ہوگیا تو پہلے کہے: الحمد للہ۔ الحمد للہ کا کیا مطلب ہوگا کہ میں اپنے اللہ سے راضی ہوں، جس حال میں بھی اس نے مجھے رکھا ہے۔ کئی مرتبہ عورتیں اپنے گھروں میں ساس سے تنگ ہوتی ہیں، نندوں سے تنگ ہوتی ہیں، ماں پوچھ لیتی ہے کہ بیٹی کیسی ہو؟ تو پہلے کہے: الحمد للہ پھر اگر کوئی حال بتانا چاہے تو بتا دے تو یہ اللہ کا شکوہ نہیں کہلائے گا۔ خاوند نے آ کر پوچھا کہ میں گھر سے باہر تھا، پیچھے تمہارا کیا حال رہا؟ تو پہلے کہو! الحمد للہ کہ جس حال میں بھی میں رہی، میں اپنے اللہ سے راضی ہوں۔ تو اس پر آپ کو صبر کا اجر مل جائے گا۔

صبر کے درجے:

چنانچہ علما نے صبر کے مختلف درجے لکھے ہیں:۔

پہلا درجہ:

ایک درجہ یہ کہ جب انسان کے اوپر کوئی مشکل، کوئی مصیبت آئے تو وہ بتکلف اپنے آپ کو قابو کرے اور اپنے اعضا اور جوارح کو پرسکون رکھے، نہ زبان سے کوئی بات نکالے ، نہ اعضاء سے کوئی ایسی حرکت کرے جو صبر کے خلاف ہے ۔ یعنی اندر بے شک Boiling (ابلنے کی حالت) ہو مگر چہرے کے اوپر Smiling (مسکراہٹ) ہو، یہ صبر کا پہلا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ:

صبر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اس غم کو اپنے محبوب کا عطیہ سمجھے اور عطیہ سمجھ کر اس کو قبول کرلے کہ میرے مالک نے میری طرف یہ حالات بھیجے ہیں، لہٰذا میں ان حالات کو قبول کرتی ہوں، یہ تکلیف ہمارے محبوب کا عطیہ ہے۔

اس لیے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ''اے دوست! اگر تجھے کھانے کے وقت جلی ہوئی سبزی ملے تو کھانے کو نہ دیکھنا بلکہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا کہ اے اللہ! جب آپ نے رزق کو تقسیم کیا تھا تو آپ نے مجھ حقیر کو بھی یاد رکھا تھا''۔ یہ تھوڑی بات ہے کہ ہمارے مالک اور خالق نے ہمیں یاد رکھا، اس نے رزق تو بھیجا نا! بھلے ہمیں جلی ہوئی سبزی مل گئی، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تو جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو یہ صبر کا اونچا درجہ ہے ؎

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ وہ تیری دی ہوئی چیز ہے

ایک دوست فرمایا کرتے تھے کہ ''وہ آدمی اپنے اخلاص میں سچا نہیں

مَنْ لَمْ يَتَلَذَّذْ بِضَرْبِ مَوْلَاهُ

(جو اپنے مولا کی طرف سے چوٹ پڑنے پر لذت نہ پائے)

تو اللہ والے تو اپنے محبوب کی طرف سے بھیجی ہوئی ہر چیز کو تحفہ سمجھتے ہیں، لہٰذا اب ایسے حالات میں بھی اپنے اللہ سے راضی رہیں۔ اے اللہ! میں آپ سے ہر حال میں راضی ہوں، سوائے کفر اور گمراہی کے، یعنی کفر اور گمراہی کے علاوہ ہر حال میں آپ سے راضی ہوں۔ اس لئے کہ اس زندگی میں انسان پر ہر طرح کے حالات آتے ہیں۔ نہ خوشیاں ہمیشہ، نہ غم ہمیشہ، نہ صحت ہمیشہ، نہ بیماری ہمیشہ۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (ال عمران: ۱۴۰)

''ہم یہ دن انسانوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں''

تو یہ صبر کا دوسرا درجہ ہے کہ انسان اپنے مالک کی طرف سے مصیبت بھی پائے تو مصیبت کو اپنے لئے تحفہ سمجھے، ہدیہ سمجھے۔

غم کے حال میں انسان کی ترقی:

ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ غم کے حال میں جس قدر انسان کی ترقی ہوتی ہے اتنی خوشی کے حال میں نہیں ہوتی۔ کہنے والے نے کہا:

سکھ دکھاں تو دیواں وار
دکھاں آن ملائیم یار

میں سکھوں کو دکھوں پر قربان کر دوں کہ دکھوں نے تو مجھے میرے یار سے ملا دیا۔ چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"اَنَا عِنْدَ مُنْكَسِرَةِ الْقُلُوْبِ

کہ مجھے اگر کوئی بندہ ڈھونڈنا چاہے تو مجھے دکھی لوگوں کے دلوں میں ڈھونڈو!

میں ٹوٹے دلوں کے اندر ہوا کرتا ہوں ۔تو جب بھی بندہ کا دل ٹوٹتا ہے تو اگر وہ صبر کر لے تو اسے اللہ کی محبت مل جاتی ہے۔اللہ کی رضا مل جاتی ہے۔

تو چھپا چھپا کر نہ رکھ اسے
تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر
ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

تو جب انسان کا دل کسی بھی مصیبت، غم کی وجہ سے ٹوٹتا ہے نا تو وہ اجر ملنے کا وقت ہوتا ہے۔اس وقت شیطان چاہتا ہے کہ عورت زبان سے بے صبری کے لفظ کہے تا کہ اللہ کی طرف سے انعام سے محروم ہو جائے۔آپ ایسے موقع پر ضبط کر جایا کریں، اس پریشانی کو پی جایا کریں، اس مصیبت کو برداشت کرلیا کریں۔اور اپنے نامہء اعمال کو آپ پہاڑوں برابر اجر سے بھرلیا کریں، آپ کے لیے تو جنت بڑی آسان ہے۔

مصیبت خود مانگی:

اور یہ بھی ایک نکتہ سمجھ لیں کہ کئی مرتبہ مصیبت انسان کی اپنی وجہ سے بھی آتی ہے. مثلاً: گناہوں کی وجہ سے بھی آجاتی ہے یا انسان نے مصیبت خود مانگی ہوئی ہوتی ہے۔ اب یہ عجیب سی بات ہے! آپ بھی حیران ہو رہی ہوں گی کہ مصیبت تو کوئی نہیں مانگتا، مگر ہاں کئی مرتبہ انسان خود مصیبت مانگتا ہے۔اب ذرا اس کی حقیقت کو سمجھیے کہ کیسے مصیبت کو مانگتا ہے؟ آپ نے رو رو کر رمضان المبارک میں دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے قیامت کے دن نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے جھنڈے کے نیچے حاضری کی توفیق عطا فرمانا، ان کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا جام عطا فرمانا، ان کی شفاعت عطا کر دینا

اور اللہ مجھے جنت عطا کر دینا۔آپ کی یہ دعا قبول ہوگئی،آپ نے ہی مانگی تھی اللہ نے دعا قبول کر لی۔لیکن یہ نعمتیں آپ کے اپنے نیک عملوں کی وجہ سے نہیں مل سکتیں،اس لیے کہ عمل اتنے اچھے نہیں مگر دعا اللہ نے قبول کر لی۔اب یہ دعا پوری کیسے ہو؟ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ بندے کے اوپر کوئی بیماری،کوئی مصیبت،کوئی پریشانی بھیج دیتے ہیں اور بندہ جب اس پر صبر کر لیتا ہے،اللہ تعالیٰ صبر کو قبول کر کے اس کے بدلے مانگی ہوئی نعمتیں اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔

ٹینشن اجر کو ضائع کرتی ہے:

تو اس لیے پریشانیوں کے آنے پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے،مطمئن رہا کریں۔خوشی میں بھی مطمئن رہیں اور غم میں بھی مطمئن رہیں زندگی ان سے مل کر بنی ہے یہ روز کا کام ہے،اس کو Easy (آسان) لیا کریں Relax (پرسکون) رہا کریں،ٹینشن میں نہ آیا کریں۔بعض بچیوں کو دیکھا،ذرا سی بات پر فوراً ٹینشن میں آجاتی ہیں۔ٹینشن میں آپ آئیں گی تو اپنا اجر ضائع کر بیٹھیں گی،اس لیے ٹینشن میں آنے کی ضرورت نہیں،پرسکون رہا کریں،آج کے بعد یہ سبق اچھی طرح یاد کر لیں جتنی بھی بُری صورتحال ہو،برے حالات ہوں،بس آپ نے پرسکون رہنا ہے اور پر سکون رہنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر بھی ملے گا۔

صبر پر بھی جنت،شکر پر بھی جنت:

اچھا ایک نکتہ اور ذرا سمجھ لیں انسان کو نعمتیں بھی اللہ کی طرف سے ملتی ہیں اور مشکلات بھی اللہ کی طرف سے آتی ہیں اور یہ مقدر میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں،اب یہ جو مقدر میں لکھی ہوئی ہیں،آپ ان نعمتوں کو نہ مانگیں تو بھی مل کر رہیں گی،مصیبتوں سے

نفرت کریں تو بھی مصیبتیں آ کر رہیں گی۔ جب خوشی نے آنا ہے اور غم نے بھی آنا ہے کہ مقدر میں لکھا ہوا ہے تو آپ کو پھر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پرسکون رہیں، جو خوشی مقدر میں لکھی ہے اس خوشی کو بھی آنے دیں اور جو مصیبت مقدر میں لکھی ہے اس کو بھی آنے دیں، جب خوشی آجائے تو اللہ کا شکر ادا کریں اور مصیبت آجائے تو اس پر صبر کر لیں۔ شکر کرنے پر بھی جنتی بن جائیں گی اور صبر کرنے پر بھی جنتی بن جائیں گی۔

بے صبری سے نعمت کی ناقدری ہوتی ہے:

بعض اوقات تو چھوٹی چھوٹی بات پر بحث مباحثہ چھیڑ کر بات کا تبنگڑ بنالیتی ہیں۔ چنانچہ بعض جوان بچیوں کی جب شادی ہوتی ہے، ان کو سمجھ ہی نہیں ہوتی کہ ہم نے کس طرح صبر وتحمل سے زندگی گزارنی ہے۔ خاوند گھر آیا اور گھر آ کر اس کا کوئی کام تھا، اس نے پہلے وہ کرنا شروع کر دیا، اب اس بات پر بحث: آپ گھر آئے تھے، آپ نے پہلے مجھے کیوں نہیں ٹائم دیا؟ بھئی! ٹائم مانگنے کا طریقہ ہوتا ہے، محبت سے ، پیار سے مانگیں، بحث مباحثہ سے بات تھوڑا چلے گی؟ اور بعض اوقات بحث دو دو گھنٹے کرتی رہیں گی اور Orguments (دلائل) چلتے رہیں گے اور عورت یہ سمجھتی ہے کہ میں جو دلیلیں دے رہی ہوں تو ٹھیک کر رہی ہوں، حالانکہ یہ حجت بازی عورت کی شادی شدہ زندگی کے لئے زہر کی مانند ہے۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ یہ بحث مباحثہ کرے اور غصے میں اس کا خاوند اس کو طلاق دے اور اس کے بعد یہ ماری ماری در بدر کے دھکے کھاتی پھرے۔ جب نعمت ہوتی ہے تو قدر نہیں کرتی، جب نعمت چھن جاتی ہے تو تب اس کی قدر آتی ہے۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اے دوست! نعمت کی قدردانی کے لیے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار مت کرو، اس لیے دیکھا گیا جب

زندگی میں عورت سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تو ایسے حال بیان کرتی ہے کہ اس سے زیادہ دکھوں کی ماری تو اور کوئی عورت دنیا میں ہے ہی نہیں۔ خاوند وقت پر نہیں آتا، توجہ نہیں دیتا ،خرچہ نہیں دیتا ،بے پرواہ ،لاپرواہ اور کاموں میں ہے، سارے جہان کے نقائص اس کو خاوند میں نظر آرہے ہوتے ہیں اور اسی خاوند کا جب ایکسیڈنٹ ہوتا ہے، یا وہ مرجاتا ہے تو موٹے موٹے آنسو گرار ہی ہوتی ہے، اب پوچھو کہ بھئی رو کیوں رہی ہو؟ تمہاری تو جان چھٹی، کہتی ہے: نہیں، میرے بچوں کا باپ تھا، مجھے سایہ دیا ہوا تھا، میری عزت کی زندگی تھی، پریشانی تو کوئی نہیں تھی، چلو آتا تو دیر سے تھا، مگر گھر تو آجاتا تھا، اب تو میرا گھر خالی ہو گیا، اب اسکی قدر آئی۔ اب قدر کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لیے نعمت کی موجودگی میں نعمت کی قدر کرنا سیکھیں۔

صبر کا تیسرا درجہ:

صبر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان مصیبت سے خوش ہو جائے، انسان مصیبت پر راضی ہو جائے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھیجا، ٹھیک بھیجا ہے۔ یعنی اس کا دل بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے، یہ صبر کا اور اونچا درجہ ہے۔

''جدھر مولیٰ ادھر شاہ دولا'':

چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک بزرگ گزرے ہیں شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ، جس گاؤں میں تھے اس گاؤں کے قریب ایک بند بنا ہوا تھا، جو سیلاب کو روکنے کے لیے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک مرتبہ پانی کا سیلاب آ گیا، اتنا زیادہ پانی تھا کہ لوگوں کو ڈر تھا کہ بند ٹوٹ جائے گا اور پورا گاؤں اس میں ڈوب جائے گا، تو بہت زیادہ

نقصان ہوگا، چنانچہ لوگ ان کے پاس آئے کہ جی دعا کریں کہ سیلاب پیچھے ہٹ جائے۔ انہوں نے کدال اٹھائی اور اس بند کے اوپر آئے، اس بند کو کھودنا شروع کر دیا، لوگوں نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ تو جواب میں کہنے لگے: ''جدھر مولیٰ ادھر شاہ دولہ'' ۔اگر میرے مولیٰ کو یہی پسند ہے کہ سیلاب آئے، تو میں خود بند کو توڑتا ہوں۔ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اسی وقت سیلاب ہٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے گاؤں کو سیلاب سے نجات دے دی۔تو یہ صبر کا بہترین درجہ کہ انسان مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی سائیڈ لے، اللہ کا مخالف نہ بنے، سوچے کہ میرے رب نے جو حالات بھیجے ہیں ٹھیک بھیجے ہیں۔

صبر کا چوتھا درجہ:

اور ایک اس سے بھی اوپر کا درجہ ہے، وہ یہ کہ مصیبت میں بھی انسان لذت پائے، مصیبت آئے اور انسان اس کو Enjoy کرے (لطف لے)، دیکھنے میں وہ مصیبت ہے لیکن جب دل میں بندہ اللہ سے راضی ہوتا ہے تو پھر بندہ اس سے مزہ لے رہا ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ اگر کسی سے بہت محبت ہو تو وہ تنگ بھی کرے تو بندہ تنگ نہیں ہوتا بلکہ اس کو Enjoy کرتا (لطف لیتا) ہے۔ بالکل یہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا وہ درجہ مل جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی غم، پریشانی آئے تو بندہ اس کو بھی Enjoy کرے، اس سے بھی لذت پائے۔ایسے لوگ پھر غم کے انتظار میں ہوتے ہیں۔

بیماری میں خوشی:

چنانچہ عمران بن حصین ؓ ایک صحابی تھے وہ بیمار ہوئے تو بڑے خوش تھے تو کسی

نے پوچھا کہ آپ بیمار ہیں مگر اس بیماری میں اتنے خوش ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ تو فرمانے لگے کہ تمہیں کیا پتہ کہ اس بیماری کی حالت میں میرے اللہ نے مجھ پر اتنا کرم کیا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آکر مجھے سلام کہے، فرشتوں کے سلام آئے۔

اللہ تعالیٰ کی عیادت:

اور سیدنا ایوب علیہ السلام کا واقعہ تو بڑا مشہور ہے کہ بیماری ہوئی پھر اللہ نے صحت عطا فرمادی، جب صحت ہوئی تو کسی نے پوچھا کہ بتائیں! صحت کی حالت بہتر تھی یا بیماری کی حالت بہتر تھی؟ فرمانے لگے: صحت تو مل گئی، میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، مگر بیماری مجھے اب بھی یاد آتی ہے۔ اس نے پوچھا کہ بیماری کیوں یاد آتی ہے؟ فرمانے لگے: جب میں بیمار تھا، صبح کے وقت اللہ تعالیٰ میری عیادت فرماتے تھے، ایوب! تیرا کیا حال ہے؟ مجھے اتنی لذت ملتی تھی! شام تک مجھے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا تھا، شام کو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عیادت ہوتی تھی، پوری رات مجھے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ تو یہ وہ مقام ہے کہ جہاں دکھ درد میں بھی بندہ لذت پاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہ دکھ مجھے میرے رب اور محبوب سے قریب تر کرنے کے لیے آیا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی صبر کا سب سے اعلیٰ مقام عطا فرمادیں۔

صبر کا پانچواں درجہ:

ایک صبر کا پانچواں اور آخری درجہ ہے، اس کو تفویض کہتے ہیں۔ تفویض کا مطلب ہوتا ہے، اپنے آپ کو سپرد کردینا، یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ (المؤمن: ۴۴)

''میں اپنے امور کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں''

اللہ مجھے جس حال میں رکھے میں اللہ سے راضی ، نہ اپنی مرضی سے میں خوشی مانگتا ہوں، نہ اپنی مرضی سے غم مانگتا ہوں، میں اللہ کی رضا کے اوپر راضی ۔ جو سمجھدار خواتین ہوتی ہیں، وہ زندگی کے ان اونچ نیچ کے لمحات میں صبر کے ساتھ اللہ کے ہاں اپنا مقام بڑھالیا کرتی ہیں۔

ایک صحابیہ کے صبر کی انتہا:

احادیث میں ایک واقعہ آتا ہے جو بڑا عجیب ہے،صحابیات کے صبر کی یہ انتہا تھی ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں،ان کے خاوند حضرت طلحہ ؓ کسی سفر پر گئے ہوئے تھے، پتہ چلا فلاں دن آئیں گے۔ انہوں نے گھر صاف کیا، خود نہائیں دھوئیں، کپڑے بدلے، اپنے خاوند کے لیے تیار ہوئیں۔ خاوند کے آنے میں تھوڑی دیر تھی کہ بیٹا فوت ہوگیا۔ انہوں نے قریب کے رشتہ داروں کو منع کر دیا کہ میرے خاوند سے کوئی بات نہ کرے۔ انہوں نے بچے کو نہلایا اور اس کے اوپر چادر ڈال کر اس کو لٹا دیا، جب خاوند آئے ، رات کا وقت تھا، خاوند کا استقبال کیا، ان کو کھانا دیا، خاوند نے پوچھا بھی کہ بیٹے کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بڑا پرسکون ہے، یعنی ذومعنی لفظ بولا تو خاوند سمجھے کہ وہ سو گیا ہے، چلو صبح ملوں گا۔رات کا وقت تھا، میاں بیوی دونوں آپس میں اکٹھے ہوئے ، رات اکٹھے گزاری۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب خاوند اپنی ضرورت بھی پوری کر چکا اور مطمئن بھی ہے اور صبح کا وقت ہونے والا ہے تو اس وقت انہوں نے ان سے کہا کہ مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے؟ کون سی بات ؟ اگر کوئی کسی کو خوشی خوشی امانت دے، اور کچھ عرصے بعد واپس مانگے تو کیا امانت واپس کرنی چاہیے؟ تو خاوند نے کہا، جی ہاں ، بالکل ، جیسے خوشی خوشی

اس نے دی تھی ایسے ہی خوشی خوشی واپس کر دینی چاہیے۔تو اس کے بعد یہ کہنے لگیں کہ اچھا اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹے والی نعمت، امانت عطا فرمائی تھی، اب اس نے وہ امانت ہم سے واپس لے لی، ہمارا بیٹا فوت ہو چکا ہے اب آپ اللہ کی رضا پر راضی رہیے اور خوشی خوشی اس بیٹے کو جا کر فجر کے بعد دفن کر آئیے۔ابو طلحہ ؓ کہتے ہیں کہ میں حیران رہ گیا، میری خوشی کی خاطر میری بیوی نے صبر کی انتہا کر دی۔ چنانچہ انہوں نے فجر کی نماز پڑھ کر نبی اکرم ﷺ کو یہ واقعہ سنایا، نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دعا دی تو اللہ رب العزت نے میاں بیوی کی اس رات کی ملاقات میں برکت ڈال دی، ان کو حمل ٹھہر گیا اور اللہ نے ان کو پھر ایک اور بیٹا عطا فرما دیا۔ دوسری بات نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمائی کہ امِ سلیم رضی اللہ عنہا میری امت کی صابرہ ہے، جیسے بنی اسرائیل کے اندر صابرہ عورتیں گزری ہیں۔

خاوند کی خوشی کے لیے مسکرائیں:

آج کوئی عورت ہے جو اپنے خاوند کی خاطر ایسی قربانی دے، ہم تو ذرا سی بات نہیں برداشت کر سکتیں۔خاوند کو خوش رکھنا، اللہ تعالیٰ کو انتہائی پسندیدہ ہے۔صحابیہ کا یہ عمل کیا ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں؟ ہمیں تو غصہ آتا ہے اور خاوند کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ دکھاتی ہیں، مسکرانا تو مشکل معلوم ہوتا ہے۔تو چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں تو خاوند کی خوشی کی خاطر پھر آپ مسکرائیں، پاس بیٹھیں، صاف ستھری رہیں، خاوند کو محبت دیں، اس طرح رہیں کہ خاوند کا جی چاہے کہ میں جلدی بزنس اور کام سے جان چھڑاؤں اور اپنی بیوی کے پاس پہنچ جاؤں۔ ایسے نہ ہو کہ خاوند کو اتنا تنگ کر کے بھیجیں کہ خاوند جاتے ہوئے کہے کہ شکر ہے گھر سے نکلا، اب میں واپس اس گھر میں نہ ہی آؤں تو اچھا ہے۔تو آپ مختلف حالات میں اگر

صبر کے ساتھ رہیں گی تو اللہ رب العزت کی طرف سے اجر ملے گا۔

عورت کا صبر قدم بقدم

اور میں نے دیکھا ہے کہ عورت کی زندگی میں تو قدم قدم پر صبر ہے۔ چلیں ذرا غور کریں......

والدین کے گھر میں صبر:

اگر یہ بیٹی ہے، کنواری ہے تو اس وقت صبر۔ مثلاً: ماں باپ کئی مرتبہ بلا وجہ ڈانٹ دیتے ہیں تو بلا وجہ ڈانٹ سن کر خاموش ہو جانا، یہ بھی صبر ہے۔ کئی مرتبہ بھائی چھیڑتے ہیں، تنگ کرتے ہیں، بدتمیزی کرتے ہیں، تو بھائیوں کو بد دعائیں دینے کی بجائے صبر کر لینا، ان سے جھگڑا کرنے کی بجائے خاموش ہو جانا، یہ بھی صبر ہے۔ کئی مرتبہ استانی کے پاس پڑھنا پڑتا ہے، تو استانی ذرا سی غلطی پر ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہے، ذلیل کرتی ہے، اس پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ کئی مرتبہ کنواری جوان العمر لڑکی ہے، تو غیر محرم جو شیطان کے ایجنٹ ہوتے ہیں، بھلے وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا کوئی اور ہوں، تو وہ اپنے گناہوں کے جال پھینکتے ہیں جیسے مچھلی کو قابو کرنے کے لیے جال پھینکا جاتا ہے، تو اس جال کے سامنے اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور اس سے نہ ٹیلیفون پر بات کرنا، نہ اس کے سامنے بے پردہ آنا، نہ اس کو کوئی بات کرنے کی جرأت دینا، اپنے نفس کو تھامے رکھنا، یہ بھی صبر ہے۔ ایک طرف گھر سے ڈانٹیں پڑ رہی ہوتی ہیں اور دوسری طرف غیر محرم تعریفوں کے پل باندھ رہا ہوتا ہے تو نفس چاہتا ہے کہ بس اسی بندے کی بات مانو! اس سے بہتر دنیا میں میرا خیر خواہ کوئی نہیں ہے۔ یہ شیطان کا پھندہ ہوتا ہے، نیک بچیاں ایسے مردوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہیں اور کبھی بھی ان کو

بات کرنے کی جرأت نہیں دیتیں، اپنے آپ کو بچا کر رکھتی ہیں اس پر بھی انہیں صبر کا ثواب ملتا ہے۔

شادی کے بعد صبر:

اگر اس بچی کی شادی ہوگئی تو بحیثیت بیوی صبر کرنا پڑتا ہے، مثلاً: کئی مرتبہ خاوند کی بے رخی، خاوند کی بے وجہ کی ڈانٹ، خواہ مخواہ کا غصہ، کام بھی کرو، خاوند ایک لفظ تعریف کا نہیں کہتا، خاوند کو کہو کہ فلاں چیز کی ضرورت ہے، کئی کئی دن وہ پوری نہیں کرتا، تو دیکھو کہ کتنے مواقع ہیں کہ جس پر بیچاری کو صبر کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر بہو کی حیثیت سے دیکھو تو ساس کے طعنے ہوتے ہیں اور نند کے عجیب وغریب کمنٹس (تبصرے) ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی بے جا روک ٹوک ہوتی ہے، پابندیاں ہوتی ہیں اور کئی مرتبہ تو الزامات ہوتے ہیں: تو نے ہمارے بیٹے کو بگاڑ دیا، تو نے یہ کر دیا، حالانکہ بیٹا پہلے سے بگڑا ہوا تھا اور ساس اس کے سر پر بوجھ ڈالتی ہے۔ اور کئی مرتبہ ذرا سی بات پر ناراض ہو کر بہو کو گھر بھیج دیتی ہے۔ ان تمام مصیبتوں پر اس بچی کو صبر کرنا پڑتا ہے۔

ماں کی حیثیت سے صبر:

اور اگر یہ ماں بن گئی تو پھر اس کو کتنا صبر کرنا پڑتا ہے! مثال کے طور پر: جب حاملہ ہوتی ہے تو نو مہینے اس کو بیماری کی حالت میں گزارنے پڑتے ہیں، اس تکلیف پر اس کو صبر کرنا پڑتا ہے، پھر بچے کی ولادت ایک اور مشکل مرحلہ ہے، اتنی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور اس پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ پھر بچے کو پالنا، چوبیس گھنٹے اس کی خدمت کرنا، نہ اپنی مرضی سے کھانا، نہ اپنی مرضی سے پینا، نہ اپنی مرضی سے سونا، اب یہ دو چار سال

کی جوڈیوٹی لگ گئی، اس تکلیف اٹھانے پر بھی بیچاری کو صبر کرنا پڑتا ہے۔ پھر اور آگے دیکھیں کہ اگر اولاد پڑھتی نہیں، ماں کی کوشش کے باوجود نیک نہیں بنتی، اس پر ماں کو صبر کرنا پڑتا ہے۔

اور پھر دیکھیں کہ اولاد اگر جوان ہوگئی تو ان کی شادیاں کیں، اب بیٹی اپنے گھر میں سیٹ نہیں اور بیٹا اپنے گھر میں سیٹ نہیں تو ان بچوں کی ناخوشی پر اس کو صبر کرنا پڑتا ہے۔ عورت کی زندگی میں بحیثیت ماں، اس سے بڑا صبر کوئی نہیں کہ اس کی اولاد نالائق اور نافرمان بن جائے، ماں کا اتنا دل دکھتا ہے جب اولاد نافرمان ہوتی ہے، وہ کسی کو کہہ بھی نہیں سکتی، شکوے کرے تو کس کے کرے؟ خود پیدا کیا، اپنی اولاد ہے، کس کو جا کر کہے؟ آپ اندازہ کیجیے کہ بی بی مریم ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہیں، ان کی ماں اس وقت سے دعائیں مانگ رہی ہیں کہ

﴿ رَبِّ اِنِّی نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ﴾

''اے اللہ! میں نے اپنے پیٹ میں جو اولاد ہے اس کو آپ کے دین کیلیے وقف کردیا، اسکو میری طرف سے قبول کرلے''

جب ماں اس وقت سے اولاد کے لیے دعائیں مانگتی ہے اور وہ اولاد پیدا ہوا اور پھر جوان ہوکر نافرمان بن جائے تو جتنا دکھ اس ماں کے دل کو پہنچتا ہے اتنا دکھ کسی کو نہیں پہنچتا، اس پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ اللہ سے دعائیں کرنی پڑتی ہیں، میرے مولی! اولاد دل دکھا رہی ہے، اولاد سینے پر مونگ دل رہی ہے، میرے مولی! اولاد کے دکھوں سے بچالینا، اولاد کی پریشانیوں سے بچالینا، اللہ! اولاد کو نیک بنادینا۔ ایسی ماں جب دکھ اٹھا کر پھر دعائیں دیتی ہے، اللہ تعالیٰ پھر بچوں کی زندگی کو بدل دیا کرتے ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ عورت ساری زندگی کے اس صبر کی نعمت کی وجہ سے

اپنے آپ کو جنت کی مستحق بنالیتی ہے۔خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جو صبر کی زندگی گزارتی ہیں اور اللہ کی مقبول بندیاں بن جاتی ہیں۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چھٹی شرط

خشوع

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفیٰ وَسَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفیٰ اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالحَافِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا o﴾ (احزاب: ۳۵)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مغفرت کی چھٹی شرط:

بائیسویں پارے کی دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے جس میں اللہ رب العزت نے مومن مردوں اور عورتوں کو دس شرائط کے اوپر جنت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان میں سے چھٹی شرط ہے

﴿ وَالْخَاشِعِیْنَ وَالْخَاشِعَاتِ ﴾

''خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں''

اس کا مفسرین نے ترجمہ کیا ہے عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔

خشوع کا مطلب

لغت میں خشوع کے معنی سکون، تواضع، خوف اور تذلل کے ہیں۔ محقق علماء نے خشوع کی تعریفیں مختلف الفاظ میں بیان کی ہیں بعض نے کہا:

اَلْخُشُوْعُ التَّذَلُّلُ مَعَ خَوْفٍ وَ سُکُوْنٍ لِلْجَوَارِحِ

خشوع انتہائے تذلل، خوف اور اعضاء کے سکون کو کہتے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''دل کا خشوع اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور نگاہ کو نیچا رکھنا ہے۔''

مجاہد کہتے ہیں

انه ههنا غض البصر و خفض الجناح

''خشوع آنکھیں نیچی کر کے عاجزی سے جھکنے کو کہتے ہیں''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ترك الالتفات خشوع ''ہر طرف سے توجہ کا ہٹانا خشوع ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''خشوع کرنے والے وہ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور نماز میں سکون کرنے والے ہیں۔''

خشیت خشوع پیدا کرتی ہے:

خشوع کا صحیح معنی یہ بنا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈر کر گناہوں کو چھوڑنے

والے مرد اور چھوڑنے والی عورتیں، اس لیے بعض مفسرین نے خشوع کا لفظی ترجمہ خوف بھی کر دیا ہے۔ یعنی اللہ رب العزت کی عظمت اور جلال کی وجہ سے انسان کے دل کا ہیبت زدہ ہو جانا اور اس کا گناہوں سے ہٹ جانا، حکمِ خدا کو توڑنے سے ہٹ جانا اس کو خشوع کہتے ہیں اور یہ شان فقط اللہ رب العزت ہی کی ہے کہ انسان اس سے اس طرح ڈرے۔

حزن اور خوف میں فرق:

دو الفاظ ہیں حزن اور خوف ۔ خوف کہتے ہیں ڈر کو۔ ڈر دو طرح کا ہوتا ہے، اندرونی اور بیرونی ۔ اندر کے ڈر کو حزن کہتے ہیں اور باہر کے ڈر کو خوف کہتے ہیں ۔ جب بھی کسی بیرونی عنصر کا ڈر ہوگا تو اسے خوف کہیں گے ۔ اور جب اندر کا کوئی غم، روگ یا کوئی مسئلہ ہوگا تو اسے حزن کہیں گے ۔ اسی لیے جنتی جب تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے تو ان کے دل میں فکر ہوگی کہ پتہ نہیں بنے گا کیا؟ اور داخل ہوتے ہی کہیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحُزْنَ

جب وہ حزن چلا جائے گا دل کا غم چلا جائے گا تو سکون ہو جائے گا۔خوف عام طور پر سزا اور عذاب کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

......خوف سانپ سے، کہ ڈس نہ لے۔

......خوف چور سے، کہ مال نہ ہم سے چھین لے۔

......خوف قاتل سے، کہ ہمیں قتل نہ کر دے۔

تو بیرونی جتنے بھی عناصر ہیں ان سے جب تکلیف پہنچنے کا ڈر ہوتا ہے تو اس کو ڈر کہتے ہیں ۔ مومن کو اللہ تعالیٰ سے بھی خوف آتا ہے، اس لیے کہ وہ خالق ہے اور ہم

مخلوق ہیں اور وہ آقا ہے ہم اس کے بندے ہیں اس کے باوجود ہم کوتاہیاں کرتے ہیں، من مانیاں کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اظہار تاسف:

اللہ تعالیٰ نے من مانیاں کرنے والوں سے انتقام لینے کا حکم دیا ہے۔

﴿ فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ (الاعراف:۵۵)

جیسے بندہ کہتا ہے کہ تو نے مجھے بڑا مایوس کیا ہے مجھے تجھ سے توقع نہیں تھی۔ جب بندے اپنے اللہ تعالیٰ کی توقعات پر پورا نہیں اترتے تو اس کے لیے ''اسفونا'' کا لفظ استعمال کیا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴾ (حم سجدہ:۲۲)

''ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔''

تو یہ جو کوتاہیوں پر، غفلتوں پر اور گناہوں پر عذاب ہونے کا ڈر ہے، اس کو خوف کہتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھیے۔ جیسے بچے سے کوئی قیمتی برتن ٹوٹ جائے تو وہ کمرے میں چھپ کر بیٹھا ہوتا ہے، مگر اس کو ڈر بھی ہوتا ہے کہ امی کو پتہ چلے گا تو مجھے تھپڑ لگیں گے اور ابو کو پتہ چلے گا تو جوتے لگیں گے، تو اس کے دل میں خوف ہوتا ہے۔ وہ ڈر رہا ہوتا ہے اور ڈر کی سمت میں کیا چیز غالب ہوتی ہے؟ سزا کا عنصر غالب ہوتا ہے کہ مجھے سزا ملے گی اسی لیے اس کو خوف کہتے ہیں۔ جب کسی بندے کو اپنے گناہوں کی بنا پر اللہ کے سامنے پیش ہونے سے ڈر لگے تو اس کو خوف کہتے ہیں۔

دوگنے اجر کا وعدہ:

دل میں اللہ کا خوف ہونا بھی عبادت ہے اور اس پر ڈبل اجر ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ (الرحمٰن:۴۶)

''جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔''

سبحان اللہ دو، دو جنتیں ملیں گی۔ آج دنیا، گھر میں دو گھر بناتی ہے، ایک اہلِ خانہ کے لیے اور ایک مہمان خانہ۔ تو خانے دو ہوئے۔ اہلِ خانہ کے لیے اور پھر مہمان کے لیے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں اتنا بڑا گھر دیں گے کہ ایک ہوگا گھر اس کے اہلِ خانہ کے لیے اور دوسرا اس کے مہمانوں کے لیے۔ یہ نہیں ہوگا کہ پہلے اس محلے میں رہے گا اور پھر دوسرے محلے میں جا کر رہے گا۔ دو گھر ملیں گے۔

خوف ایک طبعی چیز ہے:

یہ خوف ایک طبعی چیز ہے۔ یہ نیکوں کو بھی ہوتا ہے اور بروں کو بھی ہوتا ہے اور یہ مقامِ ولایت اور مقامِ نبوی کے منافی بھی نہیں ہے۔ طبعاً خوف آتا ہے انسان کو بعض مواقع پر سنیے قرآن عظیم الشان۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے ہیں تو آگے بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا۔ اس کی لڑائی ہو رہی تھی دوسرے بندے کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ وہ اپنے بندے کو چھڑوائیں کیونکہ دوسرا اس کے ساتھ زیادتی کر رہا تھا، زیادہ مار رہا تھا۔ اب اس کو روکنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اس کو ایک پنچ لگایا وہ ٹیکنیکل ناک آؤٹ ہوگیا۔ چنانچہ وہ گرا اور مر گیا۔ اللہ تیری شان! اللہ تعالیٰ نے اتنی قوت دی تھی کہ ایک مکے سے بندہ ہی مر گیا۔ دوسرا بندہ جوان کا اپنا تھا کھسک گیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان! جب کچھ عرصے کے بعد ایک بار پھر گزر رہے تھے، وہی ان کی قوم کا بندہ کسی دوسرے بندے سے لڑ رہا تھا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ میں پھر اس کو چھڑاؤں، یہ ہے ہی بیچارا مار کھانے والا۔ کبھی کسی سے مار کھا رہا ہوتا ہے، کبھی کسی سے۔ جب آپ علیہ السلام

آگے بڑھے کہ میں اس کو بچاؤں تو اس کو مس انڈرسٹینڈنگ (غلط فہمی) ہوئی وہ سمجھا کہ آج موسیٰ علیہ السلام کا مکا مجھے پڑے گا۔ تو جیسے ہی اس کو محسوس ہوا تو پہلے ہی کہنے لگا: اے موسیٰ علیہ السلام! کل بھی آپ نے بندے کو مار دیا تھا آج مجھے نہ مارنا۔ راز کھل گیا۔ بات اڑتے اڑتے فرعون تک جا پہنچی۔ فرعون نے فوراً امراء کو بلایا اور کہا کہ دیکھو! اب ہمیں موقع ملا ہے۔ پہلے تو کوئی ایسا بہانہ نہیں مل رہا تھا، اب تو انہوں نے ایک بندے کو مارا ہے، لہٰذا قتل کا مقدمہ چلاؤ، پھانسی دو اور جان چھڑاؤ۔ وہ آپس میں مشورہ کرنے لگ گئے۔ قدسی روحیں ہر جگہ ہوتی ہیں۔ ایک نیک آدمی وہاں تھا، اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عقیدت تھی۔ چنانچہ جیسے ہی مجلس ختم ہوئی اس نے آکر بتایا۔

﴿ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ ﴾

''یہ جو امراء ہیں نا یہ آپ کو قتل کرنے کا پلان بنا رہے ہیں''

میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ اب کیا؟

﴿فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ (القصص:۲۰)

''آپ یہاں سے چلے جائیں میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔''

میرا مشورہ تو یہی ہے کہ آپ چلے جائیں۔ اب جب اس نے کہا تو

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر سے جلدی سے نکلے اور پیچھے مڑ کر دیکھتے تھے کہ کہیں کوئی پولیس والا تو نہیں آ رہا۔ حالانکہ وقت کے نبی ہیں لیکن دل میں ایک خوف تھا۔ تو معلوم ہوا کہ خوف طبعی چیز ہے۔ نبی انسان ہیں اور انسان پر خوف ہوتا ہے۔ مادی طور پر بھی یہ چیز ہے اور یہ مقامِ ولایت اور مقامِ نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ خوف طبعی چیز ہے اور ساتھ وہ دعا بھی مانگ رہے تھے۔

﴿ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (القصص:۲۱)

''یا اللہ! مجھے ظالمین کی قوم سے نجات دیجیے''

اللہ تعالی نے ان کو مدین کے راستے پر ڈال دیا وہ ایک بستی میں جا پہنچے جسے مدین کہتے تھے۔ وہاں شعیب علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، وہ آنکھوں سے نابینا ہو گئے تھے، بوڑھے ہو گئے تھے۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں جو بکریاں چراتی تھیں، وہاں انہوں نے آرام کرنے کا سوچا، ساتھ ان کو ایک کنواں ملا جہاں لوگ پانی پلا کر چلے گئے تھے۔ اور فقط دو لڑکیاں تھیں جو اپنی بکریوں کو بچا کھچا پانی پلا رہی تھیں۔ حضرت موسی علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا تو ان کی طرف آئے اور کہا کہ تم کیوں اس کو صحیح طریقے سے پانی نہیں پلاتیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ قوم کنویں سے پانی نکالتی ہے اور جب فارغ ہو جاتی ہے تو کنویں کے اوپر چٹان رکھ کر چلی جاتی ہے۔ ہمارے باپ بوڑھے ہیں اور ہم بچیاں ہیں، ہم اٹھا نہیں سکتیں تو جو بچا کھچا پانی ہے بس وہ پلاتی ہیں۔ حضرت موسی علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس قوم میں بھی اونچ نیچ ہے۔ جدھر سے آیا ہوں ادھر بھی اونچ نیچ ہے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں بکریوں کو پانی پلا دیتا ہوں۔

اکیلے تھے چٹان کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور پانی پلا دیا اللہ کی شان! بچیاں بھی حیران تھیں کہ اتنی قوت اللہ نے دی۔ اور وہ بچیاں گھر گئیں ان میں سے ایک نے والد کو پوری کارگزاری سنائی کہ اس اس طرح آج ہماری بکریوں کو خدا کے بندے نے پانی پلا دیا اور ساتھ انہوں نے یہ بھی مشورہ دیا کہ ابا جان آپ نے کسی نہ کسی کام کرنے والے کو تو رکھنا ہی ہے، اس کو آپ اپنے پاس رکھ لیں۔

﴿ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴾

''اچھا مزدور کام کرنے والا وہی ہوتا ہے جو طاقت والا بھی ہو اور امین بھی ہو۔''

تو طاقت وہ دیکھ چکی تھی پتھر اٹھانے سے۔ اور امین کو دیکھ چکی تھیں کہ حضرت موسی علیہ السلام کی نگاہیں ان کے چہروں پر اٹھی ہی نہیں تھیں۔

کہتے ہیں چند بندوں کی فراست دنیا میں انوکھی تھی ۔ایک فراست حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا اور ان کی شخصیت میں نبوت کے ہونے والے نور کو ملاحظہ کر لیا۔ایک نظر میں پہچان لیا کہ یہ بہت صفات والا بندہ ہے اور اس نے اپنے ابو کو مشورہ دیا کہ ان کو رکھ لیں ۔ چنانچہ والد نے اس کو بھیجا کہ جا کر بلا کر لاؤ۔تو وہ آئی اور اس نے آکر کہا کہ میرے ابو بلا رہے ہیں ۔چونکہ آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے تو آپ چلیے ۔اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اچھا میں آگے چلتا ہوں اور تم پیچھے چلنا اور مجھے بتاتی رہنا کہ دائیں جانا ہے یا بائیں ۔ اللہ کی شان! عام طور پر لے جانے والا رہبر آگے چلتا ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تقویٰ دیکھیں!اس لیے کہ اگر وہ آگے چلتی تو عین ممکن تھا کہ اس کی طرف نگاہ اٹھتی ،سامنے سے نہ پڑتی تو پشت کی جانب پڑتی تو یہ بھی تقویٰ کے خلاف ہوتا،تو فرمایا کہ میں آگے چلوں گا اور تو پیچھے سے آواز کے ذریعے مجھے بتا دینا کہ دائیں جانا ہے یا بائیں،اس طرح ان کے گھر پہنچے ۔حضرت شعیب علیہ السلام سے بات ہوئی ۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

﴿فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا﴾

بات نو سال کی ہوئی ۔مگر ارادہ دس سال کا کر لیا۔پھر اپنی داستان سنائی کہ میں کس طرح یہاں پہنچا ہوں۔ان کی بات سن کر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

﴿نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

''تو ظالموں کی قوم سے نجات پا گیا ہے۔''

تو معلوم ہوا کہ یہ جو خوف ہوتا ہے، یہ ایک طبعی سی چیز ہے۔

﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ﴾ (طہ:٦٧)

اپنے سامنے اژدھے کو دیکھتے ہیں کہ لاٹھی اژدھا بن گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف کھانے لگ گئے۔ یہ فطری چیز ہے، تو خوف کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب کہیں بیرونی چیز سے تکلیف پہنچنے کا ڈر ہو۔

مومن کو اللہ سے بھی خوف آتا ہے کیونکہ اس نے حکم خداوندی کو کہیں نظرانداز کیا ہوتا ہے، کہیں توڑا ہوتا ہے، کہیں اس کے مطابق عمل نہیں کیا ہوتا، اس لیے اب اس کو ڈر ہوتا ہے کہ اللہ کے حضور پہنچوں گا تو مجھے سزا ملے گی تو خوف میں سزا ملنے کا پہلو غالب ہے۔

خشیت کسے کہتے ہیں؟

خشیت کا لفظی ترجمہ بھی ڈرنا ہے لیکن اس ڈر کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ خوف :، نوعیت ہوتی ہے سزا ملنے کی اور خشیت میں نوعیت ہوتی ہے کسی کے روٹھ جانے کی۔ جیسے بیوی ڈرتی ہے اپنے خاوند سے، مگر کیوں؟ اس لیے نہیں ڈرتی کہ اگر میں نے وقت پر کھانا نہ بنایا تو میرے آکر جوتے لگائے گا۔ نہیں! بلکہ وہ ڈرتی ہے کہ مائنڈ کرے گا، میرے ساتھ اس کا جو محبت کا تعلق ہے وہ نہیں رہے گا۔ تو اس محبت کی بناء پر خاوند کی ناراضگی کا اس کو جو ڈر ہوتا ہے، اس کو خشیت کہتے ہیں۔

اب دیکھیں! ایک بہت ہی کالی کلوٹی بدصورت شکل کی بھی کوئی عورت ہے، اس کو بادشاہ نے اپنے محل میں رکھ لیا۔ اب اس کی توقعات سے بڑھ کر اس کو جگہ مل گئی کہ یہ تو سوچتی تھی کہ میں تو لوگوں کے گھروں کے بیت الخلا دھونے کے قابل تھی۔ لیکن بادشاہ نے اسے اپنے محل میں صفائی کے لیے رکھ لیا، خواب گاہ کی بناوٹ سجاوٹ کے لیے رکھ لیا۔ لہٰذا اب یہ دل کے اندر سہمی رہے گی کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو جائے! کہیں بادشاہ میری چھٹی نہ کروا دے! اب ڈر اس کو بھی لگ گیا مگر ڈر میں اس کو سزا ملنے کا پہلو

غالب نہیں بلکہ اس کے دل میں یہی خوف ہے کہ میں تو کسی قابل نہ تھی اور بادشاہ نے مجھے اپنی خدمت کے لیے چن لیا تو کسی عمل کی وجہ سے کہیں محروم نہ ہو جاؤں۔ بادشاہ سے دور نہ ہو جاؤں اس کو خشیت کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

''بے شک جو علماء ہوتے ہیں وہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

مگر اس ڈر میں کون سا پہلو غالب ہوتا ہے اللہ کے روٹھ جانے کا۔ علما کے دل میں تو ہر وقت یہ غم اور ڈر لگا رہتا ہے کہ کوئی عمل ہم سے ایسا نہ ہو کہ ہمارے مالک ہم سے روٹھ جائیں۔ اس کو خشیت کہتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کا مقام خشیت:

آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، خشیت والا ہوں۔ اور اس لیے جب آپ ﷺ نے دعا مانگی تو کہا: اے اللہ! اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی کی پروا نہیں اور اگر تو ناراض ہے تو تجھے اس وقت تک راضی کرنا ضروری ہے جب تک کہ تو راضی نہ ہو جائے۔ اللہ اکبر!

تو یہ کیوں ایسا ہوتا ہے اس لیے کہ جو مقرب ہوتے ہیں، جو نیک ہوتے ہیں، جو علما ہوتے ہیں، جو مغفرت رکھنے والے ہوتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ اور محبت کے تعلق کی وجہ سے ان کے لیے محبوب کا روٹھ جانا سب سے بڑی تکلیف ہوتی ہے، اس سے بڑی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ جب کوئی محبت میں پاگل ہو یعنی محبت میں بہت فنا ہو اور اس کو ذرا سا بھی محسوس ہو کہ اس بات کی وجہ سے میرا محبوب مجھ سے روٹھ جائے گا، وہ کبھی وہ کام نہیں کرے گا اور ہر وقت اس کے ذہن میں یہ رہے گا کہ اس بات سے میرا افسر خفا نہ ہو جائے، میرا محبوب خفا نہ ہو جائے، میرا اللہ خفا نہ ہو جائے

،تو اس خشیت میں محبت کا تعلق غالب ہوتا ہے۔محبوب کے روٹھ جانے کا رنگ غالب ہوتا ہے۔

نماز کا خشوع:

نماز میں خشوع کے معنی یہ ہوں گے کہ انسان اپنے اعضا کو بہت ہی زیادہ ادب کے ساتھ رکھے۔حرکت نہ کرے! اِدھر اُدھر نہ دیکھے! اپنی نگاہیں جہاں قیام میں ہونی چاہییں، رکوع میں ہونی چاہییں، سجدے میں ہونی چاہییں، وہیں رکھے۔ اپنے کپڑوں سے نہ کھیلے، داڑھی سے نہ کھیلے، کئی لوگ نماز میں کھیلتے بھی تو ہیں نا! ہم ایک جگہ نماز پڑھ رہے تھے، ایک آدمی نے آکر اللہ اکبر کہا۔ اس نے پہلے اس ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کو باری باری بجایا، پھر دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو بجایا۔ میں نے کہا کہ اب مجبور ہے، پاؤں پر ہاتھ لگا نہیں سکتا، ورنہ اس کے بھی دس بجا کر دکھاتا۔اب یہ بھی نماز ہے کہ قیام میں کھڑا ہے اور انگلیوں کو بجا رہا ہے۔کئی لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ نماز میں ہر وقت ہاتھ چلتا رہتا ہے۔ اپنے کپڑوں کو ہی ٹھیک کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس میں حرکت زیادہ ہو جائے تو نماز ہی ٹوٹ جاتی ہے لیکن ان کو تو احساس ہی نہیں ہوتا۔تو اس طرح نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا اور عجیب وغریب حرکات کرنا۔

اللہ اکبر !

عجیب عجیب تماشے

حرم میں میرے ساتھ آکر ایک ساتھی نے نماز کی نیت باندھی تو قیام میں ہی اس کے فون کی گھنٹی بجی تو اس نے ٹیلی فون نکالا اور کہتا ہے Darling (محبوبہ) اصلِی انگلش اور عربی دونوں۔ڈارلنگ بھی کہا کہ محبوبہ اور اُصَلِّی بھی کہا۔ اصلی کا مطلب کہ نماز میں ہوں اللہ اکبر! اب بتاؤ! ''ڈارلنگ اصلی'' یہ نماز ہے۔

حج کے موقع پر بھی عجیب عجیب تماشے ہوتے ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی ہیں انہوں نے سوچا کہ اس دفعہ میں الوداعی طواف اتنے خشوع وخضوع کے ساتھ کروں گا کہ نہ نگاہ اٹھاؤں گا، نہ کچھ اور کروں گا بس اپنے رب سے تار جوڑ کر رکھوں گا۔

عشق کو حسن کے انداز سکھا لوں تو چلوں
منظر کعبہ نگاہوں میں بسالوں تو چلوں
باب کعبہ سے پھر ایک بار لپٹ کر رو لوں
اور چند اشک ندامت کے بہا لوں تو چلوں

تو دل تو چاہتا ہے کہ آخری الوداعی طواف ایسا ہو۔ تو وہ کہنے لگے کہ میں طواف کر رہا تھا، ساتھ ایک بندہ چل رہا تھا۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے ساتھ بیویوں کو طواف کرواتے ہیں اور اس میں یا تو بیویوں کو کہتے ہیں کہ کپڑا پکڑ لو! وہ تو ٹھیک ہے۔ کچھ ماشاء اللہ زیادہ محبت کرنے والے ہوتے ہیں کہ وہ طواف میں کندھے پر ہاتھ رکھوا کر طواف کروا رہے ہوتے ہیں۔ کہنے لگے: پیچھے سے ایک عورت آئی اور اس نے آ کر خاوند کے ایک تھپڑ لگایا پنجابی میں کہتی ہے: ''کے نوں طواف کرائی اے'' (کس کو طواف کراوایا ہے)۔ اس وقت اس کو پتہ چلا کہ بھئی سفید کپڑے ایک جیسے ہوتے ہیں وہ کہیں حجر اسود کا استلام کرنے میں اس کی بیوی آگے نکل گئی، پیچھے دوسری عورت تھی جس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یا میرے اللہ! تماشے! عجیب تماشے!

اب تو انہوں نے زم زم کی جگہ بدل دی ہے، پہلے سیڑھیاں تھیں تو نیچے جانا پڑتا تھا۔ ایک مردوں کی جگہ اور ایک عورتوں کی جگہ بنی ہے۔ اور عام طور پر مردوں کی عورتیں اور عورتوں کے مرد کھڑے بیچارے انتظار کر رہے ہوتے تھے، کوئی دو منٹ میں فارغ ہو گیا کسی نے دس منٹ لگا دیے۔

خیر ایک بوڑھا میاں اپنی بیوی کو تلاش کر رہا ہے اور اللہ کی شان بڑھیا اپنے میاں

کو تلاش کر رہی ہے۔اب دونوں ذرا قریب آئے تو خاوند نے بیوی کو دیکھا تو احرام تو سفید سب کے ایک جیسے پہنے ہوتے ہیں تو دیکھتے ہی کہنے لگا: او تو کتھے گئی سی؟ آگے سے بڑھیا کہتی ہے: او تو کتھے گیا سی؟ آگے سے خاوند کہتا ہے: اچھا رب نے ملا دیا۔ اچھا چلو ٹھیک ہے، اب وہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ جب بیوی نے اسے غور سے دیکھا تو کہا: او تیری داڑھی کتھے گئی! (تمہاری داڑھی کہاں گئی) اور قریب ہو کر دیکھا تو معلوم ہوا کوئی اور ہے۔تو وہ کہتی ہے: میرا خاوند تو نہیں ہے۔ جب بوڑھے نے یہ سنا تو اس نے غور سے دیکھا تو کہا: ''تو وی او نہیں'' ماشاءاللہ، اللہ اکبر!

تو خیر بات چل رہی تھی نماز کی، پھر وہاں سے حرم کی بات چل پڑی۔ بندہ کھڑا ہے اور دیکھو! نماز میں یہ حال ہے اور اس طرح خارج سے کلام کر رہا ہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ میری نماز بھی نہیں ٹوٹی، حالانکہ نماز تو ٹوٹ جاتی ہے۔تو کچھ نماز پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی نماز ماشاءاللہ ایسی پکی ہوتی ہے کہ باتوں سے بھی نہیں ٹوٹتی۔ تو نماز میں خشیت کا مطلب ہوگا کہ انسان کے اعضاء اپنی اپنی جگہ پر ادب کے ساتھ رکھے ہوں۔ نگاہ قیام میں سجدے کی جگہ پر، رکوع میں پاؤں کے انگوٹھوں کے درمیان، اور سجدے میں اپنی ناک پر اور التحیات میں اپنے دامن پر ہونی چاہیے۔ نہ نگاہ اِدھر اُدھر ہو نہ اعضاء ادھر ادھر ہوں، نہ وہ جھومے، نہ وہ داڑھی سے کھیلے، نہ کپڑوں کو چھیڑے، ظاہر میں اس طرح مؤدب ہو کر نماز پڑھنا یہ نماز کا خشوع کہلاتا ہے۔

نبی علیہ السلام نے ایک آدمی کو دیکھ کر فرمایا جو داڑھی میں ہاتھ مار رہا تھا۔

لو خشع قلب هٰذا الخشعت جوارحه

''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا بھی خشوع میں ہوتے''

یعنی یہ اپنی داڑھی سے نہ کھیلتا۔تو آپ ﷺ نے حدیث پاک میں خشوع کا لفظ استعمال فرمایا۔

لو خشع قلب ھٰذا الخشعت جوارحہ

تو معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع کا مطلب اللہ کے سامنے بہت ادب کے ساتھ، دھیان کے ساتھ، اچھے انداز کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز کے ارکان ادا کرنا نہ دل ادھر ادھر غافل ہو نہ جسم کے اعضاء غافل ہوں اس کو نماز کا خشوع کہتے ہیں۔

خشوع کا تعلق پورے بدن سے ہے

نماز کے علاوہ خشوع کا تعلق پورے جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ علما نے لکھا ہے جو خاشع بندہ ہوتا ہے اس کی آٹھ، نو علامتیں ہوتی ہیں تاکہ پتہ چلے کہ خشوع والا بندہ کون ہوتا ہے۔

دماغ کا خشوع:

خشوع کی پہلی علامت دماغ میں یعنی نیت ہے۔ نیت اس کی ہمیشہ اچھی ہو۔ بدنیت نہ ہو! کئی لوگوں کی نیت ہر وقت کھوٹی ہوتی ہے اور کچھ لوگ نیک نیت ہوتے ہیں یہ جو نیک نیت ہونا ہے یہ خشوع کی پہلی علامت ہے۔ نیک نیت ہونے کا مطلب ہے کہ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی، بھلائی کا معاملہ کرے۔ جس بندے کی ذہنی کیفیت یہ ہو کہ ہر بندے کے ساتھ بھلائی کرنے والا ہو تو یہ خشوع کی پہلی نشانی ہے۔

پنجابی کے چند اشعار ہیں۔ حضرت باہو فرماتے ہیں:

جے ناتیاں دھوتیاں رب مل داتے مل داکمیاں مچھیاں نوں

اگر نہانے دھونے سے رب ملتا تو پھر یہ مچھلیوں اور کچھوؤں کو مل جاتا کیونکہ وہ تو ہر وقت نہاتے رہتے ہیں۔

جے جتیاں ستیاں رب مل داتے مل دا انداں کھسیاں نوں

اور اگر اپنے نفس کو کنٹرول کرنے سے رب ملتا تو بیل جس کو خصی کروا دیا جاتا ہے

اور وہ اپنی مادہ کے قابل نہیں رہتے، ان کو رب مل جاتا کیونکہ وہ تو بالکل ہی الگ رہتے ہیں۔

جے سر منایاں رب مل دا تے مل دا بھیڈاں سسیاں نوں

وہ بھیڑیں جن کے جسم پر بال نہیں ہوتے ان کو بھیڈاں سسیاں کہتے ہیں۔

جے ذکر کیتیاں رب مل دا تے مل دا کال کڑچھیاں نوں

چمگاڈر کالا سا پرندہ ہوتا ہے، ہر وقت بولتا رہتا ہے، اگر ذکر کرنے سے رب ملتا تو ان کو مل جاتا۔ اور آخر میں کہتے ہیں۔

رب مل دا تے مل دا نیتاں اچھیاں نوں

اگر اللہ ملتا ہے تو وہ اچھی نیت والوں کو ملتا ہے۔ تو خشوع کی سب سے پہلی علامت دماغ ہے، نیت ہمیشہ اچھی ہو۔ ہر ایک کے بارے میں خیر خواہی کی، بھلائی کی سوچ ہو۔ اس لیے نیت کو فرمایا کہ یہ عمل پر فضیلت رکھتی ہے۔

اوپر سے نیچے کی طرف آئیں تو پھر کون سا عضو آتا ہے آنکھیں آتی ہیں۔

آنکھوں کا خشوع:

دوسری علامت یہ ہے کہ آنکھیں غیر سے رک جاتی ہیں اور اگر دنیا پر پڑتی ہیں تو عبرت کی نظر سے پڑتی ہیں جو ناجائز ہے ان سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں جب مخلوق سے آنکھیں ہٹیں گی تو خالق پر آنکھیں پڑیں گی۔

دلیل قرآن سے سنیں قرآن مجید کے ایک رکوع میں فرماتے ہیں۔

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (النور:۳۰)

''ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھیں۔''

تو قرآن پاک کے ایک رکوع میں آنکھوں کو بچانے کا ذکر ہے اور دوسرے رکوع کے اندر فرماتے ہیں:

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (النور:۳۵)

اب مفسرین نے دونوں رکوع کے درمیان ربط نکالا۔ یہ کہ جس بندے کی نگاہیں حرام سے ہٹیں گی اس کی نگاہیں اللہ کے نور کا دیدار کریں گی۔

نگاہیں ہٹانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو چیزوں سے نگاہیں ہٹانے کا حکم دیا اور ایک چیز پر نگاہیں جمانے کا حکم دیا۔

سنیے قرآن عظیم الشان

کن دو چیزوں سے نگاہیں ہٹانے کا حکم دیا؟

ایک مال سے اور دوسرا جمال سے۔ دو فتنے ہوتے ہیں۔ کسی کے لیے مال فتنہ بنتا ہے اور کسی کیلیے جمال فتنہ بنتا ہے۔ تو مال سے نگاہیں ہٹانے کا حکم دیا اور فرمایا:

اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ان کافروں کو جو عطا کر دیا۔

﴿ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾

''مت ڈال اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو ہم نے برتنے کو دیں ان میں سے کئی طرح کے لوگوں کو''

جو ہم نے کافروں کو دنیا میں خزانے دے دیے جو مال دے دیا آپ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ تو ایک مال سے نگاہیں ہٹانے کا حکم دیا اور دوسرا جمال سے نگاہیں ہٹانے کا حکم دیا چنانچہ فرمایا۔

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ﴾

''ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں''

تو جمال اور مال سے نگاہیں ہٹانے کا حکم دیا

نگاہ جمانے کا حکم

اور جس چیز پر نگاہیں جمانے کا حکم دیا وہ اللہ والوں کے چہرے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ ﴾

اپنے نفس کو صبر دیجیے۔اپنے آپ کو نتھی رکھیے۔

﴿ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ ﴾

جواللہ کی رضا کے لیے صبح وشام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں۔

اور ایسے بندوں سے کیا کریں۔

﴿ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ﴾

ان کے چہروں سے آپ نگاہیں بھی نہ ہٹائیں اگر آپ نے ان سے نظریں پھیریں تو پھر آپ

﴿ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (الکہف: ۲۸)

دنیا کی زینت کو چاہنے والے بن جائیں گے۔اللہ اکبر!

تو دو چیزوں سے نگاہیں ہٹانے کا حکم اور ایک چیز پر نگاہیں جمانے کا حکم۔تو خشیت جب آتی ہے تو ہر ایک کے بارے میں نیت اچھی ہو جاتی ہے اور دوسری نشانی یہ ہے کہ اس کی نگاہیں قابو میں آ جاتی ہیں۔حرام سے ہٹتی ہیں اور حلال چیزوں پر پڑتی ہیں اور عبرت کی نظر سے پڑتی ہیں۔

کانوں کا خشوع:

آنکھوں سے نیچے آئیں تو پھر کان آتے ہیں کانوں کا خشوع یہ ہے کہ انسان حرام

آوازوں سے کانوں کو بچائے۔ چاہے وہ حرام آوازیں میوزک کی ہوں چاہے وہ ایسی آواز ہو جس کو سننا جائز نہ ہو۔ کوئی گانے سنتا ہے، کوئی نامحرم کے ساتھ فون پر باتیں کرتا ہے، ان سے بچ جانا یہ کانوں کا خشوع کہلائے گا۔

موبائل فونوں کی ٹون

آج کل تو شیطان نے ایسا کام خراب کر دیا ہے کہ جو آج کل نئے فون آئے ہیں، اللہ مارے، ان میں کوئی ٹیلی فون کی ٹون ہے ہی نہیں، سب گانوں کی ٹونیں۔ مجھے تو اندازہ نہیں تھا کہ گانوں کی ٹونیں ہوتی ہیں۔ حج کا طواف کرتے ہوئے ساتھ ایک نوجوان طواف کر رہا تھا کہ اچانک اس کا فون طواف کے دوران آیا اور انڈیا کا گانا شروع ہو گیا۔ اب ہم حیران کہ طواف میں انڈیا کا گانا آواز کے ساتھ۔ اس دن مجھے اندازہ ہوا کہ اب ٹیلی فون کی رنگ کی بجائے گانے والیوں کی گانوں کی آوازیں انسان کے کانوں میں پڑتی ہیں۔ چنانچہ کئی دوستوں کے فون ہوتے ہیں، میں ان کو کہتا ہوں ایسا نہ کرو! یہ گناہ مستقل گناہ ہے۔ کہتے ہیں کیا کریں ٹیلی فون کی رنگ ہے ہی نہیں۔ یہ ضرور ہے، آپ ڈھونڈیں آپ اس کے اندر ٹیلی فون کی رنگ ڈلوانے کی کوشش کریں جو باقاعدہ ٹیلی فون کی رنگ ہوتی ہے۔ وہ ٹیلی فون کی گھنٹی معروف ہے۔ اس گھنٹی کے علاوہ یہ جو اونچ نیچ ہے یہ سب کچھ سراسر حرام ہے۔

مسجد میں بھی میوزک

بعض دفعہ نماز کی حالت میں یہ کئی لوگوں کی نماز خراب کرتی ہیں اور مسجد میں میوزک بجانے کے گناہ گار بنتے ہیں۔ اور طواف کے دوران حرم میں میوزک بجانے کے گناہ گار بنتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کیا کریں آج کل فونوں میں آتی ہی یہیں ہیں۔ اگر بھرنے والوں نے اپنی بدنیتی کی وجہ سے اس میں گانے بھرے ہیں تو ہم اس میں

کوئی اچھی آواز بھی بھر سکتے ہیں۔اس بارے میں میری مفتی حضرات سے اچھی خاصی ڈسکشن ہوئی۔بعض لوگ جو قرآن کی آیات کی تلاوت وغیرہ بھروا لیتے ہیں اس سے انہوں نے منع کیا، کیوں منع کیا؟ وہ کہتے ہیں کہ یہ محل تلاوت نہیں ہے، تو تلاوت کو گھنٹی کے کام میں استعمال کرنا یہ شان کے خلاف ہے۔اس لیے جو لوگ تلاوت بھر لیتے ہیں وہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔اس میں سب سے محتاط چیز کیا ہے؟ یا تو ٹیلی فون کی گھنٹی ہو یا جیسے چڑیوں کی آوازیں ہوتی ہیں وہ ہوں۔اور زیادہ بہتر ہے کہ السلام علیکم ہو یہ الفاظ بھی بھرے جا سکتے ہیں کیونکہ السلام علیکم کے الفاظ بنے ہی ملاقات اور متوجہ کرنے کے لیے ہیں۔قرآن مجید میں آتا ہے۔جب کسی دروازے پر آؤ تو پھر

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا   اہلِ خانہ کو سلام کرو

کیونکہ قرآن سے ثبوت مل رہا ہے اس لیے السلام علیکم اگر آپ ڈال لیں تو وہ تعلیمات اسلامی کے مطابق ہو جائے گا۔یا تو السلام علیکم کی آواز ڈال لیں یا گھنٹی کی آواز ڈالیں۔بعض لوگ اس میں اللہ اللہ کی آواز ڈال لیتے ہیں تو وہ بھی ٹھیک ہے۔کیونکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ ہم اللہ اللہ کی آواز ہر طرف سے سنیں، ہمیں اللہ ہی یاد آئے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے زلیخا نے ہر چیز کا نام یوسف رکھ دیا تھا، اس کے سامنے کوئی چیز پیش کرتا تھا، اگر اس کا نام یاد نہ رہتا تو اس کو یوسف کہتی تھی۔تو مومن جس کو اللہ سے محبت ہوتی ہے اس کو ہر بات میں اللہ ہی مقصود ہوتا ہے۔اور یہ قربِ قیامت کی علامات میں سے ہے۔

قربِ قیامت کی نشانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے قربِ قیامت میں ہر بندے کے کان کے پاس مغنیہ گایا کرے گی۔ہمیں کبھی تو اتنی پریشانی ہوتی ہے کہ دوسری طرف سے

ٹیلی فون ویٹنگ میں لگا دیتے ہیں، ذرا ویٹ کریں! تو مصیبت اس میں بھی میوزک ہے، اب مجبوراً بند بھی نہیں کر سکتے کہ کال دوبارہ ملانا پڑے گی۔ اور جب کان کے ساتھ ملاتے تو ذرا فاصلے پر کر لیتے تھے اور کیا کر سکتے تھے۔ لیکن اب تو سو فیصد گانوں کی آوازیں ہیں تو یہ حرام ہے، گناہ ہے اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ تو کانوں کے خشوع کا کیا ہے کہ انسان حرام آوازوں سے اور حرام باتوں سے اپنے کانوں کو بچائے۔ ایسے لطیفے بھی نہ سنے جو خلاف واقعہ ہوتے ہیں۔ جھوٹے لطیفے، جھوٹی باتیں سب اس میں شامل ہیں۔ تو نہ ایسے لطیفے سنیں، نہ ایسی باتیں سنیں، جو جھوٹ ہوں کیونکہ یہ خشوع کے منافی ہے اور نہ ہی کسی کی غیبت سنیں، نہ چغلی سنیں ایسی باتوں سے پرہیز کریں۔

زبان کا خشوع:

زبان کا خشوع یہ ہے کہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے مثلاً کچھ لوگ ایسی کرخت باتیں کرتے ہیں جس سے دوسروں کا دل دکھتا ہے اور ان کو اللہ کی شان محسوس ہی نہیں ہوتی۔ اگر زبان کے الفاظ اچھے اور پیارے ہوں گے تو پھول جھڑیں گے اور اگر سخت ہوں گے تو آگ کے انگارے نکلیں گے۔ اچھے انداز سے بات کرو تو دوسرا بندہ آپ کو دوست سمجھے گا اور اگر الٹے انداز سے بات کرو تو دوسرا آپ کو دشمن سمجھے گا، تو اس لیے زبان کا صحیح استعمال کرے۔ نہ انسان کسی کی غیبت کرے نہ کسی کی چغلی کرے نہ جھوٹ بولے۔ زبان کو صحیح استعمال کرنا یہ زبان کا خشوع کہلاتا ہے۔

جو زبان کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ تلاوت قرآن کرتے ہیں تو پھر اللہ بھی ان سے پیار کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے غور سے سنیں: ''جو بندہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے، اس پر فرشتے نازل ہوتے ہیں'' اور فرشتوں میں سے فقط حضرت جبرائیل علیہ السلام کو تلاوت قرآن کی سعادت حاصل ہے، باقی فرشتے قرآن

نہیں پڑھ سکتے، وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

﴿وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ﴾ (الانبیاء:۲۰)

''اور جو اس کے پاس رہتے ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے۔ اور سستی نہیں کرتے۔ وہ دن رات تسبیح کرتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں''

دن رات اللہ کا ذکر کرتے ہیں ان کے لیے افطار نہیں ہے۔ مگر قرآن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا کیا۔ اس کو فرشتوں میں سے صرف حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پڑھنے کی سعادت حاصل ہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر بھی سنایا اور دور بھی کیا۔ باقی فرشتوں میں سے نہیں، اس لیے جو بندہ کام خود نہ کر سکتا ہو، وہ ہوتا دیکھے تو اس کو اچھا لگتا ہے، پسند آتا ہے۔ اس لیے جب کوئی بندہ قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتا ہے تو فرشتے فوراً وہاں نازل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں: بھئی پڑھ تو نہیں سکتے سنیں تو سہی اللہ کا کلام۔ تو فرشتے وہاں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں حتی کہ ان کی لائن بن جاتی ہے عرش تک۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بسا اوقات انسان سکون کے ساتھ تسلی کے ساتھ اللہ کا قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے تو فرشتے اس قاری کے قریب ہوتے ہوتے حتی کہ اس کے منہ کے ساتھ اپنا منہ لگا دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ فرشتے اتنے فریفتہ ہوتے ہیں کہ اللہ کا کلام سننے کے شوق میں اس بندے کے منہ کے ساتھ اپنا منہ لگا دیتے ہیں۔

منہ سے خوشبو:

امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں مدینہ طیبہ میں کچھ عرصہ رہے۔ وہاں پر ان کے منہ سے خوشبو آتی تھی۔ لوگ بڑے حیران ہوتے تھے کہ پتا نہیں قاری صاحب مشک استعمال کرتے ہیں یا عنبر استعمال کرتے ہیں، یا کوئی اور چیز منہ میں

رکھتے ہیں کہ ان کے منہ سے اتنی خوشبو آتی ہے۔ جب تلاوت کرتے تو منہ سے اتنی خوشبو آتی کہ لوگ حیران ہوتے تھے۔ ایک دن ان کے ایک خادم نے کہا: حضرت! آپ کیا چیز استعمال کرتے ہیں ایسی خوشبو آتی ہے کہ ہم نے ایسی کبھی سونگھی نہیں، کیا آپ اپنے منہ میں کوئی چیز رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ماشاء اللہ میں تو اپنے منہ میں کوئی چیز نہیں رکھتا۔ اس نے پوچھا کہ پھر یہ خوشبو کہاں سے آتی ہے؟ تو پھر انہوں نے اپنا واقعہ سنایا۔ کہنے لگے: مجھے ایک مرتبہ خواب میں آپ ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عاصم! تو اللہ تعالیٰ کا قرآن اتنے اچھے انداز میں پڑھتا ہے، لاؤ! میں تمہارے لبوں کو بوسہ دوں تو خواب میں جب نبی ﷺ نے میرے لبوں کو بوسہ دیا اس وقت سے میرے منہ سے خوشبو آتی ہے۔ تو یہ ہے زبان کا خشوع کہ غیبت، جھوٹ اور چغلی سے بچے اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کی تلاوت، اللہ کا ذکر، خیر کی بات اور نصیحت کی باتیں زبان سے کرے۔

دل کا خشوع:

زبان سے نیچے انسان کا دل آتا ہے۔ دل کا خشوع یہ ہے کہ اس میں اللہ رب العزت ہی کی محبت ہو، مخلوق کی نفسانی، شہوانی اور شیطانی محبتیں نہ ہوں۔ کئی دفعہ ہوس ہوتی ہے، حرص ہوتی ہے، یہ بھی مل جائے یہ بھی مل جائے، یہ قلب کا خشوع نہیں۔ قلب کا خشوع یہ ہے کہ بس دل اللہ کیلیے فارغ کر دے۔ مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ گندم سے پیالہ نکلا تھا تو بنیامین علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے ملا دیا گیا اور جب انسان کے جسم سے دل کا پیالہ اللہ کی محبت سے لبریز نکلے گا تو بندے کو اللہ سے ملا دیا جائے گا۔ یہ ہمارے لیے دل کا پیالہ ہے ہم بھی اس کو سونے کا بنائیں۔ جیسے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کا پیالہ سونے کا بنا ہوا تھا، ماشاء اللہ ہم بھی اس کو سونے کا

بنائیں تاکہ جب یہ اندر سے نکلے تو اس کے بدلے ہمارا اللہ کے ساتھ وصل ہو جائے، ملاقات ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾

(التوبة:111)

''اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا۔''

نفوس اور مالوں کو خریدنے کا حکم ہے، کہیں بھی دل کا تذکرہ نہیں کیا، حالانکہ دل اللہ کا گھر ہے تو عام دستور یہی ہے کہ بندہ پہلے گھر خریدتا ہے باقی چیزیں بعد میں۔ سب سے پہلے بندے کی کوشش ہوتی ہے کہ گھر بنائے تو یہاں سے ایک نکتہ اٹھایا کہ بھئی! یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دل کا تذکرہ کیوں نہیں کیا کہ اللہ نے بندوں سے ان کے دلوں کو مالوں کو سب کو ان سے خرید لیا۔ یہاں تو نفس اور مال کا تذکرہ ہے دل کا ہے ہی نہیں۔ تو انہوں نے پھر اس کا جواب لکھا، فرماتے ہیں کہ انسان کے پاس تین نعمتیں تھیں دل، نفس اور مال۔ لیکن ان تینوں میں سے دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے وقف کر لیا اور شریعت کے اندر جو وقف کی جائیداد ہوتی ہے، اسے بیچنے کی اجازت نہیں۔ چونکہ یہ وقف کی جائیداد تھی اور انسان کا دل اللہ کے نام پر وقف ہو چکا، خرید و فروخت جائز نہیں تھی۔ اس لیے دل کی بجائے باقی دو چیزیں رہ گئی تھیں، اللہ نے فرمایا کہ جان اور مال کو جنت کے بدلے خرید لیا تو دل ہے ہی اللہ کے لیے۔ یہ تو ہے ہی وقف کی جائیداد۔

پیٹ کا خشوع:

دل کے بعد انسان کا پیٹ ہے پیٹ کا خشوع یہ ہے کہ انسان اس میں کوئی حرام

اور مشتبہ لقمہ نہ جانے دے۔ اور اس میں آسانی سب سے زیادہ اس بات میں ہوتی ہے کہ انسان اپنے گھر کے کھانے کھانے کی عادت ڈالے۔ جہاں باہر کے کھانے کھانے کی عادت پڑی تو مشکوک چیزیں پیٹ میں پہنچنی شروع ہو گئیں۔ اسی لیے ہوٹلوں والے اپنے ہوٹلوں کا کھانا خود بھی نہیں کھاتے۔ کبھی آپ دیکھ لیں نا کہ یہ نیکٹس کیسے بنتے ہیں اور ڈرم اسٹک کیسے بنتے ہیں تو کھانے کا نام نہیں لیں گے۔ بعض نوجوانوں کو ہوٹلوں کا کھانا کھانے کی عادت ہوتی ہے اس میں حرام چیز بھی جا سکتی ہے اور مشتبہ چیز بھی جا سکتی ہے۔

انسان ارادتاً ایسا مال نہ حاصل کرے جو نا جائز ہو، رشوت کا مال، ملاوٹ کا مال، دھوکے کا مال، سود کا مال، یہ تمام قسم کے مال حرام ہیں، تو ان سے اپنے پیٹ کو بچائے۔ تھوڑا کھائے مگر حلال کھائے۔ اس لیے صدقِ مقال اور رزقِ حلال یہ دونوں ذکر د سلوک کے راستے میں بہت ضروری چیزیں ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے جو بندہ حرام کھانا کھا لیتا ہے اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔ حتی کہ کعبہ سے لپٹ کر بھی دعا مانگے تو اللہ اس کی دعا قبول نہیں کرتے تو پیٹ کا خشوع یہ ہے کہ حلال کھائے اور حرام اور مشتبہ سے بچائے۔

شرم گاہ کا خشوع:

پیٹ سے نیچے انسان کی شرم گاہ ہے، اس کے گناہوں سے بھی انسان اپنے آپ کو بچائے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے دے ایک دو جبڑوں کے درمیان یعنی زبان کہ اس کو میں ٹھیک استعمال کروں گا اور ایک دو رانوں کے درمیان یعنی شرم گاہ۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بندے کو جنت میں گھر ملنے کی ضمانت دیتا ہوں۔ اگر ایسی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے تو سچی توبہ کر لے توبہ کا دروازہ اللہ نے کھلا رکھا ہے۔

ایک بدکار عورت کی سچی پکی توبہ:

بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی جو بہت بدکردار تھی۔ اللہ نے اس کو حسن و جمال خوب دیا تھا اور وہ بدکار بھی انتہا درجے کی تھی۔ پوری بستی کے ساتھ اس کے تعلقات تھے اور اتنی مال دار بن گئی کہ اس نے اپنے لیے بڑا محل بنوالیا تھا اور ایک تخت بنوایا اور وہ بن سنور کر ملکہ کی طرح تخت پر بیٹھتی تھی اور اس کے ساتھ غلط تعلق رکھنے والے پورے شہر کے امراء تھے۔ اس کی زندگی ایسے ہی گزر رہی تھی۔

ایک مرتبہ کیا ہوا کہ وہ اپنے گھر کا دروازہ کھول کر تخت پر بیٹھی تھی کہ قریب کسی اور بستی کا نوجوان تھا جو نیک تھا، عبادت گزار تھا، وہ اِدھر سے گزرا اور گزرتے ہوئے اچانک جو اس کی نظر اٹھی تو اس عورت پر جا پڑی اور اس عورت کی ایسی تصویر اس کے دل میں چھپی کہ وہ آگے تو چلا گیا مگر اس کا دھیان ادھر ہی بھٹک گیا۔ پھر وہ مراقبے میں، ذکر میں، تسبیحات میں، تلاوت میں، جب بیٹھتا تو اس کا دل ہی نہیں لگتا تھا۔ اس نے روزے بھی رکھے لیکن خیال نہ نکلا۔ اس نے اپنے آپ کو تکلیف بھی پہنچائی، کئی کئی دن اپنے آپ کو بھوکا پیاسا بھی رکھا، مگر اس کے دل سے خیال نہ نکلا۔ حتی کہ ایک دن اس نے سوچا کہ جب اس خیال سے میری جان چھوٹتی ہی نہیں تو میں جاتا ہوں۔ چنانچہ اس کے پاس جو تھوڑا بہت سامان تھا وہ اس نے بیچا اور اس نے اتنے پیسے تیار کیے جتنے سے وہ بدکار عورت اپنے پاس آنے کی اجازت دیتی تھی۔ وہ اس عورت کے پاس آیا اور اس کو پیسے دے کر اس کے پاس چارپائی پر بیٹھ گیا۔ بات چیت کرنے لگا۔ اچانک بات چیت کے دوران اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے نیکوکاری کے اتنے سال گزارے ہیں، آج میرے اللہ، مجھے اس غیر محرم کے ساتھ بیٹھے ہوئے بھی دیکھ رہے ہوں گے۔ بس یہ خیال دل میں آیا تو اللہ کا ڈر دل پر غالب آ گیا اور نوجوان نے کانپنا

شروع کر دیا۔ عورت اس سے پوچھتی ہے تم کانپ کیوں رہے ہو؟ تمہارا چہرہ کیوں پیلا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ بس میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس نے کہا کہ پھر تم جس مقصد کے لیے آئے ہو وہ مقصد پورا کرو اور جاؤ۔ اس نے کہا: نہیں۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ آج تک میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا مرد نہیں دیکھا جو میرے قریب اس طرح چارپائی پر آ کر بیٹھے اور پھر برائی کیئے بغیر واپس چلا جائے۔ یہ نوجوان کیسا ہے؟ مگر نوجوان نے کہا: اچھا میں جاتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تم کون ہو؟ کیا ہو؟ اس نے بتایا کہ میں اس نام کا بندہ ہوں اور فلاں بستی کا ہوں اور میرے دل میں یہ خیال آ رہا ہے کہ میں نے اتنی عمر مصلے پر بیٹھ کر گزار دی، آج میرا اللہ مجھے تیرے ساتھ بیٹھے ہوئے بھی تو دیکھ رہا ہے، بس اس کے بعد اس نوجوان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور چل پڑا۔

اب وہ چلا تو اس عورت کو جو تھوڑی دیر کی صحبت اس نوجوان کی نصیب ہو گئی اس کی برکت اس کو مل گئی۔ چنانچہ عورت کے دل میں خیال آیا کہ یہ کنوارا نوجوان اتنا اللہ سے ڈرتا ہے! جبکہ اس نے گناہ بھی نہیں کیا اور میں تو سارا دن اور ساری رات گناہوں کا مرتکب ہونے والی ہوں، میں تو خدا سے ڈرتی ہی نہیں۔ اس کے دل میں شرمندگی پیدا ہوئی ندامت آنے لگی کہ کروں تو کیا کروں؟ دل میں خیال آیا کہ اچھا چلتی ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھتی ہوں کہ کیا میرے لیے بھی توبہ کی کوئی صورت بنتی ہے۔ وہ اپنے گھر سے نکل کھڑی ہوئی، اب اس کو بستی کا ایک ایک بندہ پہچانتا تھا وہ ایسی نامی گرامی چیز تھی۔ وہ چلی اور جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دیکھا تو وہ اس وقت بنی اسرائیل کے لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے۔ اس نے کسی آدمی کے ذریعے پیغام بھیجا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جا کر کہو کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ اب جس کو پیغام دیا وہ بیوقوف تھا، کچھ پیغام پہنچانے والے بھی تو بیوقوف ہوتے ہیں، جن کو ڈھنگ ہی نہیں آتا پیغام پہنچانے کا۔ اس خدا کے بندے نے سیدھا جا کر سب کے سامنے کہہ دیا کہ

حضرت آپ سے فلاں عورت ملنے آئی ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے نام سنا تو آپ کو بہت جلال آیا کہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے کہ ایسی عورت ان سے ملنے کے لیے آئی۔ ان کا کیا تعلق اس سے؟ حضرت موسی علیہ السلام نے غصے میں کہہ دیا کہ اس سے کہو چلی جائے ، میں اس سے نہیں ملنا چاہتا۔ اس بیوقوف نے آ کر کہا کہ میں نے بات کہی تو حضرت موسی علیہ السلام بڑے ناراض ہوئے ، وہ تو بڑے خفا ہیں تم سے۔ وہ ڈر گئی اس نے کہا کہ میری بدکاریاں ایسی ہیں کہ اللہ مجھ سے پہلے ناراض تھا اور اب اللہ کا نبی بھی مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا، میرے لیے تو اب دنیا میں ٹھکانہ کوئی نہیں۔ بڑے اداس اور بوجھل قدموں کے ساتھ وہ وہاں سے واپس آئی اور اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ اب وہ حیران تھی کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے بھی میرے ساتھ بات کرنا گوارا نہ کیا۔ میں اتنی گری ہوئی چیز ہوں کہ وہ بات کرنا بھی نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہ گھر آئی اور اس نے گھر کی کنڈی لگائی اس نے اپنے کسی بڑے سے سنا ہوا تھا کہ بندہ جب اپنے رب کو منانا چاہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کے سامنے سجدہ کرے۔ چنانچہ اسے اور کوئی طریقہ آتا نہیں تھا، گھر کی کنڈی لگا کر ایک جگہ اس نے اللہ کے سامنے سجدہ کیا دل سے یہ کہہ رہی ہوگی۔

میں تیرے سامنے جھک رہا ہوں خدا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

اسے پوری دنیا میں اور کوئی نجات کا راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ ہر کوئی اس کو حرص کی نگاہ والا نظر آتا تھا۔ توبہ کا طریقہ سیکھنے کے لیے حضرت موسی علیہ السلام کے پاس جانا چاہتی تھی تو انہوں نے ڈانٹ پلا دی۔ اب ادھر اس کا یہ حال ہے کہ یہ دعائیں مانگ رہی ہے، رو رہی ہے، اب روتے روتے اس نے نیت کی کہ میں آج کے بعد بدکاری نہیں کروں گی۔ بس اس نے جیسے ہی نیت کی، اسی دوران دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ یہ گھبرا گئی کہ

پتہ نہیں دروازے پر کون ہے۔اس کا خیال گیا کہ آنے والے آتے تھے۔آج پھر کوئی آ گیا ہے،اب یہ چاہتی تھی کہ میں دروازہ نہ کھولوں مگر دروازہ پھر کھٹکھٹایا جارہا تھا۔اب یہ ڈر رہی تھی کہ اگر میں نے دروازہ کھول دیا اور کوئی بدکار بندہ ہوا تو وہ مجھے زبردستی بدکاری پر مجبور کرے گا۔اب یہ اللہ کے آگے رو رہی ہے کہ اللہ میں دروازہ نہیں کھولنا چاہتی،اور جتنا یہ رو کر معافیاں مانگتی ہے آنے والا دروازہ اور کھٹکھٹاتا ہے۔پریشان ہو کر اس نے بالآخر دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ دروازے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ حیران رہ گئی،حضرت! آپ یہاں کیسے؟ فرمایا: میں خطبہ دے رہا تھا،تمہارا پیغام کسی نے دیا، مجھے برا لگا کہ لوگ کیا سمجھیں گے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے آئی ہو میں نے انکار کر دیا۔پھر جب میں نے اپنی نصیحت کو پورا کیا تو پھر اللہ کی جانب سے مجھے وحی آئی کہ اے میرے پیارے پیغمبر علیہ السلام! آپ نے تو اس کو جھڑک ہی دیا۔تو جیسے ہی یہ پیغام آیا میں فوراً تمہاری طرف آیا ہوں کہ تم نے سچی توبہ کی نیت کر لی ہے۔اللہ تعالیٰ تم سے اتنا راضی ہیں کہ وہ مجھے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نے میری ایسی بندی کو کیوں واپس بھیجا ہے۔خیر! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو توبہ کی قبولیت کی خوش خبری سنائی اور چلے گئے۔

وہ عورت بڑا روئی کہ یا اللہ! میں اتنی گناہ گار اور اتنی خطا کار اور تو اتنا قدردان کہ جس کے دروازے پر بدکار آیا کرتے تھے آج ہی میں نے نیکی کی نیت کی۔اللہ! میرے دروازے پر چل کر وقت کے پرہیزگار آ رہے ہیں،پیغمبر آ رہے ہیں! اے مولا! تیری شان کتنی بڑی ہے اس نے پکی نیت کر لی کہ میں آج کے بعد بدکاری نہیں کروں گی۔پھر اللہ کی شان دیکھیے! اس نے رات گزاری۔اگلے دن اس کے دل میں خیال آیا کہ میں عورت ذات ہوں،اکیلی مکان میں رہتی ہوں،ایک میری خادمہ ہے تو میں اگر نیت کر بھی لوں تو جتنے لوگوں نے میرے ساتھ بدکاریاں کی ہیں وہ تو مجھے اس میں نہیں رہنے دیں گے۔تو بہتر یہ ہے کہ میں اس جگہ کو چھوڑ کر چلی جاؤں تبھی اس نے

فیصلہ کر لیا کہ میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔ اس نے اپنے آپ کو ایک سادہ سے کپڑے میں لپیٹا تا کہ کوئی کپڑوں کو اور حسن و جمال کو نہ دیکھے کہ یہ کون جا رہی ہے۔ پھر اس نے سوچا عورت ذات ہوں، کہاں جاؤں؟ دل میں خیال آیا کہ وہ جو نیک نوجوان تھا جس کے دل میں اللہ کا اتنا خوف تھا کہ وہ اللہ کے ڈر سے کانپ رہا تھا کیوں نہ میں اس نیک بندے کے پاس چلی جاؤں اور اس کی خادمہ بن کر رہ جاؤں۔ ممکن ہے کہ وہ مجھے نکاح میں ہی قبول کر لے۔ یہ اس بستی کی طرف چل پڑی۔

چنانچہ ڈھونڈتے ہوئے یہ اس بستی میں اس کے گھر پہنچی اور گھر والوں سے کہا کہ میں فلاں بندے سے ملنے کے لیے آئی ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کا ذکر دعبادت کا معمول ہے اور وہ کمرے سے اتنے بجے نکلتا ہے تم انتظار کر لو، چنانچہ اس نے کہا: بہت اچھا۔ یہ انتظار میں بیٹھ گئی۔ جب انتظار کرنے بیٹھی تو اچانک اس نوجوان نے دروازہ کھولا اور اس کی نظر اس عورت پر پڑی۔ یہ سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ جب نوجوان نے عورت کا چہرہ دیکھا تو اس کو اپنا وہ وقت یاد آ گیا کہ وہ کون سا وقت تھا میں اپنے مصلّے کو چھوڑ کر بالآخر اس کی چارپائی پر جا بیٹھا تھا۔ تو اس نوجوان کے دل پر خوف طاری ہو گیا کہ کہیں یہ میرا ایمان خراب کرنے تو یہاں نہیں آ گئی، میں نے تو اتنی مشکل سے اس کا تصور ذہن سے نکالا تھا۔ تو نوجوان پر اتنا خوف طاری ہوا کہ وہ وہیں پر گرا اور اس کی جان ہی چلی گئی۔ اب اس کی وفات پر گھر والے بھی رنجیدہ اور اس عورت کو بڑا ہی غم تھا۔

خیر تین دن کے بعد اس عورت نے اس کے گھر والوں کو بتایا کہ میں تو اس نیت سے آئی تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ اب وہ تو اس دنیا سے چلا گیا اس کا ایک بھائی ہے، اگر تم مناسب سمجھو تو ہم اس سے پوچھ لیتے ہیں، اگر وہ تمہارے ساتھ نکاح کر لے تو تم اس کے ساتھ نکاح کر لو۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ جب بھائی سے پتہ کیا تو اس نے کہا:

ٹھیک ہے کہ اگر پہلے یہ ایسی عورت رہی ہے اور اب توبہ کی نیت کر چکی ہے تو میں اس کو اپنے نکاح میں قبول کرلوں گا۔ چنانچہ اس عورت کا اس کے بھائی کے ساتھ نکاح ہوا اور اس عورت کو اللہ تعالیٰ نے سات بیٹے عطا فرمائے اور وہ ساتوں بیٹے بنی اسرائیل کے اولیا میں سے گزرے۔ ایسی بدکار عورت بھی اگر توبہ کرتی ہے تو اللہ اسے سات ولیوں کی ماں بنادیتے ہیں۔ وہ مولا کتنا کریم ہے۔

ہاتھ اور پاؤں کا خشوع:

اگر اس سے نیچے دیکھیں تو پھر انسان کے ہاتھ اور پاؤں رہ جاتے ہیں تو ہاتھ اور پاؤں سے بھی کسی کو تکلیف نہ دینا، گناہ کا کام نہ کرنا یہ ہاتھ اور پاؤں کی خشیت ہے۔ آج کل کے نوجوانوں کو گھر میں آرام نہیں آتا، بھاگتے ہیں دوستوں کی محفلوں میں، داؤ لگاتے ہیں، ماں باپ سے چھپ چھپا کر کوئی اس کیفے پر بیٹھا ہوتا ہے، انٹرنیٹ کیفے پر اور کوئی ادھر بیٹھا ہوتا ہے۔ کیا گیم کھیلی جارہی ہوتی ہے! اور یہ جو ویڈیو گیموں کی جگہیں ہیں یہ بدکاریوں کے اڈے ہیں۔ کوئی بھی شریف آدمی ایسی جگہوں پر ایک سیکنڈ بھی جا کر کھڑا ہونا برداشت نہیں کرتا۔ تو ہاتھ پاؤں کا خشوع یہ کہ انسان ایسے مقامات پر ایسے لوگوں کی طرف چل کر جانے سے پرہیز کرے۔

جب انسان کے اندر تمام اعضا کے خشوع یہ علامتیں ہوں گی تو اس بندے کو کہیں گے کہ یہ خاشع انسان ہے۔ علما کی یہ شان اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کے اندر یہ سب نعمتیں ہوتی ہیں تو۔

﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر:۲۸)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی خشوع والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ساتویں شرط

صدقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفیٰ وَسَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفیٰ اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo
﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحَافِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا o﴾
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مغفرت کی ساتویں شرط:

بائیسویں پارے کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے جس میں اللہ رب العزت نے مومن مردوں اور عورتوں کو دس شرائط کے اوپر جنت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ان میں سے ساتویں شرط ہے

﴿ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ ﴾

''صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں''

مال کا صدقہ:

صدقہ کے بارے میں ذرا تفصیل سمجھ لیں، ایک تو ہوتا ہے مال کو صدقہ کرنا جیسے قرآن پاک میں آتا ہے

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ (ال عمران:۱۱)

''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے حتی کہ تم وہ خرچ کرو جو تمہیں محبوب ہے''

تم نیکی کے اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمہیں بڑی محبوب ہے، پسندیدہ چیز کو خرچ کرو۔ چنانچہ مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنا یہ انسان کو مصیبتوں سے بچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتا ہے، جو بندہ صدقہ کرتا ہے فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث پاک میں قسم اٹھا کر فرمایا کہ جو شخص اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہے، صدقہ کرنے سے اس کا مال کبھی بھی کم نہیں ہوسکتا، صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ مال کو بڑھاتے ہیں، گھٹاتے نہیں ہیں۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ نے قسم اٹھا کر فرما دی اللہ اکبر!

صدقاتِ جاریہ:

ایسے کام کرنے چاہییں جو صدقاتِ جاریہ ہوں۔ صدقاتِ جاریہ کہتے ہیں ایسا صدقہ کہ جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہے، علمانے لکھا کہ وہ سات ہیں۔ مثلاً کسی کو علم پڑھایا، اپنی اولاد کو پڑھایا یا مدرسہ بنا کر طلبا کو پڑھانے میں مدد کی تو یہ علم پڑھنے والے جب تک علم پر عمل کرتے رہیں گے، اس عورت کو اس کا اجر ملے گا۔ نہر بنوانا، کنواں بنوانا، درخت لگوانا، مسجد بنوانا، مسجد میں قرآن پاک کو رکھنا، یا نیک اولاد

اپنے پیچھے چھوڑ نا یہ صدقات جاریہ ہیں۔

صرف مال کا صدقہ نہیں ہوتا:

اکثر عورتوں کے ذہن میں یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ جی ہمارے تو وسائل ہی اتنے نہیں کہ ہم صدقہ کر سکیں تو بھئی یہ بات ذہن میں رکھیں کہ صرف مال خرچ کرنے کا نام ہی صدقہ نہیں ہوتا، یہ اپنا Concept (سوچ) آج ذرا درست کر لیں۔ مال خرچ کرنا یہ بھی صدقہ ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے کام صدقہ ہیں تو وہ کام بغیر مال خرچ کیے بھی ہو سکتے ہیں، وہ کام تو ہر عورت کر سکتی ہے۔ چونکہ صدقہ خاوند کے مال سے کرنا ہو تو اس سے اجازت لینی ہوتی ہے، اسے اعتماد میں لینا ہوتا ہے بغیر اجازت تو عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر یقین ہو کہ خاوند خوش ہوگا، اعتراض نہیں کرے گا تو پھر کر بھی سکتی ہے۔ لیکن وہ کام جن میں کوئی مال خرچ نہیں ہوتا، وہ تو ہر عورت کر سکتی ہے، کنواری بھی، شادی شدہ بھی، بوڑھی بھی، ہر عورت کر سکتی ہے۔ چنانچہ آج اس کی ذرا تفصیل سمجھ لیں۔

جسم کے ہر جوڑ کا صدقہ:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہر انسان کے جسم کے اندر جوڑ ہیں اور اسے چاہیے کہ اپنے ہر جوڑ کے بدلے میں روزانہ صدقہ کیا کرے۔ ہر جوڑ کی سلامتی کے بدلے میں اس کے اوپر صدقہ واجب ہے۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! ہمارے پاس تو اتنے وسائل نہیں ہیں کہ جسم کے تین سو سے زیادہ جوڑ ہیں اور ہر جوڑ کے بدلے میں ہم روزانہ صدقہ کریں۔ تو پھر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے سمجھایا کہ دیکھو! زبان سے سبحان اللہ پڑھنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور دن کے وقت دس بجے کے قریب چاشت کی دو رکعت پڑھی

جاتی ہے، یہ بھی انسان کے لیے صدقہ ہے اور یہ چاشت کی دو رکعت پڑھنے سے گویا پورے جسم کے جوڑوں کا صدقہ بندے نے ادا کر دیا۔ اب کون سی عورت ہے جو کہے کہ میں تو چاشت کی دو چار رکعت پڑھ ہی نہیں سکتی، ہر عورت پڑھ سکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دن کے نو دس بجے جب بچے سکولوں کو چلے جاتے ہیں، خاوند دفتروں میں چلے جاتے ہیں، عورت گھر کی صفائیوں اور کاموں سے فارغ ہو جاتی ہے تو اس وقت ٹی وی آن کر کے گانے سننے کے اور ریکارڈنگ سننے کی بجائے، اس وقت اگر وضو کر کے دو چار رکعت پڑھ لی جائے تو اس کے دو فائدے ہیں:

ایک تو اس نماز کے پڑھنے سے انسان کے جسم کے جتنے بھی جوڑ سلامت ہیں ان کا شکر ادا ہو جاتا ہے، ان کا صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔ اللہ کا کتنا کرم کہ اس نے جوڑوں میں درد نہیں کی، اللہ کا کتنا کرم کہ ہمارے جسم کے جوڑ سلامت ہیں، چل سکتے ہیں، بیٹھ سکتے ہیں، اٹھ سکتے ہیں۔ بوڑھی عورتوں کو دیکھو! کھڑی ہیں تو بیٹھ نہیں سکتی، بیچاری بیٹھی ہیں تو کھڑی نہیں ہو سکتی۔ تو ہمارے جوڑ جو اللہ نے سلامت رکھے لہٰذا ہمارے اوپر لازم ہے کہ اسکا شکر ادا کریں۔ تو چاشت کی دو چار رکعت پڑھ لینے سے پورے جسم کے جوڑوں کا صدقہ ادا ہو جاتا ہے

دوسرا، اس نماز کے پڑھنے پر اللہ تعالیٰ رزق کے اندر برکت عطا فرماتے ہیں۔ کون سی عورت ایسی ہے جس کو رزق میں برکت کی ضرورت نہیں؟ ہر عورت کو رزق میں برکت کی ضرورت ہے، تو اس سے دو فائدے مل گئے۔ اس لیے یہ نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مسکرانا بھی صدقہ ہے:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے مسکرا کر ملتا ہے تو مسکرانا بھی صدقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد، مرد سے ملے تو

مسکرا کر ملے، عورت، عورت سے ملے تو مسکرا کر ملے۔ چنانچہ کھلے چہرے کے ساتھ، مسکراتے چہرے کے ساتھ دوسری عورتوں سے ملنا، بات کرنا، سلام کرنا، یہ بھی صدقہ ہے۔

مصیبت زدہ کی مدد کرنا صدقہ ہے:

پھر فرمایا کہ ہر نیکی کا کام کرنا صدقہ ہے، مصیبت زدہ کی مدد کرنا صدقہ ہے۔ مصیبت زدہ کی مدد صرف مال سے نہیں ہوتی، آپ تسلی کے دو بول کہہ دیں، محبت کے دو بول بول دیں تو غمزدہ عورت کے دل کو تسلی ہو جائے گی اور آپ کے لیے یہ دو باتیں کہنی صدقہ بن جائیں گی۔ بھوکے کو کھانا کھلانا صدقہ، مہمان کی مہمان نوازی صدقہ، تو دیکھو کتنے آرام سے ہم صدقے کے یہ کام کر سکتے ہیں!

اللہ کا ذکر صدقہ ہے:

ایک اور حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، لہٰذا ہمیں بات بات پر سبحان اللہ کہنا چاہیے، اللہ کا مجھ پر یہ کرم ہے۔ سبحان اللہ، میرے بیٹے نے یہ کیا۔ سبحان اللہ، میری بیٹی نے یہ کیا۔ چنانچہ سبحان اللہ کا لفظ آپ اپنی گفتگو میں کثرت سے استعمال کرنا شروع کر دیں تو خود بخود صدقے کا ثواب ملتا جائے گا۔

اسی طرح الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اگر کوئی پوچھے کہ آپ کیسی ہو؟ تو آپ کہیں کہ الحمد للہ، اللہ کا بڑا کرم ہے۔ تو الحمد للہ کا جو لفظ آپ نے کہہ دیا اس پر تو آپ کو صدقہ کا ثواب مل گیا۔

اسی طرح کسی بات پر اللہ اکبر کہہ دینا، لا الہ الا اللہ بیٹھی پڑھتی رہنا۔ اب کتنے کام ہیں جیسے آپ کھانا پکانے کے دوران اپنی زبان سے ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد کرتی

رہیں تو جتنی دفعہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھیں گی اتنی مرتبہ صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔

امر بالمعروف صدقہ ہے:

پھر حدیث پاک میں فرمایا کہ امر بالمعروف بھی صدقہ ہے۔یعنی بچوں کو نماز کے لیے کہنا، اپنے میاں کو پیارے، اچھے انداز میں کہنا، اسی طرح بہن کو، بھائی کو، چھوٹوں کو، بڑوں کو، ابو نماز نہیں پڑھتے، ابو! میں نے آپ کے لئے پانی گرم کر دیا آپ وضو کر لیجیے، مصلی بچھا دیا نماز پڑھ لیجیے تو یہ امر بالمعروف بھی صدقہ ہے اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے یعنی برائی سے منع کرنا۔بیٹی کو کہنا: بیٹی! ننگے سر نہ بیٹھا کرو، بیٹی اس طرح فون پر باتیں نہیں کرتے، بیٹی اس طرح ٹی وی نہیں دیکھتے، تو برائی سے احسن انداز میں روکنا بھی صدقہ ہے۔

میاں بیوی کا ملنا صدقہ ہے:

اور اس سے بڑھ کر ایک بات شادی شدہ عورتوں کے لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میاں بیوی کا ایک دوسرے سے ہم بستری کرنا بھی صدقہ ہے۔صحابہ نے جب یہ سنا تو بڑے حیران ہوئے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم تو ملتے ہیں اپنی ضرورت اور لذت کی خاطر تو یہ بھی صدقہ ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بتاؤ کہ اگر تم زنا کے مرتکب ہو گے تو کیا تمہیں سزا ملے گی؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جی بالکل ملے گی تو فرمایا کہ جب اس کو حلال طریقے سے پورا کریں گے تو پھر اجر بھی ملنا چاہیے۔ لہٰذا میاں بیوی کو ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانا صدقہ، میٹھی باتیں صدقہ، پاس بیٹھنا صدقہ، ایک دوسرے کے منہ میں لقمہ دینا صدقہ، ایک دوسرے سے ملنا صدقہ، سبحان اللہ! اللہ رب العزت نے مومن کے لیے کیا آسانیاں کر دیں۔

روزِ آخرت کیا کام آئے گا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ رو رہی تھیں، نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کہ حمیرا کیوں رہی ہو؟ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں قیامت کے دن کو یاد کر کے رو رہی ہوں، پھر کہنے لگیں کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! قیامت کے دن تو ہر بندہ اپنے اہل خانہ کو یاد رکھے گا نا؟ مقصد یہ تھا کہ قیامت کے دن تو آپ مجھے یاد رکھیں گے نا۔ دیکھیے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل پر اس دن کا کیسا خوف تھا، اس دن کا؟ جن کی گود میں اللہ کے محبوب کی وفات ہوئی، جن کے بستر پر وحی اترتی تھی، جن کے دوپٹے کو اسلام کا جھنڈا بنا کر اللہ کے محبوب نے اپنے ہاتھوں سے لہرایا، جن کی پاکدامنی کی اللہ نے گواہی دی، جن کو جبرئیل علیہ السلام کے سلام آتے تھے، اللہ اکبر! وہ رو رہی ہیں کہ قیامت کے دن کیا حال ہوگا؟ اے اللہ کے نبی ﷺ! قیامت کے دن آپ تو اپنے اہل خانہ کو یاد رکھیں گے تو نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا: حمیرا! قیامت کے دن تین موقعے ایسے آئیں گے کہ کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کو یاد نہیں رکھ سکے گا، پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ! کون کون سے؟ فرمایا کہ جب نامہ اعمال ملنے کا وقت آئے گا اور وہ کسی کو دائیں ہاتھ میں مل رہا ہوگا کسی کو بائیں ہاتھ میں، لوگوں کے اوپر ایک خوف کی کیفیت ہوگی کہ پتہ نہیں مجھے کس ہاتھ میں ملتا ہے؟ تو فرمایا: نامہ اعمال کے ملنے کے وقت اتنا خوف ہوگا کہ کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کو یاد نہیں کرے گا۔

پھر فرمایا کہ عائشہ! جب میزان میں نیکیاں تل رہی ہوں گی جب تک فیصلہ نہیں ہو جائے گا کہ اس انسان کی نیکیاں بھاری یا گناہ، اس وقت تک کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کو یاد نہیں کرے گا، اور فرمایا: تیسرا پل صراط سے گزرتے ہوئے، جب تک بندہ پل صراط سے نہیں گزر جائے گا کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کو یاد نہیں کرے گا۔ نہ

خاوند پاس ہوگا، نہ ابو ہوں گے، نہ بھائی ہوں گے، ایک اکیلی عورت ہوگی، ان گھاٹیوں میں سے اکیلا گزرنا پڑے گا۔ کتنی دہشت ہوگی! کتنی ہیبت ہوگی! کوئی پکارنے کے باوجود بھی قریب نہیں آئے گا، اکیلے ان گھاٹیوں میں سے گزرنا ہوگا اس کی تیاری کرنے کے لیے آج وقت ہے۔

نیکی کام آئے گی:

چنانچہ ایک بزرگ گزرے ہیں مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ، پولیس کے محکمے میں شروع میں کام کرتے تھے اور شرابی کبابی قسم کے آدمی تھے، ایک بہت خوبصورت باندی انہوں نے خریدی اور اس سے ان کو بڑی محبت تھی، اس باندی سے ان کی ایک بیٹی ہوئی، وہ اپنی ماں سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ ان کو اس بیٹی سے بہت پیار تھا یہ اکثر اس بیٹی کو اپنی گود میں اٹھائے رکھتے اور وہ بچی ان سے کھیلتی، ان سے باتیں کرتی۔ جب وہ دو سال کی عمر کی ہوگئی، یہ جب بھی اسے لے کر گود میں بیٹھتے اور شراب پینے لگتے تو وہ گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر گرا دیتی، کبھی ان کی داڑھی کے ساتھ کھیلتی مگر یہ اس کو کچھ نہ کہتے۔ اللہ کی شان کہ کسی بیماری کی وجہ سے دو سال کی عمر میں اس بچی کی وفات ہوگئی، ان کے دل پر بڑا صدمہ ہوا، کئی دن مغموم رہے۔ ایک دن سوئے ہوئے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ قیامت کا دن ہے، ایک زوردار دھماکہ ہوا، جب انہوں نے دیکھا تو ایک بہت بڑا اژدھا ہے جو منہ کھولے ان کی طرف بھاگا چلا آرہا ہے۔ اب اس اژدھے کو دیکھ کر ان کی حالت بری، یہ پریشان، یہ بھاگنے لگے۔ بھاگتے جا رہے ہیں، اژدھا پیچھے آرہا ہے۔ راستے میں ان کو ایک کمزور سا آدمی ملا، سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، بوڑھا تھا، انہوں نے اس سے کہا کہ مجھے اژدھے سے بچاؤ! وہ بوڑھا کہنے لگا کہ میں تو کمزور ہوں میں تو بچا نہیں سکتا، البتہ تمہیں آگے یہ پہاڑیاں نظر آرہی ہیں تم ان کی طرف جاؤ! تو شاید بچنے کا کوئی سبب

بن جائے۔ انہوں نے بھاگنا شروع کردیا، اژدھا ان کے پیچھے پیچھے ......ایک پہاڑی کی طرف جو بھاگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آگے جہنم ہے، قریب تھا کہ یہ پہاڑی کی طرف جاتے تو جہنم میں جا گرتے، یہ وہاں سے پھر واپس بھاگے، جب انہوں نے وہاں سے ٹرن لیا تو اژدھا بھی ان کے پیچھے۔ اب اژدھا پہلے کی نسبت ان کے قریب ہو گیا تھا اور ان کو محسوس ہوا کہ شاید یہ اژدھا مجھے پکڑ لے گا اور ایک لقمہ بنا لے گا، پھر بھاگے بھاگے واپس آئے تو وہی بوڑھا نظر آیا، انہوں نے پھر درخواست کی کہ مجھے بچا لیجیے! اس نے کہا کہ میں تو کمزور ہوں، میں تو مدد نہیں کر سکتا، البتہ تم اس دوسری پہاڑی پر جاؤ! شاید تمہارے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ یہ دوسری پہاڑی کی طرف بھاگے اب اژدھا بھی تیز بھاگنے لگا، اتنا قریب آ گیا کہ ان کو یہ ڈر ہوا کہ بس اب تھوڑی دیر میں اژدھا مجھے اپنے منہ میں ڈال لے گا، اور اژدھا ایسی آواز نکال رہا تھا اور اتنا بڑا تھا، خوف کے مارے پسینے چھوٹ رہے تھے اور بری حالت تھی۔ یہ ذرا آگے گئے تو انہوں نے وہاں بہت سے مکانات بنے ہوئے دیکھے۔ وہاں ایک دربان تھا، اس نے ان کو دیکھتے ہی اعلان کیا کہ بچو! باہر نکلو! تم میں سے کوئی ہے جو اس کی شفاعت کرنے والا ہو، تو اس بات کو سنتے ہی دروازے کھل گئے، لاکھوں بچے ان مکانوں میں سے باہر جھانکنے لگے، تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی دو سال کی بیٹی جو فوت ہو گئی تھی اچانک وہ سامنے آئی، اس نے چھلانگ لگائی اور ان کے قریب آ گئی، اس نے اپنے ہاتھ کا اشارہ جو کیا تو وہ اژدھا پیچھے بھاگ گیا۔ اب یہ بیٹی کو گود میں لے کر بڑے خوش ہو گئے، کہنے لگے: بیٹی تو یہاں کیسے؟ تو بیٹی نے کہا:

﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

(الحدید: ١٦)

”کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے ڈر

جائیں''

وہ نیک بن جائیں، ان کے دل پر اسکا بڑا اثر ہوا۔ کہنے لگا: بیٹی یہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگی کہ یہ وہ گھر ہے جہاں مسلمانوں کے چھوٹے بچے فوت ہو جاتے ہیں، وہ یہاں پر پالے جاتے ہیں تاکہ قیامت کے دن وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت کرسکیں۔ آپ کو جب میں نے دیکھا تو میں آپ کی گود میں آگئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ اژدھے والا معاملہ کیا ہے؟ تو بچی نے کہا: ابو! یہ اژدھا آپ کے گناہ ہیں جو اتنے زیادہ تھے کہ اتنے بڑے اژدھا کی صورت اختیار کر گئے اور اس بوڑھے کو جو آپ نے دیکھا، وہ آپ کے نیک اعمال ہیں، اگر آپ کے نیک اعمال زیادہ ہوتے تو وہ نوجوان بندے کی شکل میں ہوتا اور آپ کو اژدھے سے بچالیتا، گناہ تھوڑے ہوتے تو اژدھا چھوٹا ہوتا، اب وہ آپ کے نیک اعمال آپ کو بچا تو نہ سکے مگر انہوں نے رہنمائی کر دی کہ آپ میری طرف آجائیں، چنانچہ اب میں نے آپ کو اژدھے سے بچالیا، تو ابو! اب آپ توبہ کر لیجیے، اللہ سے ڈر جایئے۔ اس خواب کے پورا ہوتے ہی ان کی آنکھ کھل گئی، انہوں نے سچی توبہ کر لی اور پھر اتنے بڑے ولایت کے مقام کو پانے والے بزرگ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آج کی اس محفل میں سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

آٹھویں شرط

روزہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○ (احزاب: ۳۵)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مغفرت کی آٹھویں شرط:

بائیسویں پارے کے دوسرے رکوع کی آیت میں اللہ رب العزت نے د شرائط بیان فرمائی ہیں کہ جن پر عمل کرنے والے مرد اور عمل کرنے والی عورت کے ساتھ جنت کا وعدہ ہے۔ ان میں سے آٹھویں شرط ہے

﴿ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ ﴾ (احزاب: ۳۵)

''روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں''

گویا روزہ کی فضیلت کے پیش نظر اس کو خاص طور پر یہاں ذکر فرمایا ہے۔

نفس کا علاج:

علما نے لکھا ہے اللہ رب العزت نے جب نفس کو پیدا فرمایا تو اس سے پوچھا:

مَنْ اَنَا وَمَنْ اَنْتَ؟ ''میں کون اور تو کون؟''

اس نے جواب دیا:

اَنَا اَنَا وَاَنْتَ اَنْتَ ''میں میں ہوں اور آپ آپ ہیں''

تو اس پر اللہ رب العزت نے اس کو آگ کا عذاب دیا، پھر پوچھا تو اس نے پھر بھی وہی جواب دیا۔ پھر اللہ رب العزت نے اسے ٹھنڈ کا عذاب دیا، پھر جب پوچھا تو پھر وہی جواب۔ پھر اس کو بوجھ کے نیچے رکھا، بعد میں پوچھا تو پھر وہی جواب۔ اب اللہ رب العزت نے اس کو بھوکا پیاسا رکھا، جب کئی سال بھوکا پیاسا رکھنے کے بعد پوچھا کہ میں کون اور تو کون؟ تب اس نے کہا کہ آپ پروردگار اور میں آپ کا بندہ۔ تو اللہ رب العزت نے اس وقت سے بھوک اور پیاس کو انسانی نفس کی اصلاح کے لیے علاج بنا دیا۔

روزہ تمام مذاہب کی عبادت:

چنانچہ جتنی بھی شریعتیں دنیا میں آئیں، ان سب میں روزے کو متعین کیا گیا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے مہینے کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کو دیکھا کہ چاند اپنی پوری تابانی پر ہوتا ہے تو انہوں نے تین دن کے روزے رکھے، ان کو ایام بیض کے روزے کہا جاتا ہے۔ چونکہ جنت سے وہ زمین کی طرف اتارے گئے تھے، یہاں اکیلے بھی تھے، تو عام دنوں میں تو راتیں تاریک ہوتی تھیں لیکن جب راتیں روشن ہوئیں تو ان کو یہ بات اچھی لگی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے شام کے وقت کنویں میں ڈالا اور پھر اپنے والد کے پاس آگئے اس لئے آیا کہ

وَجَاءُوْا اَبَاهُمْ عِشَاءً يَّبْكُوْنَ

وہ عشا کے وقت اپنے والد کے پاس روتے ہوئے واپس آئے ۔تو سیدنا یوسف علیہ السلام کی عمر بھی چھوٹی تھی اور ان کو اندھے کنویں میں پھینکا گیا، تو جب پھینکا تو ان کا غم بڑھ گیا اور پھر رات کا اندھیرا بھی ہو گیا تو اندھیرے کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی طبیعت اور بھی گھبرائی اور کرب میں اضافہ ہو گیا، حتیٰ کہ پوری رات کا اندھیرا انہوں نے مشکل کے اندر گزارا، جب صبح صادق ہوئی تو اندھیرا کم ہونے لگا، روشنی نمودار ہونے لگی، تو ان کو یہ بات اچھی لگی اور کچھ اطمینان ہوا کہ وہ اندھیرا بڑھنے کی بجائے اب گھٹنے لگا ہے، تو کتابوں میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس وقت دعا مانگی کہ اے اللہ! اس وقت میں میرے کرب کو بھی ختم کر دے اور دنیا میں جو بھی کرب والے لوگ ہیں اس وقت میں ان تمام کے کرب کو ختم فرما۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا تو آپ تجربہ کر لیں، مشاہدہ کر لیں دنیا کا کوئی بھی مریض ہو دکھی ہو، غمزدہ ہو، پریشان حال ہو، دن میں بھی پریشان رہے گا، رات میں بھی لیکن سحری کا وقت اللہ تعالیٰ نے ایسا برکت والا وقت بنایا ہے کہ مریض کی بیماری کم ہو جاتی ہے، غمزدہ کا غم کم ہو جاتا ہے، پریشان حال کی پریشانی کم ہو جاتی ہے، اس وقت کو اللہ رب العزت نے سب کے لیے آسانی کا وقت بنا دیا۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کی قبولیت تھی کہ سحری کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنا دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے یعنی دس محرم کا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے گویا سال میں چھ مہینے روزہ رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے

اللہ تعالی سے ہمکلامی کے لیے گئے تو چالیس دن روزے رکھے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام سات دن کا روزہ رکھتے تھے۔ان کے علاوہ ہندوؤں میں براہمن چوبیس روزے رکھتے ہیں۔

چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جس میں روزہ نہ ہو،چنانچہ یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ عبادت کرنے والے دنیا میں کہیں بھی ہیں،کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہیں،وہ روزے کو عبادت سمجھتے ہیں۔

مگر دیگر مذاہب کے لوگوں کے روزے ناقص ہوتے ہیں۔جیسے عیسائی روزے رکھتے ہیں،وہ روٹی تو نہیں کھاتے لیکن دن میں پانی پیتے رہتے ہیں،وہ بس یہ شرط لگاتے ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے،اس کا مطلب ہے کہ روزہ تو انہوں نے رکھا مگر ناقص ہوا۔دین اسلام میں کامل روزے کی تعلیم دی گئی،روزے کے تین درجے بتائے گئے۔

روزے کے تین درجے

اس روزے کے تین درجے ہیں:-

عوام کا روزہ:

ایک درجہ تو وہ ہے جس کو کہتے ہیں عوام کا روزہ،وہ یہ ہے کہ انسان کھانے پینے اور میاں بیوی والے کام سے رک جائے،جس نے ان تین چیزوں سے اپنے آپ کو روک لیا تو یہ عوام کا روزہ کہلائے گا۔

خواص کا روزہ:

ایک ہوتا ہے خواص کا روزہ:خواص کا روزہ یہ کہ انسان کھانے پینے اور جماع

سے بھی رک جائے اور جسم کے اعضاء کو گناہوں سے بھی بچائے۔ اعضاء کا بھی روزہ ہو، مثلاً آنکھ غلط نہ دیکھے، کان غلط نہ سنیں، زبان سے جھوٹ اور غیبت نہ نکلے، تو یہ اعضاء بھی کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوں، یہ خواص کا روزہ ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ کچھ لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں مگر اعمال کی پابندی نہیں کرتے، نمازیں بھی نہیں پڑھتے، یا موسیقی سنتے رہتے ہیں، یا پھر عورتیں آپس میں مل بیٹھ کر غیبت کرتی رہتی ہیں۔

یہ غیبت کا گناہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ یہ اس کو غیبت ہی نہیں سمجھتیں، چنانچہ عورتوں کو جب کہا جاتا ہے کہ یہ آپ نے غیبت کی ہے تو آگے سے جواب دیتی ہیں: میں نے کونسا جھوٹی بات کی ہے، میں نے تو سچی بات کی ہے۔ حالانکہ غیبت کی تعریف یہ ہے کہ آپ کسی کی عدم موجودگی میں کوئی ایسی بات کریں کہ اگر وہ سن لے تو اس کو بری لگے، اب اگر وہ بات سچی ہوگی تو غیبت ہوگی اور اگر جھوٹی ہوگی تو بہتان ہوگا۔ اگر کرنی ہے تو منہ پر کریں، آگے پیچھے کیوں کرتی ہیں؟ اور شریعت نے اسکو اتنا ناپسند کیا کہ حدیث پاک میں آیا ''اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا'' غیبت تو زنا سے بھی زیادہ برا کام ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا اور وہ آپس میں بیٹھی باتیں کرتی رہیں، ان کو بہت روزہ لگا، اتنا لگا کہ مرنے کے قریب ہو گئیں۔ تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں خبر پہنچائی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ روزے سے تو نہیں ہیں، انہوں نے تو روزہ افطار کر لیا۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے پیارے محبوب ﷺ! انہوں نے روزہ افطار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو کہو کہ وہ کلی کریں، جب ان عورتوں نے کلی کی تو ان کے منہ سے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نکلے۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ کسی کی غیبت کرنا مردار کا گوشت کھانے کی مانند ہے، ان عورتوں نے روزے کی حالت میں غیبت کی اور معجزے کے طور پر ان کے منہ سے مردار گوشت کے ٹکڑے برآمد ہوئے، تو اس بات کا اندازہ لگانا چاہیے کہ غیبت

کتنا ناپسندیدہ عمل ہے! تو جو لوگ کھانے پینے اور جماع سے بھی رکیں اور اپنے جسم کے اعضا کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی روکیں یہ خاص لوگوں کا روزہ کہلاتا ہے۔

اخص الخواص کا روزہ:

اور ایک ہوتا ہے اخص الخواص کا روزہ، یہ سب سے اونچے مرتبے کا روزہ ہے۔ یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ لوگ اپنے آپ کو کھانے، پینے، جماع سے بھی روکتے ہیں اور اپنے اعضا کو گناہوں سے بھی روکتے ہیں اور اپنے دل کو غفلت سے بھی روکتے ہیں، وہ پورا دن ایسے گزارتے ہیں کہ ان کو اللہ رب العزت سے ایک لمحہ کے لیے بھی غفلت نہیں ہوتی یہ کامل روزہ ہے۔

روزے کے فوائد

اس روزے میں اللہ رب العزت نے عجیب وغریب فوائد رکھے ہیں۔

دماغ تروتازہ رہتا ہے:

مثال کے طور پہ: جو انسان روزہ رکھتا ہے یا کم کھاتا ہے اس کا دماغ بہت فریش (تازہ) رہتا ہے، سائنس دانوں نے لکھا ہے کہ اس کا آئی کیو لیول (ذہانت کا درجہ) بہت ہائی (اونچا) رہتا ہے۔ زیادہ کھانے سے انسان کے دماغ میں غفلت آتی ہے، پردہ آجاتا ہے۔ اسی لیے جو لوگ ڈٹ کر کھاتے ہیں وہ پھر جم کے سوتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں آپس میں لازم وملزوم ہیں، جو انسان بھی ڈٹ کے کھائے گا وہ بالآخر جم کے سوئے گا، چند گھنٹوں کی نیند سے اس کی طبیعت میں سیری نہیں ہوتی۔ تو کھانے کا اور نیند کا آپس میں تعلق ہے، جتنا زیادہ کھائیں گے اتنا زیادہ سوئیں گے۔ اور کم کھانے والے بندے کی نیند بھی ذرا کم ہوتی ہے۔ تھوڑی نیند سے اس کی طبیعت

fresh (تازہ دم) ہو جاتی ہے۔ اسی لیے جو پیٹ بھر کر کھائے اسے اونگھ آنا شروع ہو جاتی ہے اور ظاہری طور پر دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اور دماغ تو ویسے بھی زیادہ کھانے کی وجہ سے Slow ہو جاتا ہے۔ تو کم کھانے کے فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان کا دماغ تروتازہ رہتا ہے۔

اللہ کی نعمتوں کی قدر آتی ہے:

علما نے لکھا ہے کہ کم کھانے کے فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر آجاتی ہے۔ مثال کے طور پر: جس بندے نے روزہ رکھا، گرمیوں کا موسم ہے، سخت پسینہ بھی ہے، پیاس بھی ہے اور اس کے باوجود یہ بندہ پانی نہیں پیتا تو اب اس کو پانی کی قدر کا پتہ چلے گا کہ یہ پانی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے! جب قدر نہیں ہوتی تو وہ نعمت ضائع ہوتی رہے، بندے کو احساس ہی نہیں ہوتا۔ ہم نے دیکھا کہ گھروں کے اندر عورتیں پانی کی ٹونٹی چلا دیتی ہیں اور کسی دوسرے کام میں لگ جاتی ہیں تو پانی ضائع ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس نعمت کی قدر کا احساس نہیں ہے۔ اور کئی بچیوں کو دیکھا کہ وہ Sink سنک کے اوپر جاتی ہیں، ٹونٹی چلا دیتی ہیں اور برش کرنا شروع کر دیتی ہیں تو جتنی دیر وہ ٹوتھ برش کر رہی ہیں اتنی دیر جو پانی گر رہا ہے وہ فضول ضائع ہو رہا ہے۔ یہ کس لیے چونکہ ان کو نعمت کی قدر کا احساس نہیں ان کو پتہ نہیں کہ یہ پانی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے اس کو Us e (استعمال) کرنا ہے Missuse (بے جا استعمال) نہیں کرنا۔ ان لوگوں کے پاس ذرا جا کر دیکھو کہ جہاں پانی نہیں ملتا، وہ بیچارے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہوتے ہیں اور کئی جگہوں پر ہم نے پہاڑی علاقوں میں دیکھا کہ عورتیں گھڑے میں چشمے سے پانی بھر کر اپنے سروں پر اٹھا کر گھر لاتی ہیں۔ ایک ایک گھڑا پانی کا اپنے سر پر اٹھا کر لاتی ہیں۔ آپ سوچیں ان کو پانی کی کتنی قدر ہوگی؟ طہارت کے لیے پانی استعمال

کرنا، وضو کے لیے کرنا، پینے کے لیے کرنا، تو نعمت کی جب قدر آئے تو پھر انسان اسے اچھی طرح استعمال کرتا ہے۔

اس نعمت کی ہم قیمت تو ادا کر ہی نہیں سکتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کا دن ہو گا، ایک بندے کو اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ رب العزت اس سے سوال فرمائیں گے، اے میرے بندے! کیا تو نے میری نعمتوں کا حق ادا کر دیا؟ وہ کہے گا: جی اللہ میں نے آپ کی بڑی عبادت کی، بڑا نیک تھا، بڑی اچھی زندگی گزار کر آیا ہوں، میری پانچ سو سال کی زندگی تھی اور میں نے عبادت میں گزار دی، میں نے تو آپ کی نعمتوں کا حق ادا کر دیا۔ جب وہ کہے گا کہ میں نے تو واقعی نعمتوں کا حق ادا کر دیا، تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس کو پیاس لگا دیں گے اور پیاس ایسی لگے گی کہ بس جان پر بن جائے گی اور جی چاہے گا کہ کہیں سے پانی کا ایک قطرہ میرے حلق میں ٹپکا دیا جائے، ایسے وقت میں ایک فرشتہ ٹھنڈے پانی کا پیالہ لے کر اس کے سامنے آئے گا، ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس کی پیاس کی شدت اور زیادہ ہو جائے گی اور یہ اس فرشتے سے کہے گا کہ مجھے پانی پینے دو! مگر فرشتہ کہے گا کہ نہیں، مجھے اس کی قیمت ادا کرو! اب قیامت کے دن میں جو بھی چیز ہوگی اس کی قیمت میں اس کی نیکی وصول کی جائے گی۔ دنیا میں لوگ پیسے وصول کرتے ہیں، آخرت میں نیکی وصول کی جائے گی۔ چنانچہ یہ بندہ کہے گا کہ ٹھیک ہے، اس پانی کے پیالے کے بدلے میں ایک سال کی نیکیاں دیتا ہوں، وہ فرشتہ نہیں مانے گا، اچھا بھئی! دو سال کی نیکیاں لے لو! نہیں، تین سال کی لے لو، کرتے کرتے ادھر سے پیاس بڑھتی رہے گی اور شدت بڑھ جائے اور یہ بے حال ہو کر کہے گا کہ اچھا میں نے آدھی زندگی کی نیکیاں دے دیں۔ تو وہ فرشتہ اس پر بھی نہیں مانے گا، کتابوں میں لکھا ہے، ایک ایسا وقت آئے گا کہ یہ مجبور ہو کر کہے گا کہ میں اپنی پوری

زندگی کی نیکیاں دیتا ہوں، مجھے پانی کا پیالہ پینے دو۔ جب یہ فرشتے کے ساتھ ڈیل کرلے گا، تب اللہ رب العزت اس بندے سے فرمائیں گے: اے میرے بندے! تیری ساری زندگی کی نیکیاں میرے پانی کے ایک پیالے کی قیمت نہ بنی، اور تو نے تو اپنی زندگی میں کتنے ہی پیالے پانی پیا تھا، تو نے کیا کیا نعمتیں استعمال کی تھیں! تو کیسے دعوٰی کرتا ہے کہ تو نے میری سب نعمتوں کا حق ادا کردیا؟

تو واقعی اگر ہم غور کریں تو اللہ رب العزت کی نعمتوں کی ہم قدر دانی تبھی کر سکتے ہیں، جب دل میں احساس ہو۔ تو روزہ رکھنے کی وجہ سے دل میں احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اب روٹی کا جو لقمہ ہمارے منہ میں جاتا ہے، ہم ذرا غور کریں کہ یہ کتنے مراحل طے کر کے آتا ہے! کسی نے زمین پر حل چلایا ہوگا، زمین میں بیج ڈالا ہوگا، پانی لگایا ہوگا، پھر اس کھیتی کو سورج نے دھوپ دی، ہوا نے اس کو آکسیجن دی اور اس کو روشنی بھی ملی، پھر وہ پودا بالآخر بڑا ہوا، حتی کہ کسی نے اسے کاٹا، پھر اس میں سے گندم نکالی، پھر اسے پیسا، آٹا بنا، پھر کسی نے اس کی روٹی پکائی ہوگی، اب اتنے مراحل سے گزر کر وہ روٹی کا ایک لقمہ ہمارے ہاتھ میں آیا اور ہماری حالت یہ ہوتی ہے کہ جب دستر خوان سمیٹتے ہیں تو آدھی آدھی روٹی کے لقمے بھی کئی مرتبہ پڑے ہوتے ہیں، ان کو بھی دستر خوان میں لپیٹ کر کوڑے کے اندر ڈال دیتے ہیں۔ ہم نے حج اور عمرے کے موقع پر روٹی کی اتنی بے قدری ہوتے دیکھی ہے کہ حیران ہو جاتے ہیں! دراصل قدر نہیں ہوتی، اگر قدر ہو تو انسان پھر اس طرح رزق کو ضائع نہ کرے، تو روزے کی وجہ سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر آجاتی ہے۔

غریبوں کے ساتھ جذبۂ ہمدردی:

پھر ایک فائدہ اس کا یہ بھی ہے کہ غریبوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ جب آدمی خود بھوکا پیاسا ہوتا ہے، تب اس کے دل میں یہ احساس

ہوتا ہے کہ جس غریب کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں، اس کا دن کیسے گزرتا ہو گا؟ اور اس کی رات کیسے گزرتی ہوگی؟ وہ غریب ماں اپنے بچوں کو بھوکا پیاسا دیکھ کر کیا سوچتی ہوگی؟ کیا اس کی کیفیت ہوتی ہوگی؟ تو غریبوں کے ساتھ احساسِ ہمدردی زیادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی عورت کے پاس اگر کوئی فقیر مانگنے کے لیے آئے گا، کوئی بیوہ خاتون آئے گی، کوئی معذور خاتون آئے گی تو یہ پھر اس کو خالی ہاتھ واپس نہیں جانے دے گی، اس لیے کہ اس کو پتہ ہوگا کہ غریبوں کے ساتھ یا خالی پیٹ حالت میں بندے کے ساتھ کیا گزرتی ہے؟ اور ویسے بھی عورت نے چونکہ گھر کے اندر خدمت کا کام کرنا ہوتا ہے، اگر اس کو احساس زیادہ ہوگا تو یہ دوسروں کی خدمت بھی زیادہ کرے گی اور اگر احساس ہی نہیں ہوگا تو بچے بھوکے بیٹھے رہیں گے، اس کو پرواہی نہیں ہوگی۔ خاوند دفتر سے آئے گا اور کہے گا کہ مجھے کھانا دو اور اس نے کھانا ہی نہیں پکایا ہوگا اس لیے کہ اس کو احساس جو نہیں۔ جس کو احساس ہوتا ہے تو اس کے گھر جب بھی کوئی مہمان آئے تو سب سے پہلے دستر خوان بچھا کر اس کو کھانا پیش کرتی ہے کہ یہ سفر سے آئی ہے، پتہ نہیں اس کو کتنی بھوک لگی ہوگی۔

حدیث پاک میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے کہ مہمان جیسے ہی گھر آئے تو دو کام کرنے چاہییں ایک تو اس کو پانی، کھانا جتنا جلدی ہو پیش کر دینا چاہیے کیا پتہ کہ وہ کتنی پیاس کی شدت میں آیا ہے یا کتنی بھوک کی شدت میں آیا ہے؟ اور دوسرا ہمارے علما نے لکھا کہ اپنے گھر کے اندر جو ضرورت کے فارغ ہونے کی جگہیں ہیں وہ دکھا دینی چاہییں ہو سکتا ہے کہ اس کو پیشاب پاخانے کا تقاضہ ہو اور اس کے لیے برداشت کرنا مشکل ہو مگر شرم کی وجہ سے پوچھ ہی نہ رہا ہو تو آتے ہی مہمان کے لئے دستر خوان بھی لگا دیا جائے اور ان کو کہہ بھی دیا جائے کہ آپ ہاتھ دھو لیجیے wash up کر لیجیے تو ان کے لیے ضرورت پوری کرنی بھی آسان ہو جائے گی اور پانی پینا یا روٹی

کھانا بھی ان کے لئے آسان ہو جائے گا۔تو یہ چیزیں تو بندہ تبھی کرتا ہے جب اس کے دل میں احساس ہوتا ہے۔

روزہ اور قوت ارادی:

ایک روزے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کی قوت ارادی بڑھ جاتی ہے، چونکہ انسان کے پاس گھر میں کھانا بھی ہے، پانی بھی ہے، ریفریجریٹر بھی ہے، پھل بھی پڑے ہیں، بھوک بھی لگی ہے۔سب کچھ ہونے کے باوجود نہ کھانا کھا رہی ہے نہ پانی پی رہی ہے، کچھ بھی نہیں کر رہی، کیوں اپنے نفس پر جبر کر رہی ہے،صبر کر رہی ہے۔ یہ جبر اور صبر قوت ارادی کے بغیر نہیں ہوسکتا، تو روزہ رکھنے سے انسان کے اندر قوت ارادی بڑھ جاتی ہے، اس کو پتہ ہوتا ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کرنا، میرے نفس کے اندر جتنا مرضی تقاضا ہو، مجھے یہ کام کرنا ہی نہیں۔اب جب یہ قوت ارادی بڑھ گئی تو پھر ایسی عورت کے لیے حالات کی اونچ نیچ میں زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے۔ اونچ نیچ تو زندگی میں آتی ہی ہے آج یہ عورت خوشیوں کی زندگی گزار رہی ہے تو فرض کریں کل اس کا میاں فوت ہو جاتا ہے کاروبار نہیں رہتا، آمدن کا مناسب ذریعہ نہیں رہتا تو اپنے بچوں کیساتھ اس کو غربت کے دن بھی گزارنے پڑ سکتے ہیں۔اب اس کے اوپر کئی طرح کے امتحان آتے ہیں تو یہ ایسے حالات میں تبھی گزارا کر سکتی ہے۔ جب اسکی قوتِ ارادی مضبوط ہو تو روزہ انسان کے اندر قوتِ ارادی کو مضبوط کر دیتا ہے۔اس لیے کتنی عورتیں ہیں جن کو لوگ برے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں مگر وہ ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی کسی کی طرف نہیں دیکھتیں، کیوں؟ ان کے اندر قوت ارادی ہوتی ہے۔غربت اپنی جگہ مگر اس مجبوری کی وجہ سے وہ اپنی عزت کو نیلام نہیں کرتیں۔ اس لیے حضرت اقدس تھانوی ﷫ نے فرمایا کہ مسلمان عورتوں میں سے کچھ اتنی پاکدامن عورتیں ہوتی ہیں کہ وہ حوروں جیسی صفات رکھتی ہیں، وہ غیر

مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی، غیر مرد کو اپنے ساتھ ہمکلامی کا موقع دیتی ہی نہیں۔ یہ کام بندہ تبھی کر سکتا ہے جب اس کے اندر قوت ارادی مضبوط ہو، ورنہ تو پھر ڈھلمل یقین سی لڑکی ہوگی اور ذرا ذرا سی اونچ نیچ کے حالات میں اپنے آپ کو سپرد کر دے گی، نہ اس کے پاس عزت بچے گی، نہ اس کی آبرو سلامت رہے گی۔ تو روزے کی وجہ سے انسان کے اندر ایک بڑی صفت قوتِ ارادی والی آجاتی ہے۔

روزہ اور جسمانی صحت:

روزے کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کم کھانے سے انسان کا جسم بھی صحیح رہتا ہے، جسم تندرست رہتا ہے۔ آپ غور کریں کہ ہماری اکثر بیماریاں کم کھانے کی وجہ سے نہیں بلکہ زیادہ کھانے کی وجہ سے ہیں۔ آپ غور کریں کہ معدے میں السر ہوتا ہے زیادہ کھانے کی وجہ سے، بلڈ پریشر ہوتا ہے زیادہ کھانے کی وجہ سے، شوگر ہوتی ہے زیادہ کھانے کی وجہ سے تو زیادہ کھانے کی بیماریاں آج ہمارے اندر زیادہ ہیں۔ جبکہ کم کھانے سے انسان کا جسم تندرست رہتا ہے، انسان فِٹ رہتا ہے اور انسان اچھی زندگی گزار سکتا ہے اس لیے ایک عام اندازہ یہ ہے کہ ہم عادتاً زیادہ کھاتے ہیں یعنی ہمیں زیادہ کھانے کی عادت پڑی ہوئی ہے ورنہ تو حکمانے لکھا ہے کہ اگر ایک کھجور کوئی بندہ کھالے تو ایک کھجور کے اندر اتنی غذائیت ہوتی ہے کہ تین دن تک اس بندے کو بھوک کی وجہ سے موت نہیں آسکتی۔ اگر ایک کھجور کے اندر اتنی غذائیت ہے تو دیکھو کہ ہم کھانے میں کیا کچھ کھا لیتے ہیں، میرا خیال ہے کہ ہم تو اپنی ضرورت سے دس گنا زیادہ کھا لیتے ہیں اور یہ ساری غذا بدن کی ضرورت ہوتی نہیں ہے۔ بدن کی ضرورت تو چند لقمے ہے۔ چنانچہ اگر کوئی تجربہ کرنا چاہے تو تجربہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ پانچ سات لقمے اگر کوئی بندہ کھالے تو آہستہ آہستہ اس کی یہی عادت بن جائے گی، اس سے Weight (وزن) بھی کنٹرول ہو جائے گا اور اس سے انسان ہلکا

ہلکا بھی رہے گا اور جسم کئی بیماریوں سے بچ جائے گا۔ آج کل کے دور میں لڑکیوں کو اپنے ویٹ کا بڑا احساس رہتا ہے اور یہ وزن کم کرنا چاہتی ہیں اور اسکے لیے پھر ڈائیٹنگ کرتی ہیں۔ یہ ڈائٹنگ کی کیا ضرورت ہے؟ شریعت نے روزہ جو بنادیا تو ڈائٹنگ کی بجائے نفلی روزے کی نیت کرلو اور ایک دن روزہ رکھ لو ایک دن کھانے کھالو۔ ایک دن روزہ ایک دن کھانا، اس سے وہ نعمت بھی نصیب ہوجائے گی جو حاصل کرنا چاہتی ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں عبادت بھی بن جائے گی تو Slim (دبلے) ہونے کے لیے ڈائٹنگ کی ضرورت نہیں بلکہ روزہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ پہلے زمانے کی عورتیں کثرت سے روزہ رکھتی تھیں۔ اور واقعی روزے رکھنے بھی چاہییں جس کا وزن زیادہ ہو رہا ہو اس کا وزن کنڑول کرنے کے لیے روزہ بہترین عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب بھی ملتا ہے اور انسان کی اپنی ضرورت بھی پوری ہوجاتی ہے۔

علما نے لکھا ہے کہ جب کوئی چیز کھائی جاتی ہے تو اگر انسان کھانے میں اس بات کا خیال رکھے کہ کون سی چیزیں وزن بڑھاتی ہیں تو وہ نہ کھائے اور جو چیزیں وزن نہیں بڑھاتی ان کو پیٹ بھر کر کھانے سے بھی انسان کا وزن نہیں بڑھتا۔ مثال کے طور پر: جو سبزیاں زمین کے اندر ہوتی ہیں وہ عام طور پر وزن بڑھاتی ہیں۔ جیسے آلو، شلجم، چقندر، شکر قندی اور گاجر مولی وغیرہ، یہ زمین کے اندر ہوتی ہیں۔ تو جو سبزیاں زمین کے اندر ہوتی ہیں، عام طور وہ کھانے سے انسان کا وزن جلدی بڑھتا ہے اور جو سبزیاں زمین کے اوپر ہوتی ہیں جیسے لوکی، بینگن، توری وغیرہ، اس قسم کی جتنی بھی سبزیاں ہیں یہ سبزیاں انسان کا وزن نہیں بڑھاتیں۔ تو اگر وزن ہی کا مسئلہ ہو تو انسان اپنی خوراک کی کوالٹی کو کنٹرول کرے، ایسی خوراک اگر کھائے جو وزن نہیں بڑھاتی تو پیٹ بھر کر کھانے سے بھی وزن نہیں بڑھتا۔ وزن تب بڑھتا ہے

جب ہم بغیر کسی احتیاط کے ہر چیز کھاتے ہیں، اس سے پھر مشکلات پیش آتی ہیں۔ چنانچہ وزن اگر گھٹانا ہو تو تین چیزیں بڑی اہم ہیں اور تینوں حرف ''چ'' سے شروع ہوتی ہیں مثلاً: چاول چربی اور چینی۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو لازماً وزن بڑھاتی ہیں اگر ان تین چیزوں سے احتیاط کی جائے تو انسان کے لیے وزن کم رکھنا بہت آسان ہے۔ ویسے تو اب اس وقت جو ڈاکٹر لوگ ہیں انہوں نے اس کو پبلسٹ بھی کر دیا کہ تین سفید چیزوں نے پوری دنیا میں تباہی پھیلا دی ہے۔ تین سفید چیزوں نے پوری دنیا کے اندر بیماریاں پھیلا دی ہیں: ان میں سے ایک سفید چیز چینی، دوسری سفید چیز چاول اور تیسری سفید چیز سفید آٹا یعنی میدہ۔ جتنی بھی ہماری بیماریاں ہیں وہ ان تین سفید چیزوں کے ساتھ ہیں اور ان سفید چیزوں کے ساتھ سفید چربی بھی ساتھ ملا لیں تو بات مکمل ہی ہو جائے گی۔ تو اکثر جو بیماریاں ہوتی ہیں وہ چینی، چاول اور سفید آٹا اور چربی کی وجہ سے ہوتی ہیں، تو کھانے پینے میں اس کا ذرا لحاظ رکھ لیا، تو ویسے بھی انسان کا وزن ذرا کنٹرول میں رہتا ہے۔

تو روزے پر بات چل رہی تھی کہ روزہ عبادت بھی ہے اور اس میں انسان کے لیے روحانی فائدوں کے ساتھ ساتھ جسمانی فائدے بھی ہیں لہٰذا بچیاں اگر چاہتی ہیں کہ ہم اپنے جسم کو وزن کے اعتبار سے مناسب رکھیں تو وہ نمازیں بھی کثرت سے پڑھیں، نوافل بھی پڑھیں اور روزے کی عبادت بھی رکھیں، روزے سے اللہ تعالیٰ ان کو یہ نعمت عطا فرما دیں گے اور ویسے ایک بات اور بھی کہہ دوں کہ یہ بھوک بڑی عجیب نعمت ہے! عام طور پر تو بھوک کو عذاب سمجھتے ہیں مگر یہ اللہ کی بڑی نعمت بھی ہے۔ ایک دفعہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بھوکا رہنے کے فضائل گنوا رہے تھے تو کسی نے کہا: کہ جی! بھوکا رہنا بھی کوئی اچھی چیز ہے؟ فرمانے لگے: او خدا کے بندے! اگر فرعون کو بھوک آتی تو وہ کبھی بھی خدائی کا دعویٰ نہ کرتا، اس نے خدائی کا دعویٰ ہی اسی لیے کیا کہ اس

نے کبھی بھوک دیکھی نہیں تھی۔ تو یہ بندے کا پیٹ خالی رہنا بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے، کبھی کبھی پیٹ کو خالی رکھنا چاہیے تاکہ بندے کو اپنی اوقات کا پتہ چل جائے۔

بسیارخور کی بات میں اثر نہیں:

ہمارے علمانے ایک عجیب بات لکھی ہے: وہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ پیٹ بھر کے کھانے کا عادی ہوگا عام طور پر یہ مشاہدہ ہے کہ اس کی نصیحت کا دوسرے بندے پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تو علمانے لکھا ہے کہ پیٹ بھرے شخص کی بات کا دوسرے پر اثر نہیں ہوتا اور دوسرے بندے کی بات کا پیٹ بھرے بندے کے اپنے اوپر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا تو یہ جو زیادہ کھانا ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اسی لیے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھرے ہوئے برتنوں میں سے پیٹ کا بھرنا سب سے زیادہ ناپسند ہے اور نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آدمی ایک حصہ کھائے، ایک حصہ پیے اور ایک حصہ اپنے اللہ کی یاد کے لیے خالی رکھ لے تو یہ سب سے بہترین طریقہ ہے۔

صحت مندی کا راز:

مدینہ طیبہ میں ایک حکیم صاحب نے آکر دکان کھولی، ان کا خیال تھا کہ یہاں حکیم ہے کوئی نہیں تو میری حکمت خوب چلے گی۔ ایک سال، دو سال وہاں رہے تو ان کے پاس کوئی بیمار آتا ہی نہیں تھا۔ وہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! یہاں تو کوئی بیمار آتا ہی نہیں اور میں تو سمجھا تھا کہ یہاں میرا بزنس خوب چلے گا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس وقت کھاتے ہیں جب شدید بھوک لگی ہوتی ہے۔ اور ابھی تھوڑی سی بھوک باقی ہوتی ہے تو یہ کھانا بند کر دیتے ہیں، اپنے پیٹ کو کچھ خالی

رکھتے ہیں، اس لیے یہ لوگ بیمار نہیں ہوا کرتے۔

گویا حدیث پاک سے ہمیں صحت مندی کا ایک راز مل گیا، انسان کھائے مگر ایسا نہیں کہ ابھی ہم ایک کھانا کھا کر ہٹتے ہیں اور پھر چائے کے نام پر سویٹ ڈشز کھانی شروع کر دیتے ہیں تو بھرے پیٹ کو اور زیادہ بھر لیتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں کھانا اس وقت کھانا چاہیے جب خوب بھوک لگے اور ابھی تھوڑی سی بھوک باقی ہو تو کھانا بند کر دیا جائے۔ یعنی ضرورت سے دو چار لقمے کم کھائیں تو پیٹ کو خالی رکھنے سے خود بخود انسان کتنی ہی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ اس بات کو تفصیل سے آج اس لیے بیان کیا کہ عورتوں نے ہی گھر میں کھانا پکانا ہوتا ہے اور عورتوں نے ہی دستر خوان لگانا ہوتا ہے اور عورتوں نے ہی بچوں کو کھانے کے آداب سکھانے ہوتے ہیں۔ اگر عورتوں کو تفصیلی علم ہوگا تو پھر وہ بچوں کو ویسی ہی عادت ڈالیں گی اور اگر خود پتہ نہیں ہوگا تو پھر بچوں کو کھانا رکھ کر ان کے حال پر چھوڑ دیں گی۔ بچے نعمتوں کو بھی ضائع کریں گے اور وقت بے وقت کھائیں گے اور اتنا کھا لیں گے کہ پھر پیٹ خراب ہو جائیں گے۔ تو چونکہ عورت کے ذمہ یہ کام ہے اس لئے آج اس عنوان کو اچھی طرح کھول کر آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

روحانی فائدے:

روزے کے روحانی فائدے بھی بہت ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ روزہ ڈھال ہے۔

ڈھال کہتے ہیں شیلڈ کو کہ جس سے انسان نقصان دینے والی چیز سے بچ جائے۔ چنانچہ اس کی تشریح میں علما نے لکھا ہے کہ روزہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے غصے سے بچاتا ہے، ناراضگی سے بچاتا ہے، روزہ انسان کو جہنم کی آگ سے بچاتا ہے، روزہ انسان کو شیطان کے مکر سے بچاتا ہے، روزہ انسان کو نفس کی شہوتوں سے بچاتا ہے یعنی

جتنی چیزیں انسان کی دشمن ہیں جیسے: نفس اور شیطان، ان کے حملوں سے روزہ بچا دیتا ہے۔اور اللہ رب العزت (جو انسان کے بہترین دوست ہیں) ان کے غصہ سے انسان کو بچادیتا ہے۔تو روزہ ڈھال ہوا کہ یہ انسان کو کتنی نقصان دہ چیزوں سے بچالیتا ہے۔

دوصفات:

مگر روزہ کے اندر دو خاص صفتیں جس کے لیے عورتوں کو خاص طور پر روزہ رکھنے کی تلقین کی گئی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ الصَّائِمُوْنَ وَالصَّائِمَاتِ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ان کی خاص طور پر کیوں یہ صفت بتائی گئی؟ اس لیے کہ روزے کے اندر دو خاص ایسی خوبیاں ہیں کہ جو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے بڑی اہم ہیں۔

(۱)......تقوی

ایک خوبی تو یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہوتا ہے،قرآن مجید میں بھی فرمایا کہ تم پر روزے اس لئے فرض کئے گئے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ''تاکہ تم متقی بن جاؤ''

تقوی کیا ہوتا ہے؟ تقوی کا لفظی مطلب ہوتا ہے،خدا خوفی آجانا کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایسا خوف آجائے کہ وہ گناہ کے قریب بھی نہ جائے،گناہ سے اپنے آپ کو سو فیصد بچائے۔یہ تقوی جب انسان کے اندر آجاتا ہے تو بندہ پھر اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جاتا ہے،چنانچہ تقوی کی وجہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب روزہ رکھ کر انسان حلال چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے چھوڑ دیتا ہے تو پھر حرام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑنا کون سا مشکل رہ جاتا ہے؟ اے اللہ! جب ہم نے

جائز اور حلال چیزیں بھی آپ کے حکم پر چھوڑ دیں تو پھر آپ کے حکم پر ہم حرام چیزوں کو کیوں نہیں چھوڑیں گے؟ چونکہ حرام چیزیں تو بہت تھوڑی ہیں اور حلال چیزیں بہت زیادہ۔ آپ اگر غور کریں کہ شراب ایک مشروب ہے لیکن حرام ہے لیکن اس کے بالمقابل جو حلال مشروب ہیں وہ سینکڑوں کے حساب سے ہیں، پانی پئیں، شربت پئیں، جوسز پئیں، سینکڑوں قسم کے مشروبات ہوں گے کہ جو حلال ہوں گے اور اگر حرام قرار دیا تو فقط ایک کو۔ اسی طرح سور کے گوشت کو حرام بنادیا لیکن جو جائز گوشت ہیں وہ پتہ نہیں کتنے۔ اگر آپ دیکھیں تو بکرے کا گوشت، دنبے کا گوشت، گائے کا گوشت، پھر پرندوں کے گوشت، مچھلی کا گوشت، اگر آپ غور کریں تو درجنوں چیزوں کے گوشت حلال ہیں اور اگر حرام کیا تو فقط ایک چیز کو۔ تو معلوم ہوا کہ جو حرام چیزیں قرار دیں وہ بہت تھوڑی اور جو حلال چیزیں اللہ نے بنائیں وہ بہت زیادہ تو اب یہاں سے پتہ چلا کہ اے اللہ! جب ہم حلال چیزوں کو آپ کے حکم پر چھوڑ سکتے ہیں جو اتنی زیادہ ہیں تو حرام چیزیں کیوں نہیں چھوڑ سکتے جو کہ تھوڑی سی ہیں؟

تو تقوی سے انسان کے اندر خدا خوفی آجاتی ہے۔ پھر انسان شریعت کے اوپر Safe side (محتاط) رہ کر عمل کرتا ہے اور یہ تقوی فقط کھانے پینے میں نہیں ہوتا، اعمال میں، معاشرت میں، بول چال میں، ہر چیز میں تقوی ہوتا ہے۔ تو جو عورت متقی ہوگی، تقیہ نقیہ ہوگی وہ پھر گناہ کے قریب ہی نہیں جائے گی۔ کیا ضرورت ہے اسکو رسک لینے کی کہ کسی غیر مرد کے ساتھ فون پر بات کرے، وہ بچے گی، وہ رسک ہی نہیں لے گی، وہ کہے گی کہ مجھے تو یہ کام کرنا ہی نہیں وہ ایسی کسی کی کال کو اٹینڈ ہی نہیں کرے گی۔ وہ کیوں کسی کے ساتھ تعلق بنانے کا روگ پالے گی اور اپنی ساری زندگی پر دھبہ لگائے گی؟ وہ کیوں اپنے آپ کو کسی غیر مرد کے حوالے کر کے اپنے جسم کو ناپاک کرے

گی؟ تو تقویٰ کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شامل ہو جاتا ہے، گناہوں سے بچتا ہے اور نیکی کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

(۲)......صبر

دوسری اس کی جو خاص صفت ہے وہ یہ کہ روزہ انسان کو صبر سکھاتا ہے۔ اس لیے حدیث پاک میں فرمایا کہ رمضان المبارک جو ہے یہ ''اَلشَّهْرُ الصَّبْرُ'' صبر کا مہینہ ہے۔ چنانچہ روزہ رکھنے سے انسان کے اندر صبر پیدا ہو جاتا ہے، وہ مشکلات کے اندر صبر کے ساتھ رہتا ہے۔ اور یہ صبر اُمُّ الْاَعْمَالُ ہے، تمام اعمال کی ماں ہے، اعمال کی جان ہے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! اے نوجوانوں جماعت! اگر تم میں سے کسی کے پاس وسائل ہوں تو اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کر لے اور اگر کسی کے پاس نکاح کے وسائل نہ ہوں تو اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے، اس لیے کہ روزہ تمہارے لئے پاکدامنی کی زندگی گزارنے میں مددگار ہوتا ہے۔ تو دیکھو! حدیث پاک میں ہمیں ایک بات بتا دی گئی۔ چنانچہ کئی عورتیں ہوتی ہیں جو جلدی بیوہ ہو جاتی ہیں، اب انکے لیے نفس اور شیطان سے بچنے کے لئے بہترین عمل روزہ رکھنا ہے، اگر وہ روزہ رکھ لیا کریں تو ان کے لیے نفسانی خواہشات کا زور توڑنا بہت آسان ہوگا۔ اسی طرح جو بچیاں ابھی جوان ہیں مگر کنواری ہیں تو ان کے لئے روزہ رکھنا بہترین عبادت ہے۔ چنانچہ کنواری بچیوں کو اور بیوہ عورتوں کو روزہ کثرت کیساتھ رکھنا چاہیے۔ صرف یہی نہیں کہ رمضان کے روزے رکھیں بلکہ ان کو چاہیے کہ ہر مہینہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ، کو بھی روزہ رکھیں یا ہفتے میں دو دن روزہ رکھیں یا ایک دن روزہ رکھا ایک دن چھوڑ دیا، اس طرح کی عادت بنا لیں تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ جو بچی بھی آج کے دور میں خاوند کے بغیر ہے اور وہ پاکیزہ زندگی گزارنا چاہتی ہے وہ

اپنے خیالات اور اپنی سوچوں کو بھی پاک رکھنا چاہتی ہے تو اس کے لیے روزہ ایک لازمی عبادت ہے۔ چنانچہ کثرت سے روزہ رکھنے کی عادت ہونی چاہیے چونکہ حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو درداء ؓ کی جو دوسری بیوی تھیں ام درداء ان کی کنیت تھی، وہ ابھی چھوٹی عمر کی تھیں اور ابو درداء ؓ کی وفات ہوگئی، اللہ رب العزت نے ان کو نیکی دی، تقوی دیا، عقل بھی تھی، شکل بھی تھی، ہر نعمت تھی جو ایک اچھی عورت کے پاس ہوتی ہے، تو سیدنا امیر معاویہ ؓ نے ام درداء ؓ کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا کہ آپ کی عمر چھوٹی ہے، اس چھوٹی عمر میں آپ بیوہ ہوگئیں تو اب آپ میرے ساتھ نکاح کر لیجیے تاکہ اپنی زندگی گزاریں، انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ابو درداء ؓ سے اتنی محبت تھی کہ میں جنت میں انہی کی بیوی بن کر جانا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں اور نکاح نہیں کرنا چاہتی تو سیدنا امیر معاویہ ؓ نے پھر اس کی طرف پیغام پہنچایا کہ اچھا اگر آپ اور نکاح نہیں کرنا چاہتیں تو پھر آپ روزے کے ذریعے اپنے آپ کو پاکدامن رکھنے میں مدد حاصل کریں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جو بچیاں جوان العمر ہوتی ہیں اور ان کے نکاح کی ابھی کوئی صورت نہیں ہوتی یا بیوہ عورتیں ہوتی ہیں مگر کم عمر ہوتی ہیں تو ان کے لیے روزہ رکھنا ایک بہترین عبادت ہے۔ اور آجکل جیسے ہمارے ہاں دستور ہے کہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ کھانا کھانا پھر اوپر سے میوزک بھی سننا اور ڈرامے بھی دیکھنا اور بیٹیوں سے پھر توقع کرنا کہ وہ ادھر ادھر کسی سے تعلق نہیں بنائیں گی تو یہ تو بیوقوفوں والی بات ہے۔ پاکدامنی کی زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے جو شریعت نے ہمیں بتادیا اسی لیے فرمایا کہ ''روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں''۔ تو عورتوں کو چاہیے کہ رمضان کے روزوں کا بھی اہتمام کریں اور اس کے علاوہ عام دنوں میں بھی روزوں

کی کچھ نہ کچھ ترتیب ضرور بنالیں تاکہ ان کو روزے کی عبادت کی برکتیں اور انوارات ملتے رہیں۔اسی لیے یہ جو صبر ہے یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اللہ رب العزت کو بہت پسندیدہ ہے۔

سنیے! میں آپ کو اس وقت دو واقعات سناتا ہوں، دونوں صبر کے ہوں گے اور دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کو وہ کتنے اچھے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کا قرآن مجید میں تذکرہ فرمادیا۔آج ہم مصلے پر کھڑے ہوکر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ آیتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں اور دونوں واقعات عورتوں کے ہیں۔

حضرت فاطمہ ؓ کا صبر:

ایک واقعہ تو سیدہ فاطمۃ الزہرا ؓ کا ہے کہ ایک مرتبہ حسنین کریمین دونوں شہزادے بیمار ہوگئے اور بخار اترتا ہی نہیں تھا تو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نذر مان لی کہ اللہ! اگر ان کو صحت ہو جائے تو میں تین دن کے روزے رکھوں گی، چنانچہ حضرت علی ؓ نے بھی روزے کی نیت کرلی، انہوں نے بھی نیت کرلی اللہ تعالیٰ کی شان کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں شہزادوں کو، پھولوں کو، بچوں کو، پیاروں کو صحت عطا فرمادی۔ جب بچے صحتمند ہوگئے تو سیدہ فاطمۃ الزہرا ؓ نے ایک دن روزہ رکھا، جب شام کا وقت ہوا تو سیدنا علی ؓ کچھ تھوڑا بہت لائے کہ جو افطاری کے لیے گزارہ تھا، اللہ تعالیٰ کی شان کہ ابھی افطاری کا وقت تھوڑا سا باقی تھا کہ دروازے کے اوپر دستک ہوئی، پوچھا: کون؟ جواب ملا کہ میں مدینے کا مسکین ہوں اور میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں، بہت وقت سے بھوکا ہوں اور میں اس دروازے کو دیکھ کر اس لیے آیا ہوں کہ یہاں سے کوئی بندہ خالی نہیں جاتا۔ چنانچہ فاطمۃ الزہرا ؓ نے وہ جو کھانا افطاری کے لیے پڑا تھا اٹھا کر اس مسکین کو دے دیا اور میاں بیوی نے پانی سے ہی افطاری کرلی اور اگلے دن کی سحری بھی پانی سے کرلی۔ دوسرا دن پھر اسی طرح

گزرا سارا دن بھوک پیاس برداشت کی اور اللہ کی شان کہ شام کو پھر تھوڑا بہت افطاری کے لیے جو بن پایا وہ لے آئے تو ابھی افطاری کا وقت ہونے والا تھا، تھوڑی دیر رہ گئی تھی کہ پھر دروازہ کھٹکھٹایا گیا، پوچھا: کون؟ جواب ملا کہ میں یتیم مدینہ ہوں، بھوکا بھی ہوں، سائل ہوں تو فاطمۃ الزہرا ﷺ نے جو کچھ گھر میں تھا وہ اٹھا کر یتیم کو دے دیا، پھر پانی سے روزہ افطار کیا اور تیسرے دن کا روزہ بھی پانی سے رکھا، تیسرے دن کی بھوک پیاس بھی برداشت کی آپ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ تیسرے دن بندے کا کیا حال ہوتا ہے؟ جب افطاری کا وقت آیا تو کچھ چھوٹی موٹی چیز پاس تھی، کھانے کی افطاری سے تھوڑی دیر پہلے دروازے پر دستک ہوئی پوچھا کون تو جواب ملا کہ میں تو اسیر ہوں اور اس دروازے پر آیا ہوں کہ یہاں سے کوئی خالی نہیں جاتا۔ سیدہ فاطمہ ﷺ نے سوچا کہ یہ سائل ہے، اللہ کے نام پر مانگ رہا ہے، میں اللہ کے نام پر مانگنے والے کو خالی نہیں بھیجوں گی، خود بھوکی رہ لوں گی، چنانچہ تیسرے دن بھی انہوں نے وہ اٹھا کر سائل کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی اس بندی اور بندے کا بھوکا پیاسا رہنا اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیتیں اتار دیں

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ﴾

''اور وہ اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں''

ان کی بھوک تو تیسرے دن ختم ہوگئی ہوگی، کھانا کھالیا ہوگا، لیکن جو انعام ملا وہ کتنا بڑا کہ آج بھی ہم قرآن پڑھتے ہیں اور چودہ سو سال کے بعد بھی ان کی اس عبادت کا قرآن کی زبان میں تذکرہ کر رہے ہوتے ہیں۔ واہ میرے مولیٰ! آپ کتنے قدردان ہیں، آپ کی محبت میں جو بندہ عمل کرتا ہے آپ اس عمل کو بھی اپنا کلام کا حصہ بنا لیتے ہیں۔ تو صبر طبیعت میں تھا جس وجہ سے تین دن بھوک پیاس برداشت کر لی اور اللہ کی محبت میں سائل کو سب کچھ دے دیا۔

حضرت آسیہ ؓ کا صبر

ایک دوسرا واقعہ فرعون کی بیوی جس کا نام تھا بی بی آسیہ۔ آسیہ بنت مزاحم ۔ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی فرعون کو پتہ چل گیا، اس کو بڑا غصہ آیا، اس نے کہا کہ میں خدائی کا دعوی کرتا ہوں اور تو میری بیوی ہو کر میرے گھر میں ہو کر تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی! اسلیے میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تو اپنے اس کام سے باز آجا، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایمان کی حلاوت کو چکھ لیا ہے، اب میرا کفر کی طرف واپس لوٹنا ممکن ہی نہیں۔ فرعون نے کہا: دیکھ میں تجھے گھر سے نکال دوں گا، بے عزت کروں گا، تو ہر نعمت سے محروم ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا: ایمان اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلے میں مجھے دنیا کی کوئی نعمت بھی چھوڑنی پڑے چھوڑ دوں گی۔ اب آپ غور کریں وہ اپنے ملک کی فرسٹ لیڈی (خاتون اوّل) تھی، فرعون کی بیوی، وقت کی ملکہ، محل میں رہتی تھی، خزانوں کے دروازے ان کیلیے کھلے تھے، آنکھ کے اشارے پر نوکر چاکر کام کرتے تھے، ہر نعمت ان کو مل جاتی تھی، ناز نخرے کی زندگی تھی مگر ایمان ایسی دولت ہے جب دل میں سما جاتا ہے تو پھر بندے کو ہر قربانی کے لئے تیار کر دیتا ہے۔ انہوں نے کہہ دیا کہ میں تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ فرعون کو غصہ آیا اور جب خاوند کو غصہ آئے تو وہ تو کئی مرتبہ جانوروں جیسا عمل کرتا ہے، اللہ اکبر! اللہ اس سے محفوظ فرمائے۔ چنانچہ فرعون غصے میں آ گیا، اس وقت اس کو اپنی عزت کا بھی احساس نہ رہا، کہنے لگا کہ اس آسیہ کو تم محل سے نکال کر میرے سامنے پیش کرو!

دربار لگا کر بیٹھ گیا۔ بی بی آسیہ کو قیدی بنا کر پیش کر دیا گیا، تھوڑی دیر پہلے وہ ملکہ تھی اب وہ قیدی بن کر کھڑی ہے، سارے درباری بھی منظر دیکھ رہے ہیں، فرعون نے اسے کہا: میں تجھے آخری بار کہتا ہوں کہ تو باز آجا، اگر اب بھی معافی مانگ لے گی

تو میں تجھے واپس اپنے محل میں لے لوں گا اور اگر نہیں مانے گی تو پھر میں تجھے اسی وقت قتل بھی کردوں گا، بے عزت بھی کروں گا، اس نے آگے سے جواب دیا: فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ (جو تو کرنا چاہتا ہے کر لے)، میں ایمان سے تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔
چنانچہ اس نے اپنی پولیس کو حکم دیا، اس عورت کو بے لباس کر دیا جائے۔ کتابوں کے اندر یہ بات لکھی ہے، اب سوچیے! کسی مرد کو اگر کہہ دیں کہ تجھے مردوں کے مجمع میں بے لباس کردیں گے تو مرد کو اتنی حیا آتی ہے، جی چاہتا ہے زمین پھٹ جاتی اور میں اندر گڑ جاتا اور یہ تو عورت ذات تھی اور عورت کے اندر تو حیا اور بھی زیادہ ہوتی ہے، شرم ہوتی ہے، فطری طور پر اللہ نے اسکو یہ نعمت دی ہوتی ہے، پورے مجمع میں دربار کے سامنے اس کے جسم سے لباس کو نوچ لیا گیا، بے لباس کر کے اس کو زمین پر لٹا دیا گیا، دونوں ہاتھوں کے اندر کیلیں گاڑ دی گئیں، پاؤں کے اندر کیل گاڑ کر زمین کے اندر گاڑ دی گئیں تا کہ نہ ہاتھ ہلا سکے نہ پاؤں ہلا سکے، بعض کتابوں میں یہ پڑھا کہ فرعون نے حکم دیا کہ اب زندہ حالت میں اس کے جسم کی کھال کو اتار دیا جائے۔
اس زمانے کا یہ سب سے بڑا عذاب، سب سے بڑی سزا ہوتی تھی، چنانچہ لوگ اپنے بلیڈ استرے لے کر آ گئے اور انہوں نے زندہ حالت میں اسکے جسم سے کھال اتارنی شروع کر دی۔ سوچیں تو صحیح اگر جسم کے کسی حصے سے کھال اتر جائے تو ہوا بھی لگے تو اس جگہ کو تکلیف ہوتی ہے، یہ نازک عورت تھی مگر ایمان نے اس کو اتنا مضبوط کر دیا تھا، اتنی تکلیف پہنچائی گئی اور یہ اس پر بھی صبر کر کے لیٹی رہی۔ اسوقت میں اس نے اپنے اللہ سے ایک دعا مانگی، اللہ! فرعون بد بخت نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا اور عورت کے لیے بے گھر ہو جانا بہت بڑی سزا ہوتی ہے مگر اے اللہ! میں اس کے بدلے میں تجھ سے ایک گھر مانگتی ہوں۔

﴿ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ ﴾

''اللہ! مجھے اپنے قرب میں جنت کا گھر عطا فرما دیجیے!''
میرے لیے وہی کافی ہے۔ اللہ کی اس نیک بندی کی یہ تمنا اللہ کو اتنی پسند آئی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا اس کو حصہ بنا دیا سبحان اللہ! آج ہم جب بھی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، بی بی آسیہ کی مانگی ہوئی یہ دعا بھی اللہ کے کلام میں پڑھتے ہیں۔

عجیب بات ہے فرعون کا جبر اگر جبر تھا تو بی بی آسیہ کا صبر بھی تو صبر تھا! ایک نازک جسم ہو کر اس نے دیکھو کتنی بڑی قربانی دے ڈالی! عورتیں بی بی آسیہ کو اپنا آئیڈیل بنا لیں کہ ہم بھی ہر فرعون سے ہٹ کٹ کر اللہ کی رضا والی زندگی گزاریں گی اور اس کے لیے جو کچھ قربانی دینی پڑی ہم قربانی دے کر اپنے اللہ کو راضی کر کے اللہ کے پڑوس میں، جنت میں گھر حاصل کریں گی۔ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کو دنیا کی عبادتوں اور روزوں کے بدلے جنت میں اپنے قرب کا گھر عطا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ قدر دان ہیں:

اللہ تعالیٰ قدر دان ہیں، نبی اکرم ﷺ نے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ان کی وفات کے وقت فرمایا کہ خدیجہ! آپ کی وفات کا وقت قریب ہے، آپ جنت میں جائیں گی تو میری بیویوں کو وہاں سلام کہہ دینا، خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حیران ہوتی ہیں کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! دنیا میں تو آپ کی سب سے پہلی بیوی میں ہوں، جنت میں بیویاں کون سی ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت نے بی بی مریم کو اور بی بی آسیہ کو میری جنت کی بیویوں میں شامل فرما دیا۔ اللہ کی قدر دانی دیکھئے! بی بی آسیہ نے اللہ سے فقط گھر مانگا تھا، اللہ! آپ اتنے قدر دان ہیں، آپ نے گھر بھی دے دیا اور اپنی رحمت سے ان کو گھر والا بھی عطا فرما دیا، جتنا بندہ مانگتا ہے اس کی مانگ تھوڑی ہوتی ہے اور دینے والے کی دین زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ! آپ کتنے قدر دان ہیں! اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری امیدوں سے بڑھ کر عطا فرمائے، رمضان کی جو

دعائیں ہم نے مانگی ہیں، جو تمنائیں دلوں میں رکھی ہیں، اللہ رب العزت ہماری امیدوں سے بڑھ کر ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرمائے۔ یہ اعتکاف والے لوگ جو اپنے گھروں سے آ کر اللہ کی چوکھٹ کو پکڑ کر بیٹھ گئے ہیں، اللہ رب العزت ان کی عاجزی کو بھی قبول فرمالے، قصوروں کو بھی معاف فرمادے، ایک رحمت کی نظر اگر ڈال دے، ہم عاجز مسکینوں کی بھی بگڑی بن جائے گی اور جو خواتین اپنے روزانہ کے کاموں کو آگے پیچھے کر کے پابندی کے ساتھ مجالس میں آتی ہیں، توجہ سے بیٹھ کر بات کو سنتی ہیں، نوٹس بنا کر ان کو یاد بھی رکھتی ہیں، عمل میں بھی لاتی ہیں، اللہ رب العزت ان تمام عورتوں کا آنا قبول فرمالے اور آج کے اس بابرکت دن میں اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم سے بری فرما کر اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالے۔

❁......❁......❁

نوویں شرط

پاکدامنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰہَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ○
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مغفرت کی نوویں شرط:

سورۂ احزاب بائیسویں پارے کے دوسرے رکوع کی یہ آیت ہے جس میں اللہ رب العزت نے دس شرائط بیان فرمائیں کہ ان پر عمل کرنے والے مرد اور عورت کیلیے اللہ رب العزت نے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ ایمان والوں کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے، ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اس آیت کو عملی جامہ پہنائیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں، تا کہ اللہ رب العزت کی بے پناہ

رحمتیں دنیا اور آخرت میں حاصل کریں۔ ان دس شرائط میں سے نویں شرط ہے:

﴿ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ ﴾ (احزاب:۳۵)

''اپنی عزت کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد''

اللہ رب العزت نے دین اسلام کو حیا اور پاکدامنی کا دین بنایا ہے اسلیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

''حیا ایمان کا شعبہ ہے''

حیا عورت کی فطرت ہے:

فطری طور پر اللہ رب العزت نے عورت کو حیا کی نعمت سے نوازا ہے، شرم والی نعمت سے نوازا ہے جس وجہ سے اس کے لیے اپنی عزت کی حفاظت کرنا آسان ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں جہاں چوری کا تذکرہ آیا اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ﴾ (مائدہ:۳۸)

چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورتیں

لیکن جہاں زنا کا تذکرہ ہوا فرمایا:

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ ﴾

''زنا کرنے والی عورت زنا کرنے والا مرد''

ترتیب بدل دی تو مفسرین نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ عام طور پر مرد لوگ چوری کے کام میں زیادہ آگے ہوتے ہیں اور ان سے چوری معیوب سمجھی جاتی ہے۔ وہ مرد ہیں، ان کے اندر ہمت ہے، وہ اپنا کما سکتے ہیں، ان کو اللہ رب العزت نے باہر آنے جانے کے اجازت دی تو ایسے بندے کے لیے اتنا گھٹیا کام عیب لگتا ہے۔ لہٰذا

جہاں چوری کا تذکرہ آیا، وہاں مرد کا تذکرہ پہلے کیا کہ مرد کا چوری کرنا زیادہ برا ہے اور جہاں زنا کا تذکرہ آیا، وہاں اللہ رب العزت نے عورت کا تذکرہ پہلے کیا۔اس لیے کہ مرد کی طرف سے بھی زنا بہت برا ہے لیکن اگر عورت کی طرف سے اس کی ابتدا ہوتو اور بھی زیادہ برا ہے۔ چونکہ اللہ رب العزت نے اسے شرم وحیا کی نعمت سے نوازا ہے تو شریعت اس سے توقع کرتی ہے کہ وہ اپنی عزت کی حفاظت خود کرے ۔کیونکہ فطری طور پر مرد کا عورت کی طرف بہکنا بہت آسان ہے، عورت کو چاہیے کہ وہ خود مضبوط رہے اور کسی مرد کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے۔اگر غیر محرم کو اپنے سے دور رکھے گی تو اللہ رب العزت کے ہاں مقبول بندیوں میں شمار ہوگی۔

عورت کا جہاد:

چنانچہ یہ عورت کی زندگی میں ایک جہاد ہوتا ہے۔اس لیے جو لڑکی پاکدامنی کی زندگی گزارتی ہے، اگر کنوارے پن میں اس کی موت آجائے تو حدیث پاک میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو شہیدوں کی قطار میں کھڑا فرمائیں گے۔تو اللہ رب العزت کے ہاں عورت کا اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا اتنا اہم ہے کہ اس پر اس کو شہادت کا رتبہ عطا کر دیا جاتا ہے۔

حفاظتِ ناموس کی اہمیت:

کنواری جوان لڑکیوں کو، عورتوں کو چاہیے کہ اس چیز کی اہمیت کو پہچانیں اور ذہن میں رکھیں کہ عورت کی ہر غلطی معاف ہوسکتی ہے لیکن اگر عورت اپنی عزت پر دھبہ لگا بیٹھے گی تو یہ غلطی کوئی بھی معاف نہیں کرتا۔جن بچیوں سے کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، جتنی ذلت ان کو اٹھانی پڑتی ہے، ساری عمر کے لیے لوگوں کی گندی نگاہیں ان کے اوپر گندی پڑتی ہیں، اور ہر بندہ سمجھتا ہے کہ یہ برے کردار کی لڑکی ہے۔ حالانکہ یہی کام مرد بھی کرتے پھرتے ہیں، مگر عام طور پر دیکھا گیا کہ مردوں کو کوئی اتنا برا

نہیں کہتا، وقتی طور پر ان کو ذلت تو ملتی ہے، رسوائی ہوتی ہے، لیکن چند دن کے بعد بھول جائیں گے، لیکن عورت کے لیے تو پوری زندگی کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ تو اس لیے نوجوان لڑکیوں کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہونا چاہیے کہ ہماری تھوڑی دیر کی غلطی پوری زندگی کے لیے ہمیں بھی ذلیل کر دے گی اور ہمارے خاندان کو بھی ذلیل کر دے گی۔

اس لیے جہاں بی بی مریم کا تذکرہ ہوا کہ وہ حاملہ ہو گئیں اور اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو قوم نے ان کو کیا کہا! ﴿یَـا اُخْـتَ هَـارُوْنَ﴾ اے ہارون کی بہن! ﴿مَـا كَـانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ﴾ تیرا باپ بھی برا نہیں تھا ﴿وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ اور تیری ماں بھی بدکارہ نہیں تھی۔ اب دیکھیں کہ وہ قوم، مریم کا نام لے کر بھی بات کر سکتی تھی کہ مریم! یہ تو نے بہت ہی برا کام کیا کہ تو کنواری ہے اور حاملہ بن گئی اور بچے کی ولادت کے بعد اس کو لے کر آ گئی، مگر نہیں! یہ تو انہوں نے کہا ہی سہی ﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا﴾ (یہ تو کس کو لے آئی) لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے بھائی کو بھی طعنہ دیا، باپ کو بھی دیا، ماں کو بھی دیا۔ تو بڑی غور والی بات ہے کہ کوتاہی ایک بچی سے ہوتی ہے اور بدنامی اس کے بھائی کو، اس کے باپ کو، اور اس کی ماں کو بھی ملا کرتی ہے، تو اس بچی کی غلطی پورے خاندان کی بدنامی ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت کا اندازہ لگا کر اتنا احتیاط برتیں کہ جتنا انسان سے ممکن ہو سکے۔

مثال کے طور پر ہر جوان لڑکی یہ سمجھتی ہے کہ بجلی کو اگر ہاتھ لگا لیا جائے تو یہ جھٹکا لگاتی ہے اور کئی دفعہ بندے کی موت بھی آ جاتی ہے، تو وہ زندگی میں ایک مرتبہ بھی یہ غلطی نہیں کرتی۔ اس کو پتہ ہے کہ مجھے بجلی کی ننگی تار کو ہاتھ نہیں لگانا، بجلی کی ساکٹ کے سوراخ میں انگلی نہیں ڈالنی۔ جب اس نے یہ بات ایک دفعہ سمجھ لی، تو اب کوئی اس کی منت کر لے، اسکی تعریفیں کر لے، کوئی اس کو کہے کہ میں تمہیں انعام دوں گا، یہ کر دوں گا، وہ کر دوں گا، جو مرضی اوپر نیچے ہو جائے، یہ بچی کسی کے ورغلانے پر بجلی کی تار کو ہاتھ نہیں لگا سکتی، یہ صاف انکار کرے گی کہ یہ ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ

سمجھتی ہے کہ اس تار کو ہاتھ لگانے سے میری زندگی چلی جائے گی۔ بالکل یہی مثال ہے کہ جس لڑکی کو کسی مرد نے برائی کی دعوت دی، تو اس لڑکی کو ذہن میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ رب العزت کی نافرمانی کی طرف مجھے بلایا جا رہا ہے اور اگر اللہ رب العزت نے مجھے جھٹکا دے دیا تو جسمانی موت تو کیا میں روحانی موت بھی مر جاؤں گی، دنیا ہی برباد نہیں ہوگی، میری آخرت بھی برباد ہو جائے گی۔ اس لیے یہ کوئی Option (اختیار) ہی نہیں ہے، یہ سوچنے والی بات ہی نہیں ہے، تو چاہیے کہ اس معاملے میں عورت اس قدر مضبوط ہو کہ اللہ رب العزت کے ہاں اس کو بڑا مقام نصیب ہو جائے۔

چنانچہ جو پاکدامنی کی زندگی گزارنے والی عورتیں ہیں، ان کے بہت سارے واقعات احادیث کے اندر منقول ہیں کہ اللہ رب العزت نے کس طرح ان کی دعاؤں کو قبول کیا! پاکدامن عورت جب بھی اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھاتی ہے تو اللہ رب العزت اس کو خالی واپس نہیں لوٹاتے۔

اب اس برائی کی طرف مائل ہونے کے لیے بہت ساری تفصیلات ہیں، اس کیلیے مستقل ایک کتاب بھی اس عاجز نے لکھ دی ہے۔ لہٰذا تمام بچیوں کو چاہیے کہ وہ کتاب پڑھیں اور اپنے آپ کو خطرات کے مواقع سے بچائیں۔

بدنظری......زنا کی سیڑھی:

اس لیے قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا ﴾ (الاسراء:۳۲)

''تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ''

کیا مطلب؟ کہ جو چیزیں زنا کی محرک بن سکتی ہیں، تم ان کے بھی قریب نہ جاؤ! مثال کے طور پر بدنظری یہ زنا کے لیے محرک بنتی ہے motivate کرتی (تحریک

دیتی) ہے۔تو یہ بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ بدنظری جس طرح مردوں کو منع ہے کہ وہ غیرمحرم عورتوں کو نہ دیکھیں، اسی طرح عورتوں کو بھی منع کر دیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ﴾ (النور:۳۰)

کہ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں

﴿ وَ قُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ (النور:۳۱)

اور ایمان والی عورتوں کو بھی کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں

یہ ان کیلیے بھی بہتر ہے مردوں کے لیے بھی بہتر ہے۔ چونکہ شیطان کہتا ہے کہ عورت میرے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جب وہ غیرمحرم مرد کے سامنے بے پردگی کر لیتی ہے تو میں غیرمحرم کو امید دلا دیتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ گناہ میں ملوث ہو سکتا ہے۔

اس لیے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر بغیر ارادے کے راستہ چلتے اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے، مگر اگر دوسری نظر اٹھالی تو اس پر سزا ملے گی، اور اگر کسی نے پہلی نظر ہی ارادے کے ساتھ اٹھائی تو اس پر بھی سزا ملے گی۔ لہٰذا یہ بات ذہن میں رکھ لیجیے کہ بدنظری فساد کا بیج ہے، یہاں سے یہ فصل اگنا شروع ہو جاتی ہے۔ بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص بدنظری سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو ایمان کی حلاوت عطا فرما دیتے ہیں۔

بدنظری سے جی نہیں بھرتا:

یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ جس سے بندے کا کبھی جی نہیں بھرتا، بلکہ جتنا بدنظری کرے گا، اتنا دل کا زخم اور گہرا ہوگا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ یہ فقط نوجوان ہی نہیں کرتے بلکہ بڑی عمر کے مرد اور عورتیں بھی اس میں ملوث ہوتے ہیں۔ میرے

پاس ایک مرتبہ ایک بڑے میاں آئے، نیک تھے، نمازی تھے، تہجد گزار تھے، علاقے کے اندر ان کی شرافت بڑی مشہور تھی اور واقعی وہ نیک آدمی تھے لیکن آ کر وہ رونے لگ گئے، میں ان کو دیکھ رہا تھا کہ ان کے بھنوؤں کے بال بھی سفید تھے، تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ بچوں کی طرح یوں بلک بلک کر کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ میرے لیے دعا کر دیں کہ اللہ میری نگاہوں کو پاک کر دے تو اس بڑھاپے کی عمر میں بھی بندے کی نگاہ میلی رہتی ہے۔

بدنظری کا نقصان:

بدنظری کے نقصانات میں سے یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق چھین لیتے ہیں، اسلیے جولڑکیاں اپنی نگاہوں کو قابو میں نہیں رکھتیں، ان کو نمازیں پڑھنی مصیبت لگتی ہیں، ان کو پردہ میں رہنا مصیبت نظر آتا ہے، مشکل نظر آتا ہے۔ وہ ماں باپ کی فرمانبردار بھی نہیں رہتیں، وہ گھر کے کام کاج کی بھی نہیں رہتیں، دراصل نیک عمل کی توفیق ان سے چھین لی جاتی ہے۔

اور بدنظری کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوت حافظہ کو کمزور کر دیتے ہیں۔ لہٰذا جتنی بچیاں اپنی نگاہوں میں احتیاط نہیں کرتیں، وہ دین کے معاملے میں بھی کند ذہن ہوتی ہیں اور دنیا کی تعلیم میں بھی بھلکو بن جاتی ہیں۔ ادھر بات یاد کی اور تھوڑی دیر بعد بھول گئی، ادھر سبق یاد کیا، سناتے ہوئے بھول گیا۔ یہ جو حافظہ کے اندر کمزوری ہوئی، یہ بدنظری کی وجہ سے ہوئی اور یہ بدنظری انسان کیلیے برکتوں کے ختم ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ جو مرد یا عورت بدنظری کرے، اللہ تعالیٰ اس کی زندگی سے برکت کو ختم کر دیتے ہیں، نہ وقت میں برکت رہتی ہے، نہ رزق میں برکت رہتی ہے، نہ صحت میں برکت رہتی ہے۔ کہنے کو وہ جوان بچی ہوتی ہے لیکن اس کو Backbone (کمر) میں Pain (درد) ہے، اس کو کمزوری ہے اور بیٹھتی اٹھتی ہے تو آنکھوں میں اندھیرا آ جاتا ہے، وہ کوئی کام ہی نہیں کر سکتی، کچھ کھا ہی نہیں سکتی،

وہ جوانی میں بیماریوں کا مجموعہ بن جاتی ہے، بدنظری کرنے والے بندے سے شیطان ہمیشہ پرامید رہتا ہے کہ کبھی نہ کبھی میں اس کو اس گناہ کے اندر ملوث کروا کر رہوں گا۔

اللہ رب العزت کی غیرت:

جب کوئی بدنظری کرتا ہے تو اللہ رب العزت کی غیرت بھڑکتی ہے، اسکی مثال ایسے ہی سمجھ لیں کہ ایک بیوی کی آنکھوں کے سامنے کوئی مرد کسی غیر عورت کو دیکھے تو بیوی کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ یا خاوند کے سامنے اس کی بیوی کسی غیر مرد کو دیکھے تو خاوند کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ بندے کو غیرت تو آتی ہے نا! جتنی غیرت بندے کو آتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ غیرت آتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَغْيَرُ وُلْدَ آدَمَ وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّيْ

''میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو مجھ سے بھی زیادہ غیرت آتی ہے۔''

بدنظری پر اللہ کی لعنت:

اسی لیے کئی مرتبہ ایک بدنظری کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو بدنصیب بنا دیتے ہیں، شقی بنا دیتے ہیں۔ ایسے واقعات کتابوں کے اندر لکھے گئے ہیں کہ ایک حافظ قرآن لڑکا تھا، جس نے بدنظری کی اور اس کی ظلمت کی وجہ سے وہ قرآن پاک کا حفظ ہی بھول گیا۔ ایک حدیث پاک میں فرمایا: ''بدنظری کرنے والے مرد اور عورت دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔''

لعنت کا کیا مطلب؟ کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں، تو آج آپ بیٹھ کر اپنے دل میں سوچیں کہ کیا آپ اللہ کی لعنت میں زندگی گزارنا چاہتی ہیں؟ اگر دل کہتا ہے کہ نہیں، میں ان میں سے نہیں بننا چاہتی جن پر میرے خدا کی لعنت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنی نظر کی حفاظت کرنی ہے۔

بدنظری کی نجاست:

بلکہ اللہ والوں کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جو لوگ بدنظری کرتے ہیں، ان کے جسم کی بدبو کو بھی وہ سونگھتے ہیں، وہ ان کے اندر کی نجاست کا ادراک کر لیتے ہیں۔ چنانچہ عثمان غنی ﷜ کا واقعہ ہے: ایک صاحب ان کو ملنے کے لیے آئے اور راستے میں ان کی نظر کسی غیر محرم پر پڑ گئی تو عثمان غنی ﷜ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا: مَابَالُکُمْ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ بے محابہ ہمارے پاس چلے آتے ہیں اور ان کی نگاہوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ وہ حیران ہوگیا اور کہنے لگا: امیر المومنین کیا وحی کا سلسلہ ابھی باقی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ وحی نہیں یہ فراست مومنانہ ہے، اللہ تعالیٰ مومن بندے کو فراست دے دیتے ہیں، جس مومن کو یہ نگاہ مل جائے وہ پھر بدنظری کی ظلمت کا ادراک آسانی سے کر لیتے ہیں۔

برائی کو ابتدا ہی سے ختم کریں:

اس لیے چاہیے کہ برائی کو اس کی ابتدا ہی سے ختم کر دیا جائے۔ انگلش میں کہتے ہیں:

Nip the evil in the bud

برائی کو ابتدا ہی سے ختم کر دیں

تو زنا کا پہلا قدم بدنظری ہے، لہٰذا چاہیے کہ اس سے انسان بہت زیادہ پرہیز کرے، اس کا سیدھا اثر انسان کے دل پر ہوتا ہے۔ بدنظری کی وجہ سے انسان کا چہرہ بھی بے نور ہو جاتا ہے۔ بدنظری کرنے والے انسان کے ذہن میں شیطان ڈالتا ہے: میں تو صرف اِدھر اُدھر دیکھتی ہوں، میں کرتی تو کچھ نہیں ہوں، کسی سے بات بھی نہیں کرتی، کچھ نہیں کرتی۔ یاد رکھنا کہ بدنظری سے ہاتھی بھی پھسل جاتا ہے، کوئی عورت کتنی ہی مضبوط کردار کی مالکہ ہوگی تو اس کا بھی پھسلنا آسان ہو جائے گا۔ اس لیے

چاہیے کہ سب سے پہلے اس گناہ سے اللہ رب العزت کے حضور توبہ کی جائے۔ اب اس بدنظری سے بچنے کے لیے بہت سارے طریقے ''حیا اور پاکدامنی'' کتاب میں لکھے ہوئے ہیں، ان کو پڑھ لیجیے اور اس کا علاج کر لیجئے۔

بدنظری کے مواقع سے بچیں:

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان بدنظری کے مواقع سے ہی بچے، مثلاً: عورت گھر سے بغیر مجبوری کے نکلے ہی نہیں۔ یہ جو گھومنے پھرنے کا مزاج ہوتا ہے، یہ بھی انسان کو زیادہ گناہوں کا مرتکب کروا دیتا ہے۔ بیوی اپنے خاوند کو خوش رکھے تاکہ دونوں آپس میں مل کر سکون کی زندگی گزاریں، کسی تیسرے بندے کی طرف نظر اٹھانے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ انسان اپنے آپ کو غیر سے بے طمع کر لے، اس لیے کہ جو آدمی دنیا کے اندر بدکاری کرے گا، بدنظری کرے گا، حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اس کا ایک وبال یہ پڑے گا کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے دیدار سے اس کو محروم کر دیا جائے گا۔ اب یہ کتنی بڑی سزا ہے کہ ان مٹی کے جسموں کو دیکھ کر انسان اللہ رب العزت کے دیدار سے محروم کر دیا جائے۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جیسے عورتیں آنکھوں میں سرمہ ڈالتی ہیں اسی طرح قیامت کے دن لوہے کی سلائیاں ہوں گی جو آگ میں گرم کر کے اس کی آنکھوں میں پھیری جائیں گی، اسلیے کہ یہ بدنظری کی مرتکب ہوتی تھیں۔

عورت اپنے پردے کا خیال رکھے:

عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے پردے کا خود خیال رکھے، اگر پردے کے معاملے میں وہ کمزور ہوگی، بے احتیاطی کرے گی، تو مرد کو دیکھنے کا موقع مل جائے گا اور مرد تو عورتوں کے معاملے میں ہر وقت پرامید ہوتے ہیں، یہ بے حجابی اور بے پردگی اصل میں عورت کو کنٹرول کرنی چاہیے۔ باہر نکلے تو باقاعدہ گاؤن کے ساتھ اپنے چہرے کو

چھپا کر، ڈھانپ کر ایسے طریقے سے نکلے کہ غیر محرم مرد کو اس کے جسم کے حسن و جمال کا پتہ ہی نہ چلے۔ صحابیات کے بارے میں آتا ہے کہ اگر ضرورت کے وقت ان کو کسی وقت باہر نکلنا پڑتا تھا تو وہ راستہ چلتے ہوئے دیوار کے اتنا قریب چلتی تھیں کہ ان کے بدن کے کپڑے دیوار کے ساتھ اٹکتے تھے۔ تاکہ مرد اگر راستے کے درمیان میں چل رہے ہوں تو ان کے قریب سے بھی نہ گزریں، دور ہی رہیں۔ عام طور پر جن کے ساتھ کوئی دور قریب کی رشتہ داری ہوتی ہے، ان کے ساتھ اس پردے کے معاملے میں بد پرہیزی ہوتی ہے اور یہی بد پرہیز گی بالآخر ان کے لیے ذلت کا سبب بنتی ہے۔ گھر کے اندر بھی عورت کو چاہیے کہ اس طرح سے رہے کہ اپنے آپ کو بے پردہ نہ ہونے دے۔

سیل فون کی بیماری:

آج کل بہت ساری چیزیں اور بھی ہیں جو انسان کے لیے برائی کا ذریعہ بن جاتی ہیں، جن میں سب سے زیادہ مصیبت آج کل یہ سیل فون والی ہے۔ پتہ نہیں یہ کیا چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ذریعے سے ایجاد کروادی، مقصد تو ان کا یہ تھا کہ بزنس مین اپنا بزنس آسانی سے کرلیں گے، لیکن اس چھوٹی سی چیز کا اتنا غلط استعمال ہونے لگ گیا ہے کہ جس لڑکے کو دیکھو! اس کے ہاتھ میں سیل فون اور جس بچی کو دیکھو! اسکے ہاتھ میں سیل فون۔ اور سیل فون کے بٹنوں سے ہر وقت کھیل رہے ہوتے ہیں، انگلیاں چل رہی ہوتی ہیں، اِدھر میسج بھیجا جارہا ہے، اُدھر میسج بھیجا جارہا ہے اور اسی میسج کے بھیجنے بھیجنے میں اللہ رب العزت کی نافرمانیاں ہو جاتی ہیں۔

اس عاجز کا طریقہ تو یہ ہے کہ جوان بچی کے ہاتھ میں سیل فون دینا ہی نہیں چاہیے۔ شیطان ذہن میں کیا ڈالتا ہے کہ سکول جاتی ہے تو بتا سکے گی کہ میں کہاں ہوں، وہ ماں باپ کو تو کیا بتاتی اوروں کو بتارہی ہوتی ہے کہ میں یہاں ہوں، آپ میرے پاس آسکتے ہیں۔ تو ماں باپ اس کا خیال کریں اور حتی الوسع کوشش کریں کہ

بچی کے پاس سیل فون نہ ہو۔فون ماں باپ لے کر دے دیتے ہیں اور سم کارڈ اس کو اس کے lover (چاہنے والے) لے کر دے دیتے ہیں۔ماں باپ کو پتہ ہی نہیں ہوتا کس کس نمبر سے وہ فون ریسیو کر رہی ہوتی ہے اور کس کو میسج کر رہی ہوتی ہے؟ایک تماشہ ہے جو اس بچی کی زندگی میں کھل جاتا ہے، نہ وہ بچی دین کی رہتی ہے اور نہ وہ دنیا کی رہتی ہے۔ماں بات کرتی ہے تو ایسے پڑتی ہے جیسے کوئی شکاری کتا پڑتا ہے،اس طرح اپنی ماں سے وہ بات کرتی ہے۔بات مانتی نہیں،سنتی نہیں، اس کا Behaviour (رویہ) بتا دیتا ہے کہ اسکو کوئی نہ کوئی روگ لگا ہوا ہے۔الگ رہے گی، الگ بیٹھے گی، لوگوں کے سامنے آنے سے،عورتوں کے سامنے آنے سے گھبرائے گی، کترائے گی،اس کی زندگی کی ترتیب بتا رہی ہے کہ کوئی نہ کوئی بیماری اس کو لگی ہوئی ہے،یہ بچی روحانی طور پر بیمار ہے۔

ماں کی ذمہ داری:

ماں کو چاہیے کہ وہ نظر رکھے اور اپنی بچی کی نیک بننے میں مدد کرے اور ایسے برائی کے مواقع سے اس کو بچائے اور اسکو اچھی طرح سے نصیحت کرے۔اور ایک بات جو ہم نے دیکھی کہ کچھ گھروں میں تو ایسی مصیبت ہے کہ فون کو ریسیو کرنے کا کام ہی جوان بچی کو دے دیتے ہیں۔باپ بھی بیٹھا ہے، ماں بھی بیٹھی ہے، بھائی بھی بیٹھا ہے، جب فون کی گھنٹی بجتی ہے تو جوان بیٹی آگے جا کر پوچھتی ہے کہ کون بول رہا ہے؟ یہ کتنی بڑی غلطی ہے! بھائی مرد لوگ کس مرض کی دوا ہیں؟ ان کو چاہیے کہ فون اٹینڈ کریں۔اور اگر مرد نہیں تو پھر یہ ذمہ داری ماں کی ہے کہ وہ پختہ عمر کی ہے، میچور ہے، اس کو پتہ ہے کہ آگے سے کون بندہ بات کر رہا ہے؟ جوان بچی کو اس طرح فون کے قریب جانے کی اجازت ہی نہیں دینی چاہیے۔اس سے اگر احتیاط کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ برائی کے پچاس فیصد Chances (امکانات) ویسے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔جس بچی نے ٹیلیفون کی مصیبت سے نجات پالی یوں سمجھ لیں کہ اس نے اللہ رب

العزت کی رضا کو حاصل کرنے کیلیے آدھا سفر کر لیا۔

نئے زمانے کا وبال:

یہ نئے زمانے کا وبال ہے، پہلے یہ مواقع اس لیے کم ہوتے تھے کہ لڑکی اپنے گھر میں ہے، لڑکا اس کے ساتھ رابطہ بھی کرنا چاہے تو درمیان میں کوئی طریقہ ہی نہیں۔ کسی بندے کو بھیجنا ایک مشکل، پھر کسی کے سامنے کہنا پڑتا تھا، بات کو ظاہر کرنا پڑتا تھا، آج تو کسی کو کہنے بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ ایسی مصیبت ہے کہ بچیاں اپنے کمروں میں بند ہو کر گھنٹہ بات کریں دو گھنٹہ بات کریں، بے فکری سے کر سکتی ہیں۔ مجھے بعض لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ تین تین چار چار گھنٹے روزانہ باتیں کرتے ہیں اور وہ باتیں کیا ہوتی ہیں؟ یہی گناہ کی باتیں۔ یعنی اتنا وقت اللہ رب العزت کو ناراض کرنے میں لگ گیا، میں تو کئی مرتبہ سوچا کرتا ہوں، اللہ یہ آپ ہی کا حلم ہے کہ اتنے علم کے باوجود آپ نے ہماری شکلیں مسخ کرنے سے روکا ہوا ہے، آپ نے اپنے عذاب کا کوڑا پھینکنے سے بھی روکا ہوا ہے، حالانکہ ظاہر میں جو ہمارے عمل ہیں وہ تو آپ کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں۔

مخلوط محفلوں میں جانے سے پرہیز:

مخلوط محفلوں میں جانے سے پرہیز کیا جائے عام طور پر شادی بیاہ اور اس قسم کی جو تقاریب ہوتی ہیں ان میں عورتیں ویسے بھی بن سنور کر، تیار ہو کر، اچھے کپڑے پہن کر جاتی ہیں اور جب بھی عورت بنی سنوری ہوگی تو اسکے لیے بے پردگی کرنا آسان ہو گا، اس وقت نیک شریف عورتیں بھی بے پردگی کر لیتی ہیں۔ اسلیے کہ وہ اپنے آپ کو سمجھتی ہیں کہ اس حالت میں اگر کوئی ہمیں دیکھے تو وہ سمجھے گا کہ ہاں یہ حور پری لڑکی ہے۔ تو ایسی محفلوں میں جانے سے پرہیز کرنا چاہیے چونکہ وہاں جانے سے انسان کا ایمان زیادہ خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح غیر محرم کو دیکھنا، اس کے ساتھ باتیں کرنا،

چونکہ بات سے بات بڑھتی ہے اور پھر شیطان انسان کو ایک دوسرے کے ساتھ Involve (منسلک) کر دیتا ہے۔غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا،حتی کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر رابعہ بصریہ ہواور حسن بصری اس کو بیٹھے قرآن پڑھا رہے ہوں اور دونوں تنہا ہوں تو ان دونوں کے درمیان بھی شیطان کوئی نہ کوئی معاملہ شروع کرادے گا۔

موسیقی......زنا کی محرّک:

سیل فون کے بعد ایک مصیبت میوزک کی بھی ہے، گانا سننا، ڈرامے دیکھنا، ٹی وی دیکھنا، یہ جو موسیقی ہے، یہ کانوں کا زنا ہے۔ایک روایت میں آتا ہے کہ موسیقی سننے سے دل میں زنا کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ موسیقی سے دل میں اس طرح نفاق پیدا ہوتا ہے جس طرح کہ بارش کے برسنے سے زمین میں کھیتی پیدا ہوتی ہے۔اور آج ہم لوگ اپنے ہاتھوں سے بہترین ٹی وی لا کر خود اپنے گھر میں سجاتے ہیں کہ جی عورتیں فارغ ہوتی ہیں تو وہ ٹی وی دیکھا کریں گی۔یہ ٹی وی تو ایمان کی ٹی بی ہے جس کو ہم نے گھر میں لا کر رکھ دیا، یہ شیطان کی ایک بریگیڈ فوج ہے جس کو ہم نے خود اپنے گھر میں لا کر رکھ دیا، تو ایسی چیز انسان کو اور زیادہ گناہ کی طرف مائل کرتی ہے۔

چنانچہ آج جتنے بھی پروگرام ہیں، وہ چاہے دیکھنے میں بڑے اچھے ڈرامے ہوں۔مگر زندگی میں ہم نے ٹی وی کی وجہ سے ہزاروں کو بگڑتے تو دیکھا، سنورتے ہوئے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔آج تک کوئی ایک لڑکی بھی نہیں جو کہے کہ میں ٹی وی کی وجہ سے تہجد گزار بن گئی ہوں، میں پردہ دار بن گئی ہوں۔اور ہم درجنوں بچیوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو اپنی عزتیں لٹا بیٹھیں اس بے کار ٹی وی کی وجہ سے۔

پھر تیسری چیز ناول افسانے اور اس قسم کا جو پرنٹنگ میٹر ہوتا ہے ان سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

نامحرم کی رینج سے دور رہیں:

عورت جتنا اپنے آپ کو غیر مرد کی رینج سے دور رکھے گی اتنا محفوظ رہے گی۔اس لیے شریعت نے کہا کہ عورت اپنا نام بھی دوسرے کے سامنے ظاہر نہ کرے۔بات کرنی ہو تو اپنی آواز میں نرمی نہ رکھے اس سے ذرا سختی کے ساتھ بات کرے اور واقعی اتنا یہ بہترین گر ہے کہ غیر محرم مرد سے اگر کبھی ضرورت کے وقت بات کرنی بھی پڑے تو ہلکی بات کرے اور ایسے بات کرے کہ جیسے یہ تو ڈائن ہے اور کھا ہی جائے گی۔ہم نے دیکھا کہ جس مرد کے ساتھ عورت سختی سے بات کرے وہ دوبارہ اس سے بات کرنے کی جرأت ہی نہیں کرتا، یہ بچی جو سختی سے بات کرے گی یہ اللہ رب العزت کی رضا پانے والی بن جائے گی۔اللہ کے ہاں یہ بچی اپنی عزت کی حفاظت کرنے والی بن جائے گی۔

چنانچہ شریعت نے کہا کہ بے پردہ ہو کر نہ نکلے، بن سنور کر نہ نکلے، باہر نکلے تو خوشبوئیں لگا کر نہ نکلے، اور گزرگاہ میں مردوں کے قریب سے نہ گزرے، کسی غیر محرم مرد کو خط نہ لکھے، کوئی ضرورت ہو تو اپنے محرم مرد کے ذریعے سے لکھے، اسی طرح فرمایا کہ اپنے حالات کسی غیر محرم مرد کے سامنے نہ کھولے، کئی مرتبہ شادی شدہ عورتیں اپنے پرسنل حالات کسی دوسرے مرد کے سامنے کہہ دیتی ہیں مشورے کیلیے اور یہی چیز ان کے لیے گناہ میں ملوث ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔مرد کئی مرتبہ اپنی بیوی کی اچھائی کے تذکرے مردوں کی محفل میں کر دیتے ہیں۔اس لیے شریعت نے منع کر دیا کہ میاں بیوی اگر آپس میں میل ملاپ کریں اور پھر عورتوں میں عورت بات بتائے اور مردوں میں مرد بتائے تو فرمایا کہ یہ مرد سور ہے اور عورت بھی سورنی ہے، حدیث پاک میں ان کو اس نام سے پکارا گیا اس لیے کہ سور جانوروں میں سب سے زیادہ بے شرم جانور ہے۔تو اپنے گھر کی باتیں اس طرح غیروں کے سامنے نہیں کہنی چاہییں۔

والدین بچوں پر نظر رکھیں:

والدین کو چاہیے کہ بچوں پر کڑی نظر رکھا کریں، ان کے حالات اور عادات کو نوٹ کیا کریں۔ بچے اگر بڑے ہوگئے ہیں تو ان کو ایک چارپائی پر نہیں لیٹنے دینا چاہیے، اور بچوں کے کمرے اگر الگ الگ ہوں تو ان کے اندر کمروں کو لاک کرنے کا سسٹم نہیں ہونا چاہیے۔ بچے اپنے کمرے میں رہیں مگر اگر بیٹی ہے تو ماں کو اجازت ہے جب چاہے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوجائے۔ اگر لڑکے کا کمرہ ہے تو باپ جب چاہے اسکے کمرے میں داخل ہوجائے۔ دروازہ بند نہیں ہونا چاہیے، ادھر دروازہ بند ہوا اور ادھر شیطان نے گناہ کا دروازہ کھول دیا۔ ماں باپ سمجھتے ہیں بیٹی بیٹھی ہوئی امتحان کی تیاری کررہی ہے اور ان کو کیا پتہ ہوتا ہے کہ وہ بیٹی کمرے میں بیٹھی ہوئی باتیں کررہی ہے یا سیل فون کے کیمرے سے اپنی تصویریں اتار اتار کر دوسری طرف مردوں کو بھیج رہی ہے، تو اس لیے جوان بچوں کا آج کل کے دور میں اس طرح اپنے اپنے کمروں میں بند رہنا، اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ ماں نظر رکھے اگر بغیر وجہ لڑکی بستر میں لیٹی ہوئی ہے تو کیوں لیٹی ہے؟ راتوں کو ساری ساری رات جاگتی ہیں اور پھر دن کے بارہ بجے تک سوتی ہیں۔ یہ جو وقت کی ترتیب بدلتی ہے، یہ اشارہ ملتا ہے۔

اسی طرح اگر جوان بچوں نے غسل کرنا ہے تو اس کے لئے ان کو چند منٹ کی ضرورت ہے وہ غسل کریں اور باہر نکلیں، کئی مرتبہ غسل خانے میں آدھا گھنٹہ، پونا گھنٹہ، ایک گھنٹہ بچے لگادیتے ہیں، اگر بچوں کو نہ سمجھایا جائے تو وہ تو بیت الخلاء کو بیت الخالہ ہی سمجھ لیتے ہیں، اور وہیں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تو ماں کو ان چیزوں پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ اپنی جوان اولاد کی اچھی تربیت کرسکے، اتنا بچوں کے ذہن میں ڈر ہو کہ ان کو پتہ ہو کہ اگر ہم بیت الخلاء میں دو منٹ زیادہ لگا بیٹھیں گے تو امی دروازہ کھٹکھٹائیں گی، اس لیے وہ جائیں اور اپنی ضرورت پوری کرکے باہر آجائیں۔

ان چیزوں کا ماں باپ کو خیال رکھنا چاہیے، بچی کس وقت سکول جارہی ہے؟ آنے کا وقت کیا ہے؟ اگر آنے کے وقت سے پانچ منٹ بھی تاخیر ہوئی تو ماں پوچھے کہ آپ کو آنے میں دیر کیوں لگی؟ روز کا روز پوچھتی رہیں گی تو آپ کو پتہ چلے گا کہ کیا روٹین ہوتی ہے۔ آج تو بچیاں سکول جاتی ہیں اور سکول سے کبھی چھٹی کر لی اور جتنا سکول کا وقت ہوتا ہے وہ اپنے کسی نہ کسی ساتھی کے ساتھ اِدھر اُدھر گزار لیتی ہیں۔ ہم تو نوجوانوں سے جب ان کی باتیں سنتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں کہ کس طرح بچیاں اپنے ماں باپ کی ناک کے نیچے دیا جلاتی ہیں! اس طرح گناہوں کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیتی ہیں۔ تو یہ ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ جوان بچوں کو پاکدامنی کی زندگی گزارنے میں ان کی مدد کریں، وقتی طور پر بچے اس کو برا سمجھیں گے لیکن جب ذرا بڑی عمر کو پہنچیں گے Maturaty (پختگی) کی عمر کو تو اپنے ماں باپ کو اپنا محسن سمجھیں گے کہ واقعی انہوں نے کتنا اچھا کیا کہ اس وقت میں انہوں نے ہمیں برائی میں پڑنے سے بچا لیا۔ جو انسان جس قدر اپنے آپ کو برائی سے بچائے گا، اتنا ہی اللہ رب العزت کا وہ پسندیدہ بن جائے گا۔

جنسی جذبے کا فطری علاج:

اب رہ گئی بات کہ انسان کے اندر یہ ایک فطری جذبہ ہے، جیسے پیاس لگتی ہے، بھوک لگتی ہے، کھانا کھانا پڑتا ہے، نیند آتی ہے، سونا پڑتا ہے، انسان کو پیشاب پاخانہ کے تقاضے سے فارغ ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے جوانی کی عمر میں مرد اور عورت کے اندر یہ ایک فطری تقاضہ رکھ دیا اور شریعت نے اس کا بہترین علاج بتا دیا۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ جیسے ہی بچی جوان ہو، جوڑ کا خاوند ملے، اسکا نکاح کر دو، شادی کر دو، تو جلدی شادی کر دینا یہ بھی پاکدامنی کی زندگی گزارنے کیلیے بہت ضروری ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں اچھے سے اچھا رشتہ ڈھونڈنے کی تلاش میں بچیوں کی عمر تیس سال، چوبیس سال، پچیس سال ہو جاتی ہے۔ اب ذرا

غور کریں کہ جو بچی چودہ سال میں جوان ہوگئی تو کیا وہ چوبیس سال تک بغیر گناہ کے رہے گی؟ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی طرح وہ کسی گناہ میں ضرور ملوث ہوگی۔ یا تو کسی سے بات کرے گی، کسی کو میسج کرے گی، یہ خود اگر گناہ کی طرف نہیں جانا چاہے گی تو آج کل مردوں کو برائی کی طرف مائل کرنے کے لیے بڑا تجربہ حاصل ہے، ایسے ایسے طریقوں سے وہ جال ڈالتے ہیں کہ پھنسنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ ہم کیسے ٹریپ ہوگئے؟ تو ماں باپ کے گھر میں دس سال جوانی کے گزار دینا، کیا یہ کوئی آسان سی بات ہے؟ بلکہ ہم نے دیکھا کہ دیہاتوں میں تو تیس تیس سال کی بچیاں ہو جاتی ہیں ان کی بھی شادی نہیں کرتے۔

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا فرمان:

عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ایک گھر میں گئے، ان کی بیٹی کی عمر تیس سال ہوگئی تھی اور انہوں نے شادی نہ کی تھی۔ انہوں نے اس بچی کی ماں کو کہا کہ اب آپ کی بیٹی کی عمر بہت زیادہ ہوگئی اس کا نکاح کر دیں، ماں آگے سے کہنے لگی: ابھی تو عمر چھوٹی ہے، ابھی تو اس کے منہ سے دودھ کی خوشبو آتی ہے۔ جب ماں نے یہ بات کہی تو عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا کہ اگر یہ دودھ پھٹ گیا تو یہ انسانوں کے کام کا نہیں رہے گا، پھر اسے کتے ہی پیا کریں گے۔ تو بات تو ایسی ہی ہے۔ معمولی معمولی وجوہات سے شادیوں کو لیٹ کرتے ہیں۔ بلکہ ہم نے تو دیکھا کہ بڑی بچی کی شادی کی تیاری ہو رہی ہے اور اس سے نیچے کی تین بیٹیاں بھی جوانی کی عمر میں پہنچی ہوتی ہیں۔ ماں باپ کو بلاوجہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شادی لیٹ کر دینا یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

''کرے کوئی بھرے کوئی'':

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ علما نے مسئلہ لکھا ہے کہ جو بچی جوانی کی عمر میں پہنچنے کے بعد پھر کسی گناہ کی مرتکب ہوگی، بچی کو تو عذاب ہوگا ہی سہی، بچی کے ساتھ اس کے

ماں باپ کو بھی عذاب دیا جائے گا کہ تم نے اس کا فرض ادا کرنے میں کیوں دیر کی تھی؟۔اب بتائیں کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، بوڑھی ماں اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی گنہگار بن رہی ہے۔نیک باپ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا اللہ کا مجرم بن رہا ہے کیوں کہ اس نے جوان بیٹی کی شادی جو نہیں کی۔ جو رشتے آئیں ان میں سے جو آپ کو بہتر لگے اس کے ساتھ کر دیں، یہی سمجھیں کہ میرے اللہ کی طرف سے میری بیٹی کا یہ نصیب ہے۔آئیڈیل کی تلاش میں تو پھر پوری زندگی بھی بیٹھے رہیں گے، اور زندگی کا وقت بھی کم ہے۔تو شادی جلدی کرنا، یہ برائی کے کاموں سے بچنے کے لیے سب سے بہترین عمل ہے۔

بچیوں کو نیکی کے کام پر لگا دیں:

اگر کسی وجہ سے شادی میں کوئی رکاوٹ ہے، دیر ہے، رشتہ نہیں آرہا تو پھر بچی کو نیکی کے کام پر لگا دینا چاہیے تا کہ وہ دین پڑھے۔دین کے کام میں لگے، قرآن کا ترجمہ پڑھے، تفسیر پڑھے، حدیث پڑھے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ اگر بچی کی شادی کو دیر ہو رہی ہے تو سکول کے بعد کالج بھیج دیتے ہیں اور کالج کے بعد پھر یونیورسٹی بھیج دیتے ہیں۔یعنی بچی کو مصروف رکھنے کا یہ طریقہ ہے۔اور آپ کو پتہ ہی ہے کہ یہ کالج اور یونیورسٹیاں یہ بچیوں کو برباد کرنے کے لئے Perfect (موزوں) جگہیں ہیں۔وہاں تو جو بچی جاتی ہے اس کے دل سے شرم وحیا کیا نکلنی! کئی مرتبہ ایمان ہی سینے سے نکل جاتا ہے، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ایسا ماحول ہے۔تو بچی کو کوئی نام کی خاطر تو نہیں پڑھانا ہوتا اتنا پڑھانا ہوتا ہے کہ وہ کل کو اپنے گھر کو آباد کر سکے، گھر کا حساب کتاب سنبھال سکے، بچوں کو ابتدائی کلاسوں میں خود چلا سکے۔اس لئے کہ جو خود نہیں پڑھی ہوئی وہ بچوں کو کیا سنبھالے گی تو اس لئے بچیوں کو ایک حد تک واجبی تعلیم دیں اور اس کے بعد ان کو گھر کے سنبھالنے کی ذمہ داری پر لگا دیں۔خواہ مخواہ وقت گزاری کیلئے ان کو یونیورسٹی کالج بھیج دینا یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے آپ کسی کتے کے

سامنے بوٹی پھینک دیں اور پھر انتظار میں رہیں کہ کتے کو نہیں چاہیے کہ وہ بوٹی کھائے۔ جب آپ نے اپنی جوان بیٹی کو گھر سے بھیج ہی دیا تو اب آپ کس کو روکیں گے کہ وہ آپ کی بیٹی کی طرف آنکھ نہ اٹھا کر دیکھے؟

کہتے ہیں کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو پردہ نہیں کرواتا تھا، جب بھی اس کو کہا جاتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتا۔ چنانچہ ایک آدمی نے دو کلو گوشت لیا اور اس کو ایک پلیٹ میں ڈال کر پلیٹ کو سر پر رکھ لیا اور اس آدمی کے ساتھ چلنے لگ گیا۔ اب جیسے ہی یہ چلنے لگا تو اوپر سے کوے، پرندے آنے لگے اور وہ دو کلو گوشت کی جو بوٹیاں تھیں ایک ایک بوٹی اٹھا کر لے جانے لگے۔ تھوڑی دور چلے تو گوشت ہی ختم۔ تو وہ آدمی کہنے لگا کہ تجھ جیسا بھی کوئی بیوقوف ہوگا کہ تو نے گوشت لیا اور اس طرح پلیٹ میں ڈال کر پرندوں کو دکھا کر جا رہا ہے، وہ تو اس گوشت کو نوچیں گے۔ اس نے کہا کہ اچھا! میں نے تو دو کلو گوشت کو پرندوں کے سامنے رکھا اور تم یہ جو ساٹھ کلو کی بیوی لوگوں کے سامنے رکھتے ہو تو کیا لوگ اس کو نوچنے کے لیے کوششیں نہیں کریں گے، اسے بھی ڈھانپ کر رکھو۔ تب اس بندے کی سمجھ میں بات آئی کہ واقعی بے پردہ عورت کا باہر نکلنا تو خطرہ کی بات ہوتی ہے۔ تو اپنے آپ کو انسان نیکی کی طرف لگائے تا کہ اس گناہ کے کام سے بچ جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید پڑھیں، اللہ کا ذکر کریں، ہر وقت باوضو رہیں اور نماز پڑھ کر اللہ سے مدد مانگیں۔

روزے رکھیں:

شریعت نے ایک بہترین حل اور بتایا، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، فَلْيَتَزَوَّجْ اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کر لے اور جس کے پاس استطاعت نہیں ہے، اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے۔ اس لیے کہ روزہ اس کے لیے

پاکدامنی کی زندگی گزارنے میں معاون ہوگا۔تو ایسی بچیاں جو جوان العمر ہیں لیکن شادی کا ابھی موقع نہیں یا وہ عورتیں جو جوان ہیں مگر بیوہ ہوگئیں یا وہ عورتیں جو شادی شدہ ہیں مگر خاوند اپنے بزنس یا کام کی وجہ سے دور ہے ان کو چاہیے کہ وہ روزے کے ذریعے اپنے آپ کو نیکوکاری کے راستے پر پکا رکھنے کی کوشش کریں۔ جتنا روزے زیادہ رکھیں گی اتنا ان کے لیے اپنے گندے خیالات کو دبانا آسان ہوگا۔

چنانچہ یا تو اسلامی مہینوں کے حساب سے تیرہ چودہ پندرہ تاریخ کو روزے رکھے جائیں یا پھر ہر ہفتے کے اندر پیر کا دن اور جمعرات کا دن یا بدھ کا دن اور جمعہ کا دن یعنی جو بھی دن متعین کرلیں، تو ہفتے میں اگر دو دن روزے رکھ لیے جائیں تو اس کا طبیعت کے اوپر بہت اچھا اثر ہوتا ہے اور انسان کے خیالات پاک رہنے آسان ہوتے ہیں اور اگر محسوس کرے کہ دو روزوں سے بھی کام نہیں بن رہا تو پھر بہترین ترکیب یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے، ایک دن روزہ رکھے، ایک دن افطار کرے، یہ صوم داؤدی کہلاتے ہیں اور اس کی عجیب برکت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کے جوان بچے اور بچیاں فرض روزوں میں کوتاہیاں کرتے ہیں تو پتہ نہیں یہ عفت و پاکدامنی کی زندگی کیسے گزارتے ہوں گے؟

فارغ نہ رہیں:

گناہ سے بچانے کے لیے اپنے آپ کو فارغ نہ رہنے دیں، لڑکی اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھے۔ اگر پڑھائی کا کام نہیں تو اپنے آپ کو گھر کی Cooking (پکوائی) میں مصروف کرلے، ماں کی معاونت کرنے میں، گھر کے کام کاج سمیٹنے میں اپنے آپ کو مصروف کرلے۔ کسی نہ کسی نیک کام میں لگی رہے، اپنے آپ کو فارغ نہ رہنے دے، جہاں بچی فارغ ہوئی وہاں اس کے دماغ کے اندر شیطان نے الٹے سیدھے خیالات ڈالنے شروع کردیے۔

تنہائی میں نہ رہیں:

اور دوسری بات یہ کہ تنہائی میں بھی نہ رہیں اور بغیر نیند کے بستر پر جا کر نہ لیٹیں چونکہ شیطان نے کہا کہ جن مواقع پر میں بہت زیادہ محنت کرتا ہوں اور بندے کو گناہ کی طرف مائل کرتا ہوں ان میں سے ایک موقع یہ ہے کہ جب انسان بغیر نیند کے بستر میں لیٹا ہوا ہو تو اب میں اس کے ذہن میں برے خیالات ڈال کر اس کے دل میں گناہ کرنے کی آرزو ڈال دیتا ہوں۔

استغفار اور ذکر کی کثرت کریں:

جب بھی آپ دیکھیں کہ آپ کے ذہن میں الٹے سیدھے خیالات آتے ہیں استغفار زیادہ کریں۔ ذکر سے، استغفار سے اللہ رب العزت شیطان کو بندے سے دور کر دیتے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾

''بے شک وہ لوگ جو ڈرتے ہیں جب انہیں شیطانی لشکر گھیر لیتے ہیں تو وہ ذکر کرتے ہیں پس وہ بچ جاتے ہیں''

دیکھیں جو ذکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی آنکھوں کو بصیرت عطا کر دیتے ہیں اور وہ شیطان کے پھندے سے بچ جاتے ہیں۔

اللہ کی پیشی کو سامنے رکھیں:

اور اگر زیادہ خیالات آئیں اور بندے کو تنگ کریں تو سوچیں کل قیامت کے دن مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش تو ہونا ہی ہے۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ'' جو عورت بے پردہ پھرنے کی عادی ہوگی قیامت کے دن جب اللہ رب العزت کے

سامنے جائے گی اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نگاہوں کو ہٹالیں گے۔ وَ لَا یَنۡظُرُ اِلَیۡھِمۡ۔ یہ ان لوگوں میں سے ہوگی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔ سوچیں یہ کتنی بڑی انسان کے لئے مصیبت ہے جو اس ایک گناہ کی وجہ سے پیش آجاتی ہے۔

زنا قرض ہوتا ہے:

اور یہ بھی ہے کہ علما نے لکھا ہے کہ یہ زنا ایسا گناہ ہے جو انسان پر قرض ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت اس گناہ کی مرتکب ہوگی تو وہ ذہن میں رکھے کہ اب اس کے بدلے میں اس کی اولاد میں سے کوئی نہ کوئی اسی گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اگر خاوند اس گناہ کا مرتکب ہو تو وہ ذہن میں رکھے کہ چونکہ میں نے یہ گناہ کیا اب میرے گھر میں سے بیوی، بیٹی، بہن کوئی نہ کوئی تو ضرور اس گناہ کی مرتکب ہوگی۔ حدیث کے الفاظ نقل کرتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے مگر حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر تم لوگوں کی عورتوں سے عفیف رہو گے لوگ تمہاری عورتوں کے ساتھ عفیف رہیں گے، پاکدامنی کی زندگی گزاریں گے اور اگر تم زنا کے مرتکب ہو گے تو تمہارے گھر میں کسی نہ کسی کے ساتھ زنا کیا جائے گا، اگر چہ تمہارے گھر کی دیواروں سے ہی کیوں نہ کیا جائے۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے یہ بات کیسے ارشاد فرمائی کہ تم زنا کرو گے تو اس کے بدلے تمہارے گھر کی عورتوں میں سے کسی کے ساتھ زنا ہوگا اگر چہ وہ گھر کی دیواروں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ اسلیے اس گندے گناہ سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے، ورنہ تو ایک کی غلطی سے نسلیں خراب ہوجاتی ہیں۔ اللہ رب العزت اس گناہ کی نحوست سے ہمیں بچائے اور ہمیں حیا اور پاکدامنی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مرد کا جہاد اور عورت کا جہاد:

ایک ہوتا ہے مرد کا جہاد، مرد کا جہاد باہر جا کر ہوتا ہے، ملک کی سرحدوں پر دشمن کے سامنے مرد کا جہاد ہوتا ہے۔ اور ایک ہوتا ہے عورت کا جہاد، عورت کا جہاد گھر کے اندر رہتے ہوئے اپنی عزت وناموس کو بچانے کے لیے ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مردوں سے جہاد کرنے پر بیعت لی، جیسے بیعت رضوان اور نبی ﷺ نے عورتوں سے عزت وپاکدامنی کی زندگی گزارنے پر بیعت لی، وَلَا یَزْنِیْنَ کا لفظ قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ

- مجاہد کا جہاد گھر سے باہر نکل کر ہوتا ہے۔ عورت کا جہاد گھر میں رہ کر ہوتا ہے۔
- مجاہد کا جہاد، کافر دشمن کے ساتھ ہوتا ہے اور عورت کا جہاد، غیر محرم مرد کے ساتھ ہوتا ہے۔
- دشمن، مجاہد کے اوپر گولیاں برساتا ہے اور غیر محرم، عورتوں کو میسج بھیجتا ہے اور بری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور بری نظروں کے تیر چلاتا ہے۔
- دشمن، مجاہد کے ملکی وسائل سے فائدہ لینا چاہتا ہے اور غیر محرم عورت کے جسم سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔
- مجاہد، دشمن کو ملک کی سرحد سے دور رکھتا ہے اور عورت غیر محرم مرد کو اپنے آپ سے دور رکھتی ہے۔
- مجاہد، دشمن کو ملک کے اندر ایک انچ گھسنے کی اجازت نہیں دیتا۔ عورت، غیر محرم مرد کو اپنے جسم کے ساتھ ایک انگلی بھی ٹچ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔
- مجاہد، دشمن پر اعتماد نہیں کرتا۔ عورت غیر محرم پر کبھی بھی اعتماد نہیں کرتی۔
- مجاہد مورچہ میں رہ کر اپنا دفاع کرتا ہے اور عورت گھر کی چار دیواری میں رہ کر اپنی حفاظت کرتی ہے۔

- مجاہد سمجھتا ہے کہ دشمن نے دیکھ لیا تو میری جان کا خطرہ ہے۔ عورت سمجھتی ہے کہ غیر محرم نے دیکھ لیا تو میری آبرو، میرے ایمان کا خطرہ ہے۔
- دشمن، مجاہد کے ملک کو لوٹنا چاہتا ہے، غیر محرم، عورت کی عزت وآبرو کو لوٹنا چاہتا ہے۔
- مجاہد، نے دشمن کو دور رکھ کر غازی کا درجہ پایا۔ عورت نے غیر محرم کو دور رکھ کر اللہ کے ہاں مجاہدہ کا لقب پایا۔
- مجاہد، دشمن سے چھپ کر کام کرتا ہے۔ عورت، غیر محرم سے چھپ کر اپنی زندگی گزارتی ہے۔
- مجاہد، دشمن کے وار سے بچنے کے لئے زرہ پہن لیتا ہے۔ عورت، غیر محرم کی نگاہوں سے بچنے کے لیے برقعہ استعمال کر لیتی ہے۔
- مجاہد کو دشمن کے سامنے استقامت دکھانے پر کامیابی ملتی ہے۔ عورت کو غیر محرم کے معاملے میں سختی دکھانے پر اللہ کے ہاں کامیابی ملتی ہے۔
- چنانچہ دشمن مجاہد کے ساتھ مذاکرات کو چال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ غیر محرم مرد، عورت کے ساتھ بات چیت کو چال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔
- دشمن، مجاہد کے ملک میں جاسوس بھیجتا ہے۔ غیر محرم عورت کی طرف اپنی فون کالز بھیجتا ہے۔
- دشمن، مجاہد کے راستے میں بارودی سرنگیں بچھا کر کامیاب ہوتا ہے اور غیر محرم، عورت کی طرف اس کی برتھ ڈے وغیرہ پر اپنے گفٹ اور تحفے تحائف بھیج کر اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔
- مجاہد کو دن رات سرحد کا پہرہ دینا پڑتا ہے۔ عورت کو دن رات غیر محرم سے اپنی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔
- مجاہد، دشمن کو اپنی کمزوری کا پتہ نہیں چلنے دیتا، عورت پردے کے ذریعے غیر محرم

کو اپنے حسن و جمال کا پتہ ہی نہیں چلنے دیتی۔

- اندرونی دشمن مجاہد کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیتا ہے، عورت کو اس کا نفس غیر محرم کے سامنے y e i l d (سپرد) کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔
- مجاہد کو جہاد اللہ رب العزت کا قرب عطا کرتا ہے، عورت کو پاکدامنی اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتی ہے۔
- مجاہد کو دشمن سے خطرہ ہو تو وہ مومن دوست سے مدد حاصل کرتا ہے اور عورت کو غیر محرم سے خطرہ ہو تو وہ گھر کے محرم مردوں سے اپنی مدد حاصل کرتی ہے۔
- مجاہد کو چاہیے کہ دشمن کے حملے کا دندان شکن جواب دے، عورت کو چاہئے کہ غیر محرم کی بات کا منہ توڑ جواب دے۔
- مجاہد کو اپنے ملک کی حفاظت کرنے سے محبت ہوتی ہے، عورت کو اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے سے محبت ہوتی ہے۔
- مجاہد کی دعائیں اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوتی ہیں۔ پاکدامن عورت کی دعائیں اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوتی ہیں۔
- مجاہد کو اندرونی دشمن سے زیادہ خطرہ ہوتا ہے، عورت کو غیر محرم قریبی رشتہ داروں سے زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔
- مجاہد ملک کی حفاظت کرتے ہوئے مرا تو اس کو شہید کہا جاتا ہے، عورت اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرتے ہوئے مری تو اس کو شہیدِ آخرت کہا جاتا ہے۔
- مجاہد کو چاہیے کہ اپنی کامیابی کے لیے اللہ سے دعا مانگے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے اللہ سے دعا مانگے۔

تو معلوم ہوا کہ جس طرح مرد، مجاہد ہوتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ جہاد کا ثواب عطا فرماتے ہیں، عورت اپنے گھر میں رہ کر اپنے عزت و ناموس کی حفاظت کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی جہاد کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

ایک لڑکی کا جذبہ جہاد:

پہلے وقت کی عورتیں، سبحان اللہ! اللہ کے نام پر قربان ہوتی تھیں اور اللہ کو منانے کے لیے کیا کیا عمل کرتی تھیں! چنانچہ علامہ باقری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں: رومیوں نے چند مسلمان عورتوں کو گرفتار کرلیا، ہارون الرشید کا زمانہ تھا، ہارون الرشید نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کو تیار کیجیے تاکہ ہم فوج تیار کر کے ان پر حملہ کریں۔ایک عالم نے جہاد کی ترغیب دی کہ اللہ کے راستے میں نکلو، اپنی جانوں کو اپنے مالوں کو اللہ کے راستے میں پیش کرو، وہ کہتے ہیں: جب میں نے لوگوں کو اللہ کے راستے میں جہاد کی ترغیب دی تو اسکے بعد اپنے گھر کی طرف آنے لگا، راستے میں ایک جوان لڑکی کو انتظار کرتے دیکھا، میں اسکے قریب سے گزرنے لگا، تو اس نے مجھے اپنی طرف کوئی بات کرنے کے لیے متوجہ کیا، میں سمجھا کہ شاید اس کی نیت ٹھیک نہیں تو میں اس سے آگے گزرنے لگا۔ وہ لڑکی کہنے لگی کہ کیا نیک لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی کی بات ہی نہیں سنتے ؟ تو پھر میں رک گیا کہ یہ بچی کچھ اچھی بات کرنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا بیٹی! آپ مجھے کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ ہی نے جہاد کے لئے ترغیب دی ہے، میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: میری طرف سے یہ رقعہ لے لیں اور یہ تھیلا لے لیں جہاد کے لیے۔ میں نے جب رقعہ لے کر پڑھا، تو رقعہ پر لکھا ہوا تھا کہ میں اکیلی گھر میں ہوں، جہاد کے لئے خود تو نکل نہیں سکتی، مگر میرے سر کے بال کافی لمبے ہیں، میں نے اپنے سر کے یہ خوبصورت بال کاٹ کر اس تھیلے میں ڈال دیے ہیں، ان بالوں سے کسی ایسے گھوڑے کی لگام بنالیجیے جو اللہ کے راستے میں نکل چکا ہو، وہ کہتے ہیں: میں حیران ہوگیا کہ عورت میں جہاد کا اتنا جذبہ کہ اپنے سر کے بال کاٹ کر دے دیے اس گھوڑے کے لئے جو اللہ کے راستے میں نکل چکا ہو۔

کوئی وقت تھا کہ عورتوں کے دل میں دین کی اتنی عزت ہوتی تھی اور اسطرح تڑپتی تھیں دین پر قربان ہونے کے لیے، آج کی عورت گھر میں بیٹھ کر جہاد کا یہ ثواب

حاصل کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے، اگر ہم پاکدامنی کی زندگی گزاریں گے تو یقیناً اللہ رب العزت کے ہاں ہمیں جنت ملے گی کیونکہ یہ اللہ رب العزت کا وعدہ ہے۔

گناہ سے بچنے والے کا ٹھکانہ جنت ہے:

چنانچہ ایک آخری واقعہ سنا کر آج کے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں، امید ہے کہ آپ دل کے کانوں سے سنیں گی۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی ؒ کے زمانے کا وقت ہے ایک علاقے کا کوئی گورنر تھا، حاکم تھا، وہ اپنی بیوی کے ساتھ اپنے گھر میں تنہائی کے لمحات میں تھا، خاوند اچھے موڈ میں تھا مگر بیوی کسی وجہ سے اس سے ناراض تھی۔ اب خاوند جتنا اس سے محبت پیار کی بات کرتا، وہ بیوی اتنا اس سے چڑتی اور اس سے بدتمیزی کرتی، حتیٰ کہ جب خاوند نے بہت زیادہ اس سے محبت کا اظہار کیا تو عورت کا دماغ اس وقت گرم تھا، وہ بیوقوف آگے سے کہنے لگی کہ جہنمی پیچھے ہٹ! مجھے ہاتھ مت لگا۔ اب جب اس نے اپنے خاوند کو جہنمی کہا تو آخر وہ بھی مرد تھا، اس کو غصہ آ گیا، اس نے کہا کہ اچھا اگر میں جہنمی تو پھر تجھے میری طرف سے طلاق۔ اب رات تو گزر گئی، صبح جب دونوں کا دماغ ٹھنڈا ہوا تو عورت کو بھی غلطی کا احساس ہوا کہ میں اپنے خاوند سے ناراض تھی مگر مجھے یہ لفظ تو نہیں کہنا چاہیے تھا کہ جہنمی پرے ہٹ۔ میں نے تو غلطی کر لی، اب وہ اپنے خاوند سے پوچھنے لگی کہ جی! کیا مجھے طلاق ہو گئی؟ اس نے کہا: پتہ نہیں یہ تو Conditional (شرطیہ) تھی، کہ اگر میں جہنمی ہوں تو تجھے میری طرف سے طلاق، لہٰذا مجھے علما سے پوچھنا پڑے گا۔ خاوند نے علما کو بلایا، علما کہنے لگے کہ اس کا جواب ہم تو نہیں دے سکتے، اس لیے کہ کون گارنٹی دے کہ آپ جہنمی نہیں ہیں، کون فیصلہ کر سکتا ہے؟ یہ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فیصلہ کریں گے۔ لہٰذا یہ بات top of the town (زبان زدعام) بن گئی، سینکڑوں علما سے رابطہ کیا گیا مگر کوئی عالم، کوئی مفتی اس کا جواب نہیں دے پا رہا تھا۔ بادشاہ پریشان تھا، وہ بھی اپنی

اتنی خوبصورت بیوی کو طلاق نہیں دینا چاہتا تھا، بیوی بھی اب طلاق نہیں لینا چاہتی تھی۔
چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے بتایا کہ جی فلاں علاقے میں یہ واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے وہاں لے چلو! میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آئے اور انہوں نے حاکم سے پوچھا کہ کیا واقعہ پیش آیا؟ اس نے بتایا کہ اس طرح میری بیوی نے یہ الفاظ کہے اور میں نے اس کے جواب میں یہ الفاظ کہے، اب بتائیں طلاق ہوئی کہ نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بادشاہ سلامت! اس کا جواب دینے کے لیے مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں پوچھنی پڑیں گی، اس نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا: بادشاہ سلامت! مجھے زندگی کا کوئی ایسا واقعہ بتائیں کہ جس میں آپ گناہ کرنے کا موقع رکھتے ہوں، گناہ کرنا آپ کے لیے آسان ہو مگر اللہ رب العزت کے ڈر کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو بچایا ہو، کوئی واقعہ ایسا سنائیں۔
بادشاہ سوچتا رہا، کہنے لگا: ہاں! ایک دفعہ میری زندگی میں یہ واقعہ پیش آیا، کیسے پیش آیا؟ کہنے لگا: ایک دفعہ میں جلدی اپنے دفتر کے کام سے فارغ ہو کر اپنے بیڈروم میں چلا گیا، جیسے ہی میں داخل ہوا، میں نے دیکھا کہ محل میں کام کرنے والی لڑکی میرے کمرے میں چیزوں کو سنوار رہی تھی، بستر کو ٹھیک کر رہی تھی۔ جب میری اس کے چہرے پر نظر پڑی تو لڑکی حسن و جمال میں بہت پیاری تھی، چنانچہ میں نے دروازے کو لاک لگا دیا، بند کر دیا۔ جب میں لاک لگا کر آگے بڑھا، تو وہ لڑکی سمجھ گئی کہ میری نیت خراب ہے، وہ نیک تھی، پاکدامن تھی، تو میری طرف دیکھ کر اس نے کہا: **يَا مَلِكُ اِتَّقُوا اللّٰهَ** اے بادشاہ! اللہ سے ڈر!۔ جیسے ہی اس نے یہ لفظ کہا: ''اللہ سے ڈر'' میرے دل میں ڈر آ گیا اور میں نے تالہ کھول دیا اور لڑکی سے کہا: چلی جاؤ! حالانکہ میں اگر چاہتا تو لڑکی سے اپنی خواہش پوری کر لیتا، مجھے کسی نے پوچھنا ہی نہیں تھا۔ مگر اس نیک بچی کے یہ الفاظ میرے دل پر بجلی بن کر گرے اور مجھے اللہ کا خوف

آ گیا اور میں نے گناہ کے اس موقع سے بچنے کے لیے اس لڑکی کو واپس بھیج دیا اور یہ ایک ایسا گناہ ہے جو میں کر سکتا تھا مگر اللہ کے خوف کی وجہ سے میں نے نہیں کیا۔ جب اس نے یہ واقعہ سنایا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کہہ دیا کہ آپ کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوئی، اس لیے کہ آپ جہنمی نہیں، بلکہ جنتی ہیں۔ جب انہوں نے یہ فتویٰ دیا سارے علما ان سے بحث کرنے لگ گئے، آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ آپ کیسے جنت کا ٹکٹ دے سکتے ہیں؟ کیا پرمٹ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ کہیں کہ یہ جنتی ہے یہ جہنمی؟ آپ نے فرمایا: کہ یہ فتوی میں نے اپنی طرف سے نہیں دیا بلکہ یہ فتوی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود عطا فرمایا ہے۔ جی قرآن مجید میں کیسے؟ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی آیت ہے ﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ (النّٰزعٰت:۳۹) اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات میں پڑنے سے بچالیا، ﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (النّٰزعٰت:۴۰) پس اس کا ٹھکانہ جنت ہوگی، اللہ نے چونکہ فرمادیا، لہٰذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ اس کبیرہ گناہ سے بچنے کی وجہ سے یہ بندہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا۔ لہٰذا جو بچی آج کے دور میں گناہ کی دعوت ملنے کے باوجود اپنے آپ کو مضبوط رکھتی ہے، اور اپنی عزت و پاکدامنی کو محفوظ رکھتی ہے اور دعوت دینے والے کو No (نہیں) کا جواب دے دیتی ہے، ہٹ دفعہ ہو یہاں سے، کا جواب دے دیتی ہے، یہ لڑکی قیامت کے دن اللہ کی جنتوں میں داخل کی جائے گی، اور اللہ کا دیدار عطا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پاکدمنی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس آیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

دسویں شرط

اللہ کا ذکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا o

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

مغفرت کی دسویں شرط:

بائیسواں پارہ دوسرے رکوع کی یہ آیت ہے جس میں اللہ رب العزت نے ایمان والے مرد اور عورتوں کے ساتھ دس شرائط کے اوپر اُن کو مغفرت اور بہت بڑا اجر ملنے کا وعدہ فرمایا ہے، اُن میں سے دسویں شرط ہے:

﴿ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ﴾ (الاحزاب: ۳۵)

''کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں''

ذکر کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا، خود قرآن کے لیے بھی ذکر کا لفظ استعمال ہوا لیکن اِس آیت مبارکہ میں اِس ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ لہٰذا جو عورتیں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہیں اُن کے اندر یہ صفت گویا موجود ہے۔

ذکر کے دو طریقے:

ذکر کے دو طریقے ہیں، ایک کو ذکر لسانی کہتے ہیں اور ایک کو قلبی کہتے ہیں۔ لسانی ذکر سے مراد اپنی زبان سے اللہ رب العزت کا ذکر کرنا، مثلاً: جیسے کچھ الفاظ پڑھے جاتے ہیں: سبحان اللہ، الحمد اللہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، تو یہ بھی اللہ رب العزت کا ذکر ہے اور ایک ذکر ہے قلبی ذکر کہ اپنے دل میں اللہ کو یاد کیا جائے۔

حدیث پاک کے مطابق قلبی ذکر کو لسانی ذکر پر ستر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ تو کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ہر وقت دل میں اللہ رب العزت کی یاد رہے، ہاتھ کام کاج میں مشغول ہوں اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو۔

قلب...... یاد کا مقام:

اگر سوچا جائے تو یاد کا مقام انسان کا قلب ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی ماں کا بیٹا، پردیس میں گیا ہوا ہو اور وہ فون پر رابطہ کرے تو ماں ہمیشہ اُسے کہتی ہے کہ بیٹا! میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے۔ اُس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے، ہمیشہ کہے گی، میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے، تو یاد کا مقام انسان کا قلب ہے، زبان سے اُس کا اظہار ہوتا ہے۔ تو آپ بھی یہ کوشش کریں کہ اپنے دل میں اللہ رب العزت کو ہر وقت یاد رکھیں، ایک لمحہ بھی اللہ رب العزت کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ ہمارے بزرگوں نے فرمایا: ''جو دم غافل سو دم کافر'' جو سانس بھی غفلت میں

گزرگیا، یوں سمجھو کہ وہ سانس کفر کی حالت میں گزرگیا اور واقعی جن کے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے، وہ ایک لمحے بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتے ۔

وہ جن کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں؟
لبوں پہ مہرِ خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

تو ہر وقت ان کے دلوں میں اللہ رب العزت کی یاد ہوتی ہے، لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ان کا دھیان ہوتا ہے ۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

ذکرِ قلبی کی مثال:

اِس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی بچی اپنے سکول کے اندر اوّل پوزیشن لے لے تو چند دن تو اُس کی کیفیت ہوتی ہے کہ اُسے اِس خوشی کا خیال کھاتے ہوئے بھی آتا ہے، لوگوں کی محفل میں بھی آتا ہے، چلتے ہوئے بھی آتا ہے، ہر وقت یہ ذہن میں خیال رہتا ہے کہ میں پورے سکول میں ٹاپ کر گئی۔ اِسی طرح مومن کے دل میں ہر وقت اللہ رب العزت ہی کی باتیں رہیں، اُس کی یاد رہے، یہ ذکر قلبی ہے۔ چنانچہ ابن تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

اَلذِّکْرُ لِلْقَلْبِ کَالْمَاءِ لِلسَّمَكِ

قلب کے لیے ذکر ایسا ہی ہے جیسا کہ مچھلی کے لیے پانی ہوتا ہے

"فَکَیْفَ یَکُوْنُ حَالُ السَّمَكِ اِنْ اُخْرِجَ مِنَ الْمَاءِ"

اگر مچھلی کو پانی سے نکال دیا جائے تو اُس کا کیا حال ہوتا ہے؟ ایسے ہی مومن غفلت کی حالت میں پھر اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بے قرار ہوتا ہے۔

ذکر کے فائدے:

چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الغافل السید'' میں ذکر کے نوے فائدے گنوائے ہیں:

ایک فرماتے ہیں کہ یہ قوت القلوب ''دلوں کی غذا ہے''

اِنَّهٗ يَطْرُدُ الشَّيْطٰنَ یہ شیطان کو بندے سے دور رکھتا ہے۔

وَيَرْضَاهُ الرَّحْمٰنُ اور ذکر سے اللہ رب العزت اُس بندے سے خوش ہوتے ہیں۔

يَزِيْلُ الْهَمَّ وَالْغَمَّ مِنَ الْقَلْبِ یہ ذکر انسان کے دل سے غم اور ہم کو ختم کر دیتا ہے، انسان کتنا ہی پریشان اور Depressed (بے چین) کیوں نہ ہو! اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ذکر سے اُس کے دل کی پریشانی دور ہو جاتی ہے۔

یزلب الفرح ذکر کرنے سے انسان کے دل کو خوشی نصیب ہوتی ہے۔

ینور القلب ولوجه انسان کے دل کو اور چہرے کو منور کر دیتا ہے۔

یکص الذاکر المحوت والحلوت ونذرہ جو ذکر کرنے والا بندہ ہوتا ہے اُس کے چہرے کے اوپر ایک حلاوت اور ہیبت آ جاتی ہے، رعنائی آ جاتی ہے، چنانچہ یہ ذکر کا نور ایسا ہوتا ہے کہ دل چاہتا ہے اِس چہرے کو دیکھتے ہی رہیں۔ عورتیں اگر ذکر کی کثرت کے نور سے واقف ہو جائیں تو یہ فیئر اینڈ لولی کریم کو بھول جائیں۔

یولسہ محبت اللہ اگر انسان کثرت سے اللہ کا ذکر کرے تو دل میں اللہ کی محبت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے

ویحط الخطایا اور ذکر کی کثرت سے انسان کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

تو اس طرح ذکر کے کوئی نوے فوائد حافظ ابن قیم نے گنوائے ہیں۔

ذکر کے فوائد قرآن کی روشنی میں:

قرآن مجید کے اوپر نظر ڈالیں تو اللہ رب العزت نے ذکر کے بہت سارے فائدے بتلائے ہیں، اُن میں سے ایک یہ فرمایا:

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد: ۲۸)

''جان لو! اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے''

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

اللہ یاد رکھتے ہیں......

دوسرا فائدہ یہ بیان فرمایا:

﴿ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرة: ۱۵۲)

''تم میرا ذکر کرو! میں تمہارا ذکر کروں گا''

تم مجھے یاد کرو! میں تمہیں یاد کروں گا۔ اب ہماری یاد میں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں فرق ہے، اِس کو ایک مثال سے سمجھ لیں کہ اگر بالفرض ایک بچے نے نوکری کے لیے درخواست دی اور جس افسر نے اُس کو نوکری پہ رکھنا ہے وہ اُس کے والد کا بڑا دوست ہے تو والد اُس بچے کے لیے سفارش کرتا ہے کہ آپ میرے بچے کو سلیکٹ کر لیجیے گا، جس دن پھر انٹرویو کے لیے جانا ہو تو بچے کا والد فون کر کے اپنے دوست کو کہتا ہے، جی! پھر ہمیں بھی یاد رکھنا۔ اب یہ جو اُس نے کہا کہ ہمیں بھی یاد رکھنا، اِس کا مطلب یہ تھا کہ جب ہمارا معاملہ پیش ہو تو ہماری Favour فیور (مدد) کرنا اور ہمارے حق میں فیصلہ کر دینا، یہ ہوتا ہے افسر کا یاد کرنا۔ تو اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا بھی اسی طرح سے ہے کہ

فَاذْكُرُوْنِیْ اے میرے بندو! تم ذکر کے ذریعے سے مجھے یاد کرو اَذْكُرْكُمْ میں پروردگار نئے اعمال کی توفیقیں دے کر تمہیں یاد کروں گا، تو ذکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نئے نئے اعمال کی توفیق دے دیتے ہیں۔ تھوڑے سے وقت میں وہ بندہ اتنے کام کر لیتا ہے کہ دوسرے لوگ حیران ہی رہے جاتے ہیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے کو نئے نئے اعمال کی توفیقیں عطا فرماتے ہیں۔

ویسے اِس کا مفہوم تو بہت ہی وسیع ہے، تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا، اے میرے بندو! تم مجھے فرش پہ یاد کرو میں تمہیں عرش پہ یاد کروں گا۔ تم لوگوں کی مجلس میں مجھے یاد کرو گے، میں فرشتوں کی مجلس میں تمھیں یاد کروں گا۔ فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ تم میری اطاعت کرو گے، میں مخلوق کو تمھارا مطیع بنا دوں گا۔ تم مجھے معذرت کے ساتھ یاد کرو گے، میں پروردگار تمھیں مغفرت کیساتھ یاد کروں گا۔ تم مجھ سے استغفار کرو گے، تو میں پروردگار اِس کے بدلے میں تمھارے گناہوں کو بخشوں گا۔ گویا تم مجھے معذرت کیساتھ یاد کرو گے میں پروردگار تمہیں مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔ تم معصیت سے بچنے کے وقت مجھے یاد کرو گے میں پروردگار مصیبت کے وقت میں تمھیں یاد رکھوں گا۔ تم راحت کے لمحات میں مجھے یاد کرو گے، میں پروردگار زحمت کے وقت میں تمھیں یاد کروں گا۔ میرے بندو! تم مجھے اگر نرم بستروں پر یاد کرو گے تو میں تمھاری قبروں میں تمھیں یاد کروں گا۔

نماز کا مقصد:

پھر فرمایا:

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴾ (طٰہٰ: ۱۴)

نماز قائم کرو! میری یاد کی خاطر،

تو نماز کا بھی اصل مقصد اللہ رب العزت کی یاد ہے۔ اِس لیے جس نماز میں اللہ کی یاد نہ ہو وہ نماز، نماز ہی نہیں رہتی، اپنے مرتبے سے ہی گر جاتی ہے۔

انبیا کو ذکر کا حکم:

یہ وہ عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کو بھی اِس کے اہتمام کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جب نبوت دے کر بھیجا تو ارشاد فرمایا:

﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴾ (طٰہٰ: ۴۲)

''آپ اور آپ کا بھائی جائیں میری نشانی کے ساتھ اور میرے ذکر سے غافل نہ ہونا''

تم دونوں میری یاد سے غافل نہ ہونا، اب سوچیے کہ اللہ رب العزت اگر حکم فرمائیں اور انبیا کو فرمائیں تو یہ کتنا اہم کام ہوگا!

ذکر سے انسان کی فلاح:

اِسی لیے کثرت سے ذکر کرنے پر انسان کو فلاح ملتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (جمعة: ۱۰)

''تم کثرت سے ذکر کرنا تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو جائے''

فلاح کا مطلب کامیابی ہے۔

شیطان کے خلاف ہتھیار:

جب شیطان انسان کے اوپر حملہ کرے اور اُس کو گناہ کا خیال ڈالے تو ایسے وقت میں اگر انسان اللہ کا ذکر کرے تو شیطان دفعہ دور ہو جاتا ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف: ۲۰۱)

چنانچہ انسان کے پاس ذکر سب سے مہلک ہتھیار ہے، شیطان جس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، اِس لیے شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو انسان کو ذکر سے غافل کر دیا جائے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی فوجی اپنے دشمن کو نرغے میں لے تو وہ اُسے کہتا ہے "ہینڈز اَپ" اپنے ہاتھ کھڑے کر دو! اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ مطلب یہ کہ اگر اِس کے ہاتھ میں کوئی ایسا ہتھیار ہے جس سے یہ مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے تو یہ ہاتھ کھڑے کر دے گا، اس کے ہاتھوں سے ہتھیار الگ ہو جائے گا۔ شیطان بھی بالکل یہی عمل کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہم ذکر سے غافل ہوں تا کہ وہ خوب ہمارے ساتھ پھر سکے۔ تو فرمایا:

﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ﴾ (مجادلۃ: ۱۹)

"شیطان ان پر غالب آ گیا اور ان کو اللہ کا ذکر بھلا دیا"

اِس لیے شیطان، انسان کو پہلے ذکر سے غافل کرتا ہے اور جب ذکر سے غافل ہو جائے تو تب اُس کو نماز سے غافل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ﴾

اب دیکھیں! یہاں اللہ تعالیٰ کی یاد کا تذکرہ پہلے کیا، تو گویا ذکر سے ہم جب غافل ہوں گے تو پھر ہماری نمازیں بھی پابندی کے ساتھ ادا نہیں ہو پائیں گی۔ تو ذکر کی پابندی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ پھر انسان کو اللہ تعالیٰ نمازوں کی بھی پابندی عطا فرما دیتے ہیں۔

خسارہ پانے والے لوگ:

اِس لیے فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (منافقون:۹)

''تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں''

﴿ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (منفقون:۹)

اور جس نے ایسا کرلیا کہ اولاد اور مال میں پھنس کر اللہ سے غافل ہوگیا یہی لوگ خسارا اُٹھانے والے ہیں۔

عقلمند لوگ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرے عقل مند بندے ہیں اولی الباب۔ اُن کی صفت یہ ہے کہ

﴿ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾

(آل عمران:۱۹۱)

''وہ اللہ تعالیٰ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں''

گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ ﴾ (اعراف:۲۰۶)

''ذکر کر اپنے رب کا اپنے نفس میں''

مفسرین نے لکھا: اَیْ فِیْ قَلْبِكَ اپنے دل میں اللہ کو یاد کرو۔ تو دیکھو! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اِس بات کا حکم دیا کہ ہم اُسے اپنے دل میں یاد کریں۔

تو دیکھیے کہ اللہ رب العزت کی کتنی رحمتیں ہیں بندے کے اوپر کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے تو اِس ذکر کی برکت سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت ملتی ہے اور انسان اللہ رب العزت کے مقبول بندوں میں شامل ہوجاتا ہے۔

بے حساب اجر و ثواب والے اذکار

آج کی اِس محفل میں چند چھوٹے چھوٹے ایسے کلمات بتاؤں گا جن کا بے حد اجر و ثواب اور فوائد و ثمرات ہیں، آپ اُن کی پابندی کی کوشش کریں۔ پھر توجہ فرمائیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوں گی لیکن بہت قیمتی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اِن کا بڑا اجر ہے۔ بعض کلمات ایسے ہیں کہ ان کو کہنے والا بندہ اپنے گناہوں کو دُھلوا لیتا ہے اور بعض کا اتنا اجر ہے کہ فرشتے اُس بندے کی نیکیاں لکھ لکھ کر تھک جاتے ہیں۔ تو گھر کی خواتین کو چاہیے کہ ایسے کلمات اپنی زبان سے بولتی رہا کریں، جن کی اتنی نیکیاں ہیں کہ پہاڑوں کے برابر، فرشتے ان کو لکھ لکھ کر بھی تھک جاتے ہیں۔ اِس کے دو فائدے ہوں گے، ایک تو قیامت کے دن آپ کے پاس نیکیوں کا ذخیرہ بہت ہوگا اور دوسری بات یہ ہوگی کہ اِن نیکیوں کے کرنے کی وجہ سے آپ کے جو پہلے گناہ ہو چکے ہیں اُن کی ظلمت دُھل جائے گی۔ تو یہ کتنی مزے کی بات ہے! عادت بنانے کی بات ہوتی ہے اگر آپ اِن کلمات کو پڑھنا عادت بنا لیں تو روزانہ آپ کو نیکیاں ملتی جائیں گی، ہر دن آپ کے نامہء اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(۱) استغفار:

اُن میں سے ایک پہلا عمل ہے، ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ'' پڑھنا۔ جب ہم استغفر اللہ پڑھتے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ! میں اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہوں، آپ میرے گناہوں کو معاف فرما دیجیے۔ چنانچہ اِس استغفار کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ استغفار کرنے والے بندے پر اللہ کا عذاب نہیں آتا۔ کیا مطلب؟ کہ دنیا میں گناہوں کی وجہ سے انسان ذلیل ہوتا ہے، رسوا ہوتا ہے، دشمن اُس پر غالب آجاتے ہیں، اُس کے رزق میں کمی کر دی جاتی ہے، تو یہ گناہوں کا جتنا

وبال ہے، اللہ تعالیٰ استغفار کی وجہ سے اُس کو روک دیتے ہیں۔ ہر عورت چاہتی ہے کہ مجھے دنیا میں رسوائی نہ ملے، کہیں گناہوں کی وجہ سے میری شکل ہی نہ مسخ کر دی جائے، مجھ سے رزق ہی نہ چھین لیا جائے تو اگر یہ تمنا دل میں ہے تو پھر اِس کے لیے آپ کثرت کے ساتھ استغفار کریں۔ سنیے! قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ (الانفال:۳۳)

''اے میرے محبوب! جب تک آپ اِن لوگوں کے درمیان ہیں، اللہ اِن لوگوں کو عذاب نہیں دے گا اور اللہ اُس وقت تک بھی اِن کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ یہ اِستغفار کرتے رہیں گے''

اِس کا مطلب یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں جو برکتیں تھیں کہ اللہ کا عذاب ٹل گیا تھا، استغفار کے پڑھنے سے وہی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو ٹال دیتے ہیں۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے جو لوگ تھے وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہتے تھے کہ اگر ہم آپ کا انکار کرتے ہیں تو ہمارے اوپر عذاب کیوں نہیں آجاتا؟ اور اُن کے اوپر عذاب کوئی نہ آیا، تو یہاں پر مفسرین نے تفسیر لکھی، وہ فرماتے ہیں کہ مکہ والوں پر عذاب اِس لیے نہ آیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی علیہ السلام نے ہجرت فرمالی تو اُس وقت عذاب آجاتا، تو اُس کا جواب علما نے دیا کہ وہاں پر کچھ صحابہ موجود تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی، وہیں رہ گئے تھے تو اُن کی برکت سے عذاب نہ آیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چلو پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سارے ہی مسلمان ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور پیچھے کافر ہی رہ گئے تھے، مشرکین ہی رہ گئے تھے تو اُس وقت عذاب آجاتا۔ تو مفسر

ین نے لکھا کہ ان مشرکین کی عادت تھی کہ جب یہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے تو ''غُفْرَانَكَ'' کا لفظ کہا کرتے تھے۔ غفرانك کا مطلب؟ اے اللہ! ہماری مغفرت کردے، یہ بھی استغفار ہے، تو مشرکوں کے اِس لفظ کے کہنے کی وجہ سے اللہ نے اُن کو بھی عذاب سے بچائے رکھا۔ تو اگر مشرک یہ لفظ کہہ دے، اللہ اُس کو بھی عذاب سے بچالیتے ہیں تو اگر مومن کہے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کتنے مہربان ہوں گے! لہٰذا آپ استغفار کی کثرت کریں، دن میں سو مرتبہ صبح اور شام، یہ تو کم سے کم درجہ ہے، زیادہ پڑھنا چاہیں تو زیادہ بھی پڑھ سکتی ہیں۔ کام کاج کے دوران بھی اَستغفر اللہ، اَستغفر اللہ، اَستغفر اللہ، اپنی زبان پر رکھ سکتی ہیں، اگر استغفار زیادہ کریں گی تو دو فائدے ہوں گے: ایک تو گناہ دُھل جائیں گے اور دوسرا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہٹ جائے گا، اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹل جائے گا۔ اب آپ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ کر سوچیے کہ اگر ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے تو ہم تو کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ آج جو جی رہے ہیں تو یہ اللہ رب العزت کی صفت ستاری کے صدقے جی رہے ہیں، اس لیے ہمارے اوپر اِستغفار کرنا ضروری ہے۔

استغفار کے فائدے قرآن میں:

ویسے قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ جو لوگ کثرت سے استغفار کرتے ہیں تو اُن کو پانچ فائدے ملتے ہیں: ایک فائدہ تو یہ:

﴿ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴾ (نوح:۱۰)

کہ اُن بندوں کی جو اِستغفار کرتے ہیں مغفرت کردی جاتی ہے۔

دوسرا فائدہ:

﴿ وَيُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴾ (نوح:۱۱)

جہاں پر اِستغفار کثرت سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بارشیں برساتا ہے، اُن کو قحط

سالی سے بچالیتا ہے۔

تیسرا فائدہ:

﴿ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ ﴾ (نوح:۱۲)

جولوگ اِستغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے مال میں برکت دے کر اُن کی مدد کرتے ہیں

چوتھا فائدہ:

﴿ وَبَنِينَ ﴾

اور جولوگ استغفار کثرت سے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو بیٹے عطا کرتے ہیں۔ اب کون سی شادی شدہ عورت ہے جو کہے کہ مجھے بیٹے پیدا ہونے کی تمنا نہیں، ہر عورت رشک کرتی ہے اور یہ بیٹے والی نعمت کیسے ملتی ہے؟ قرآن پاک کی اس آیت کا مفہوم کہ استغفار زیادہ کریں گی تو اللہ رب العزت بیٹوں کے ساتھ بندے کی مدد فرمائیں گے۔

﴿ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ ﴾

''اللہ تعالیٰ باغات عطا فرمایں گے''

﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهٰرًا﴾

''اور اللہ تعالیٰ زمین سے پانی کے چشمے جاری فرمایں گے۔''

استغفار ہر ایک کو کرنا چاہیے:

اِس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم کثرت سے استغفار کریں۔ اِستغفار ہر بندے کو کرنا چاہیے، چاہے نیک ہے یا بد ہے۔ اس لیے کہ اگر کافر ہے تو کفر سے توبہ استغفار کرے، اگر عام مسلمان ہے تو اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کرے۔ اگر گناہوں

میں ملوث نہیں ہوتا، نیک بندہ ہے، تو اُسکے دل میں بھی جو غفلت آجاتی ہے اُس سے استغفار کرے۔ اور اگر کوئی کہے کہ میرا دل غافل بھی نہیں ہوتا تو ایسے بندے کے دل و دماغ میں بھی شیطان وسوسے تو ڈالتا ہے، اُن وساوس شیطانی سے اِستغفار کرے اور اگر کوئی کہے کہ مجھے تو شیطان وسوسے نہیں ڈالتا وہ بھی اپنے اخلاص کی کمی کے اوپر اِستغفار کرے کہ جتنے خلوص سے ہمیں زندگی گزارنی چاہیے تھی ہم نہیں گزار پا رہے۔ تو اِستغفار کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں آجاتا ہے، بچ جاتا ہے، گناہ دُھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُس کی مدد فرماتے ہیں۔ رزق میں برکت سے بیٹوں میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس کے دنیا کے اِن مسائل کو حل فرمادیتے ہیں۔ آپ اِستغفار کی کثرت کریں گی تو آپ کو کسی عامل سے کوئی عمل پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ کاروبار کی پریشانی اِستغفار سے ختم، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مال کے ذریعے سے مدد کروں گا۔ اگر اولاد کی پریشانی ہے تو وہ بھی اِستغفار سے ختم، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بیٹے دے کر اُن کی مدد کروں گا۔ اگر کسی کا کام نہیں چلتا تو جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں باغوں سے پھل عطا کروں گا، اللہ تعالیٰ اُن کو دکان سے بھی پھل عطا فرمائیں گے، کاروبار اچھا چلے گا۔ تو ایک اِستغفار کی کثرت سے ہماری زندگی کے کتنے مسائل حل ہو جاتے ہیں!

(۲) الحمد للہ کہنا (اللہ کا شکر ادا کرنا):

دوسرا کام یہ کہ انسان کی زندگی میں کبھی خوشی ہوتی ہے، کبھی غمی ہوتی ہے، کبھی کام مرضی کے مطابق ہوتے ہیں اور کبھی کام مرضی کے خلاف ہوتے ہیں، تو اگر تو کام مرضی کے مطابق ہوں تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ زبان سے الحمد للہ کہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہر نعمت پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اِس شکر ادا کرنے کی فضیلت یہ ہے کہ آئی ہوئی نعمت انسان سے

واپس نہیں لی جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:۷)

''اگر تم شکر ادا کرو گے ہم اپنی نعمتیں اور زیادہ عطا فرمائیں گے''

شکر کے مواقع بے شمار:

اب مثال کے طور پر کتنے کام ہماری مرضی کے مطابق ہوتے ہیں، تو جب بھی کوئی کام مرضی کے مطابق ہو تو چپکے چپکے اپنے دل میں اللہ کا شکر ادا کر لو، اپنی زبان سے الحمد اللہ پڑھ لو، جب آپ نے کسی کام پر الحمد للہ پڑھ لیا تو گویا آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان عطا فرمایا، اِس کا خیال آئے تو کہو! الحمدلِلّٰہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی، بیماری کوئی نہیں، یہ خیال سوچ میں آئے تو کہو! الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت کی زندگی دی، یہ خیال آئے تو کہو! الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو عزت کی روزی گھر بیٹھ کر عطا فرمائی یہ خیال آئے تو کہو! الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد عطا فرمائی، بیٹے بھی دیے بیٹیاں بھی دیں، جب اُن پر نظر پڑے تو کہو! الحمد للہ۔ اللہ رب العزت نے آپ کو اپنا گھر دیا، سر چھپانے کا در دیا، جب اُس کو دیکھیں تو کہو! الحمد للہ۔ اگر کوئی آپ کی تعریف کرے، کوئی عورت آپ کو کہتی ہے آپ نے بڑا اچھا کیا، میں بہت خوش ہوں تو اِس تعریف پر کہو! الحمد للہ۔ اگر آپ کے بچے باخیریت سکول سے واپس آ گئے، اُن کو دیکھ کر کہو! الحمد للہ۔ اگر آپ کے بچے شوق ذوق کے ساتھ پڑھتے ہیں تو کہو! الحمد للہ۔ اگر وقت پر آپ نے کپڑے دھو لیے تیار ہو گئے، کہو! الحمد للہ۔ اگر آپ نے کھانا وقت پر پکا لیا کہو! الحمد للہ۔ اگر آپ کے گھر مہمان آئے اور وہ خوش واپس گئے، کہو! الحمد للہ۔ اگر آپ کو وقت پر نماز پڑھنے کی توفیق مل گئی کہیں الحمد للہ۔ آپ نے وقت پر تلاوت

پابندی کے ساتھ کرلی، اذکار مراقبہ پابندی کے ساتھ کرلیا، کہیں الحمد للہ۔ اگر آپ ایک دن بے پردگی سے بچ گئیں، پردے کا آپ نے خیال رکھا، تو کہو! الحمد للہ۔ اگر آپ نے کسی دن میں کسی کا دل نہیں دکھایا، کہو! الحمد للہ۔

معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی کام آپ کی مرضی اور توقع کے مطابق ہو جائے، اس کام پر اگر آپ الحمد للہ کہہ لیں گی تو اللہ تعالیٰ کی شکر گزار بندیوں میں شامل ہو جائیں گی۔ جب آپ کا دل خوش ہو، کسی بات پر سکون ہو تو کہو! الحمد للہ۔ آپ کا خاوند گھر آیا اور مسکراتے چہرے کے ساتھ آیا، آپ کو دیکھ کر مسکرایا، کہو! الحمد للہ۔ ناشتہ آپ نے ٹھیک وقت پر خاوند کو کروا دیا تو کہو! الحمد للہ۔ بچوں کو خوش کھیلتا دیکھا، کہو! الحمد للہ۔ آپ کو کسی دن ساس نے تنگ نہیں کیا کہو! الحمد اللہ۔ نند نے آپ کو کسی دن طعنہ نہیں دیا، کہو! الحمد للہ۔ اگر آپ کی کوئی دعا قبول ہوگئی، کہو! الحمد للہ۔ آپ سوئی اور آپ کو پر سکون نیند آئی تو جاگنے پر کہیں الحمد للہ۔ بھوک لگی تھی آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا کہو! الحمد للہ۔ پیاس لگی تھی اللہ نے ٹھنڈا پانی دیا، پی کر کہیں! الحمد للہ۔ نرم بستر اللہ نے سونے کے لیے عطا فرمایا، بستر پر لیٹتے ہی کہیں! الحمد للہ۔

تو اگر آپ غور کریں تو مجھے تو لگتا ہے کہ ہمیں ہر وقت ہی الحمد للہ کہنا چاہیے، حالانکہ اکثر عورتیں دن میں ایک دفعہ بھی نہیں کہتی ہوں گی......الا ماشاء اللہ

تو غور کریں کہ کتنی غفلت کی زندگی ہم گزار رہے ہیں کہ ہمیں تو لمحے لمحے اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرنا چاہیے تھا اور ہمیں اِس بات کا احساس ہی نہیں اور اللہ کی ان نعمتوں کو ہم ایسے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ہمارا حق تھا جو اللہ نے ہمیں دے دیا، حالانکہ جن کو یہ نعمتیں نہیں ملی اُن سے جا کے پوچھو! جس بچی کا رشتہ نہیں آتا اُس سے پوچھو کہ وہ دل میں کتنی دُکھی ہوتی ہے! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اگر محبت کرنے والا خاوند دیا تو کیوں زبان سے نہیں نکلتا؟ الحمد للہ۔ الحمد للہ کا لفظ تو آپ ایک دن میں سینکڑوں دفعہ

کہنے کی عادت ڈالیں، بات بات پر الحمد للہ۔

شکر سے عذابِ الٰہی ٹل جاتا ہے:

تو شکر ادا کرنے سے ایک تو نعمتوں میں اضافہ نصیب ہو جاتا ہے اور ایک دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا عذاب ٹل جاتا ہے۔ جیسے اِستغفار سے عذاب ٹل جاتا ہے، شکر ادا کرنے سے بھی اللہ کا عذاب ٹل جاتا ہے۔ سنیے! قرآن عظیم الشان:

﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ﴾ (النساء:۱۴۷)

اے میرے ایمان والے بندو! اگر تم ایمان لاؤ اور میرا شکر ادا کرو تو تمھیں عذاب دے کر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کیا آئے گا؟ اللہ تعالیٰ تمھیں کیوں عذاب دے گا؟ اگر تم ایمان لا کر اُسکا شکر ادا کرو تو معلوم ہوا کہ اِستغفار سے بھی عذاب ٹل جاتا ہے اور شکر ادا کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹل جاتا ہے۔ تو دیکھو! یہ کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں اور کتنا اِن کا فائدہ ہے! اللہ اکبر کبیرا!!! آپ یوں سمجھیے کہ میں آپ کو آج کچھ ہیرے اور موتی تحفے میں دے رہا ہوں۔

جنتیوں کا کلمہ:

یہ الحمد للہ کا لفظ اتنا اچھا لفظ ہے کہ جنتی جنت میں صرف اتنا کہیں گے: الحمد للہ

وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جنتی بھی جنت میں ہر وقت اللہ کی تعریف کریں گے، الحمد للہ کہا کریں گے، آپ وہی جنتیوں والا کام دنیا میں کرلیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور اپنی گفتگو میں الحمد للہ کا لفظ کثرت سے استعمال کرنا، اس کو زندگی کا اصول بنالیں۔ ہر وقت جس نعمت کو بھی دیکھیں، جو بھی چیز آپ کی مرضی کے مطابق ہو رہی ہے، اُس پر الحمد للہ کہہ دیں۔

(۲) صبر

تیسری چیز ہے ''صبر کرنا''۔ کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو بندے کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے، تو اگر ایسے کام ہوں جو بندے کی مرضی کے خلاف ہوں تو اِن کاموں پر ردِعمل ظاہر نہ کرنا، اِس کو صبر کہتے ہیں۔ اِن کاموں پر جو مرضی کے خلاف ہوتے ہیں اگر بندہ خاموش ہو جائے، اُس بات کو پی جائے ایسے سمجھے کہ یہ بات گویا ہوئی ہی نہیں، ردعمل ظاہر نہ کرے، شکوے نہ کرے، تو اِس کیفیت کو صبر کہتے ہیں۔

آپ ایک اچھا کام یہ بھی کریں کہ اگر زندگی میں کوئی خلاف توقع بات ہو، خلاف مرضی بات پیش آجائے تو بس خاموش رہ کر صبر کا اجر اللہ رب العزت سے لے لیا کریں۔ صبر پر انسان کو بے پناہ اجر ملتا ہے۔

صبر کے مواقع:

اب مثال کے طور پر آپ گھر میں بیٹھی ہیں، بجلی چلی گئی، تو اگر بجلی کے چلے جانے پر آپ نے ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْن ﴾ پڑھ دیا تو گویا اِس پر بھی آپ کو ثواب مل جائے گا، آپ نے شکوہ نہیں کیا، آپ نے ردِعمل کوئی اور ظاہر نہیں کیا بلکہ صبر کر لیا۔ اِسی طرح اگر کسی دن خواہ مخواہ خاوند نے غصہ کر لیا، کوئی وجہ بھی نہیں تھی، کوئی تُک نہیں بنتا تھا مگر اُس کا دماغ ایسا گرم کہ غصہ آ گیا۔ اب یہ سوچے گی ایک تو خدمت کرو، کام کرو اور اُوپر سے ڈانٹ بھی سنو! نہیں...... اگر اس نے ڈانٹ پلا دی، آپ خاموش ہو جائیں اور ایسے پی جائیں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، اِس ڈانٹ کے سننے پر اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اُمیدوں سے زیادہ اجر عطا فرمائیں گے۔ اگر کسی دن آپ کو ساس نے تنگ کر دیا، آپ خاموش ہو جائیں، اگر نند نے کسی دن طعنے دیدیے، بات سنی ان سنی کر دیں، ایسے کہ یہ بات کسی نے کہی ہی نہیں، اِن چیزوں کو لائٹ لیا کریں۔

کئی دفعہ لڑکیاں بہت Sencitive (حساس) ہو جاتی ہیں، بلکہ میں کہوں کہ Heper Snecitive (زودحس) ہو جاتی ہیں، ذرا سی بات پر بھی اِن کو ناگواری ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ ہوا تیز چل پڑے اِس پر بھی ناگواری، تو ایسے نازنین بن کر زندگی تو نہیں گزرتی۔ خوشیاں بھی زندگی میں ہوتی ہیں اور غم بھی ہوتے ہیں، کئی کام مرضی کے مطابق ہوتے ہیں اور کئی کام مرضی کے خلاف بھی ہو جاتے ہیں، تو اگر مرضی پر اللہ کا شکرادا کر رہی ہیں تو خلافِ مرضی کاموں پر صبر کر لیں، اس پر بھی اجر ملے گا۔ کوئی بھی کام جب خلاف مرضی ہوا اُس پر صبر کرلو، مثلاً: آپ نے میاں کو کہا کہ واپسی کے اوپر گراسری لیتے آنا، فلاں چیز ختم ہوگئی، اور میاں بھول گیا، آپ نے کہا تھا بچے کے لیے فلاں چیز لے آنا اور میاں نے لا پروائی کی، تو ایسی چیزیں خلاف توقع ہو جاتی ہیں، ان پر غصے کا اظہار بھی نہ کریں، شکوے شکایتیں بھی نہ کریں، بس صبر کر جائیں، اور یہ سوچیں کہ میرے اللہ کو ایسے ہی منظور تھا، جب آپ یہ سوچیں گی کہ میرے اللہ کو ایسے ہی منظور تھا تو پھر آپ کو اس کی وجہ سے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

صبر کرنے والا اللہ کی پناہ میں:

اب ذرا نکتے کی بات سمجھیں! آپ سسرال میں جب ہوتی ہیں تو اگر خاوند آپ کو بات بات پے ڈانٹتا ہے تو اصل میں اس کے پیچھے کوئی اور بھی ہوتا ہے، ممکن ہے اس کی والدہ ہو، اس کا باپ ہو، بڑا بھائی ہو، کوئی نا کوئی اس کے پیچھے ہوتا ہے، جس وجہ سے خاوند خواہ مخواہ بیوی کو تنگ کرتا ہے۔ تو اگر خاوند کے پیچھے کسی کا ہاتھ ہے، کوئی اُس کی پشت پناہی کر رہا ہے تو آپ بھی ایسا عمل کریں کہ اللہ آپ کی پشت پناہی کرنے والا بن جائے، حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جو بندہ صبر کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس بندے کی پشت پناہی کرنے والا بن جاتا ہے۔ ساس اگر آپ کے خلاف بولتی ہے تو

وہ اس لیے بولتی ہے کہ اُس کو اپنے بیٹے پر یقین ہے کہ اگر یہ ذرا بولی تو میں اپنے بیٹے سے اسکی طبیعت صاف کروادوں گی۔ تو ساس کو بھی امید ہوتی ہے کہ میرے ساتھ کوئی ہے، تو ایسے تمام معاملات میں جب مخالف یہ سوچتا ہے کہ میرے ساتھ کوئی ہے، آپ اگر صبر کرلیں گی تو اللہ آپ کے ساتھ ہو جائے گا، اور جس کے ساتھ اللہ ہوتا ہے، اُسی کو عزت ملتی ہے، اُسی کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے۔ تو صبر کتنا اچھا عمل ہے کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ آپ کو سسرال میں عزت دیں گے، آپ کو پریشانیوں سے نکالیں گے اور اتنا اجر ملے گا کہ

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر:۱۰)

''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا''

بغیر حساب اجر عطا فرمائیں گے۔ اب بتائیں جب بے حساب اجر ملے گا تو فرشتے اُس کا اجر لکھ لکھ کے تھکیں گے یا نہیں تھکیں گے؟ تو کتنی ایسی باتیں ہیں کہ جن کو آپ نیکی بنا سکتی ہیں! مگر آپ کو کیوں کہ پتہ نہیں ہوتا آپ اُس کے اجر سے محروم ہو جاتی ہیں۔

صبر کرنے والے کیلیے فرشتوں کی مدد:

اب ذرا حدیث پاک سنیے!، نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں، صدیق اکبرؓ بیٹھے ہیں، ایک صاحب آئے، اُن کو صدیق اکبرؓ سے کسی بات پر کوئی ناراضگی تھی، اُس نے آکر صدیق اکبرؓ کے خلاف باتیں کہنی شروع کردیں، صدیق اکبرؓ اِس کو خاموشی سے سنتے رہے۔ جب اُس نے بہت ہی حد کردی تو بالآخر صدیق اکبرؓ نے اُس کو بات کا جواب دیا، جیسے ہی بات کا جواب دیا تو نبی علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے، صدیق اکبرؓ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! آپ کیوں اٹھ کھڑے

ہوئے؟ فرمایا: ابوبکر! جب یہ بندہ تمہارے خلاف بری باتیں کر رہا تھا اور تم خاموش تھے، صبر کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، تو ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا تھا وہ تمہاری طرف سے اِس بندے کو جواب دے رہا تھا، جب تم نے خود جواب دینا شروع کر دیا، وہ فرشتہ بھی چلا گیا اور میں بھی اب یہاں سے جا رہا ہوں۔

خاموشی بہترین جواب ہے:

تو دیکھیں! اگر آپ کسی کی کڑوی کسیلی بات سن کر صبر کر جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے سے آپ کی مدد کروائیں گے۔ آپ اپنے آپ کو بے سہارا نہ سمجھیں کہ امی ابو نے ایسی جگہ میرا رشتہ کر دیا، پتہ نہیں اِن لوگوں میں کیا دیکھا تھا؟ مجھے تو کنویں میں ہی ڈال دیا۔ کوئی گھبرانے کی ضرورت نہیں، جو مقدر میں تھا وہ ہو گیا۔ رشتے یہاں نہیں ہوتے آسمانوں پر ہوتے ہیں۔ اب جو حالات ہیں اُن میں اگر آپ ناگواری کی حالت میں صبر کر لیں گی، خاموش ہو جائیں گی تو اِس بات پر اللہ تعالیٰ آپ کو بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔ اگر آپ کو یہ بات سمجھ آ جائے تو آپ دوسرے کے دل دُکھانے والی بات سن کر بھی لذت لیا کریں گی، آپ کے دل میں ایک خوشی ہوگی، اچھا ایسی بات کر کے میرا دل دُکھایا، اب میں خاموش ہوں، میرے نامہ اعمال میں اتنا اجر لکھا جا رہا ہوگا کہ فرشتے اجر لکھ لکھ کر تھک جائیں گے۔ تو انسان غموں سے بھی بھلا پاتا ہے، تو لڑکیوں کی چڑچڑی طبیعت جو بن جاتی ہے اور ہر بات کا جواب دیتی ہیں، ہر بات ایسی نہیں ہوتی، جس کا جواب دیا جائے بلکہ خاموشی کبھی کبھی بہترین جواب ہوتا ہے۔ آپ بیٹی ہیں، امی نے بلا وجہ ڈانٹ دیا، تو امی کے سامنے زبان نہیں کھولی جاتی، ایسے وقت میں خاموش ہو جائیں، خاموش ہو کر اجر مل جائے گا۔ اِس کے دو فائدے ہوں گے، ایک تو امی بھی سوچے گی کہ میں نے ڈانٹا

اور بلاوجہ ڈانٹا، تو اب امی احساس کر کے اور زیادہ مہربان ہو جائے گی اور دوسرا فائدہ یہ کہ خاموش رہنے سے آپ کے فرشتے نیکیاں لکھ لکھ کر تھک جائیں گے۔ تو یہ سوچیں کہ اگر میں نے ایسے گناہ کیے کہ جنہوں نے میرے نامۂ اعمال کو سیاہ کر دیا، تو چلو میں ایسی نیکیاں بھی تو کر جاؤں کہ جن کا نور میرے گناہوں کی ظلمت کو ہی مٹا دے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھود:۱۴)

''کہ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں''

(۴) درود شریف پڑھنا

چوتھی بات کہ درود شریف کی پابندی کریں، کثرت کریں اِس لیے کہ علما نے لکھا ہے کہ اتباع سنت اور درود شریف کی کثرت جتنی زیادہ انسان کے اندر ہوگی اُسے قیامت کے دن نبی علیہ السلام کا اتنا ہی قرب نصیب ہوگا۔ تو دیکھیں! یہ دونوں کتنی اہم باتیں ہیں! ہر کام میں، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، بیٹھنے اٹھنے، سونے جاگنے، اور چلنے پھرنے میں، ہر چیز میں ہم سنت کا خیال رکھیں۔

اور دوسری بات نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر کثرت سے درود شریف پڑھیں گی تو اِن دو چیزوں کی جتنی زیادہ کثرت کریں گی اُسی کی نسبت سے آپ کو نبی علیہ السلام کا قرب نصیب ہوگا۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ درود شریف کی کثرت کرنے والے کو قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب ہوگا،

یہ مسئلہ بھی سن لیں کہ ایمان والے کے لیے پوری زندگی میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ پوری زندگی میں ایک درود شریف پڑھنا فرض ہے، جس مجلس میں بیٹھے ہوں نبی علیہ السلام کا تذکرہ آئے تو مجلس میں ایک دفعہ پڑھنا واجب

ہے اور ہر دفعہ نبی علیہ السلام کا تذکرہ سن کر درود شریف کا پڑھنا مستحب ہے۔ تو بہتر تو یہ کہ جب بھی نبی علیہ السلام کا تذکرہ ہو تو اُس وقت آپ درود شریف پڑھ لیا کریں۔ بعض لوگ لکھتے ہوئے نبی علیہ السلام کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ ﷺ نہیں لکھتے، ''ص'' کا نشان بنا دیتے ہیں، یہ کافی نہیں ہوتا، پورا لکھنا چاہیے ﷺ۔ اور آپ اگر نام سنتیں ہیں نبی علیہ السلام کا تو آپ سنتے ہی پڑھ لیا کریں ﷺ یہ بالکل کامل اور مکمل درود شریف ہے۔ بلکہ ایک آدمی تھا کتابت کرتا تھا، جہاں نبی علیہ السلام کا نام لکھا ہوتا، وہ ساتھ درود شریف ضرور لکھتا تھا اِسی پر اللہ رب العزت نے اُس بندے کی مغفرت فرما دی۔

اسی سال کے گناہوں کی معافی:

اور ایک حدیث پاک ہے، جس میں فرمایا گیا کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ درود شریف پڑھے، اگر وہ اللہ کے ہاں قبول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایک درود شریف پڑھنے پر اسی سال کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اب دیکھیں لیلۃ القدر میں اسی سال کے عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر ایک مرتبہ کا درود شریف اللہ کے ہاں قبول ہو جائے تو اسی سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

کئی مرتبہ عورتیں سوال پوچھتی ہیں، امی فوت ہو گئیں کبھی خواب میں دیکھا نہیں، حضرت! کوئی عمل بتا دیں۔ تو چلو آج یہ عمل بھی سن لیں کہ اگر انسان چار رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں الھکم التکاثر والی صورت پڑھے، اب اُس کے بعد درود شریف پڑھتا سو جائے، چالیس دن اگر یہ عمل کر لے تو چالیس دنوں کے اندر اندر اللہ رب العزت (جس سے وہ ملاقات کا خواہش مند ہے) خواب میں اُس کو اُس کی زیارت کروا دیتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عمل بتایا اور اُمت کے لاکھوں مشائخ نے اِس کو آزمایا اور اُنہوں نے اِس کی تصدیق کی ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت:

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھو! علماء نے لکھا ہے جو تین سو مرتبہ پڑھے تو یہ ادنیٰ مقدار ہے، جو ایک ہزار مرتبہ پڑھے تو یہ درمیانی مقدار ہے اور تین ہزار مرتبہ پڑھے تو یہ کثرت والی مقدار ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ عورتیں جمعے کے دن تیار ہو کے نہا دھو کے اچھے کپڑے پہن کے نماز بھی پڑھا کریں اور اُس کے بعد کم از کم تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی بھی عادت بنالیں۔

صبح وشام سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کی فضیلت:

ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص روزانہ سو مرتبہ صبح اور شام درود شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کی سو حاجتیں پوری کرتے ہیں، تیس حاجتیں دنیا کی اور ستر حاجتیں آخرت کی۔ تو سو مرتبہ صبح پڑھنے سے تیس حاجتیں، سو مرتبہ شام پڑھنے سے تیس حاجتیں تو انسان کے ساٹھ کام نکل گئے۔ میرے خیال میں ہر دن میں ہمارے پانچ دس کام ہوتے ہوں گے اِس سے اوپر ہوتے ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ ساٹھ حاجتیں پوری کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اگر دن میں بھی سو مرتبہ بھی درود شریف پڑھ لیں، رات میں بھی سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیں تو ہمارے کاموں کو سنوارنے کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ لیتے ہیں۔

ہزار مرتبہ درود شریف کی فضیلت:

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص ہزار مرتبہ روزانہ درود شریف پڑھے، اُس بندے کو اُس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہیں دیکھ لیتا۔ اب جو بڑی بوڑھیاں ہیں، گھر میں گھنٹوں فارغ بیٹھتی ہیں، کیا وہ ایک ہزار

دفعہ روزانہ درود شریف نہیں پڑھ سکتیں! جوان بچیاں بھی کام کاج کے بعد پڑھ سکتیں، یہ تو شوق کی بات ہے۔

بے حساب اجر:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ایک درود شریف ہے

جَزَ اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا ھُوَ اَھْلُ

جو شخص یہ درود شریف پڑھتا ہے، تو اس کا اتنا اجر ہے کہ فرشتے کئی مہینے تک اس کا اجر لکھ لکھ کر تھک جاتے ہیں۔

درود شریف نبی ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے:

اور احادیث سے ثابت ہے کہ ہم جو یہاں درود شریف پڑھتے ہیں تو اللہ رب العزت نے اس کے لیے ڈاکیے متعین کیے ہوئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا ٹی سی ایس کا نظام ہے، جو بندہ بھی درود شریف پڑھتا ہے، اُسی وقت ایک فرشتہ سپیشل فلائٹ کے ذریعے اس Message (پیغام) کو لے کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے، اُس بندے کا بھی نام لے کر اور اُس کے باپ کا نام لے کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں درود شریف پیش کرتا ہے، سبحان اللہ! ایک درود شریف پڑھنے سے کیا سعادت نصیب ہوتی ہے! ایسے بھی واقعات ہیں کہ جو لوگ کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے، خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کثرت سے میرے اوپر درود شریف پڑھتے ہو لاؤ! میں تمہارے منہ کو بوسا دوں، نبی علیہ السلام نے اُن کے منہ کو بوسا دیا، ایک ہفتے تک اُس کمرے سے خوشبو آتی رہی۔

دل میں تمنا رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی علیہ السلام کی جگہ پر حاضری نصیب

فرمائے اور ہم مواجہ شریف پر حاضر ہو کے خود درود شریف پڑھیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو یہاں آ کر درود شریف پڑھتا ہے، اُس درود شریف کا جواب میں خود دیتا ہوں۔ فرمایا: ہو سکے تو مدینے میں آ کر مر جاؤ ۔

مدینے کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں
وہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے
یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے
یہی تو سننے کو جی چاہتا ہے
جبیں تیرے قدموں میں اِک روز رکھ کر
گناہ بخشوانے کو جی چاہتا ہے

اب ہر بندہ تو وہاں کی حاضری نہیں دے سکتا، تو کم از کم دل میں نبی ﷺ محبت رکھے، درود شریف کثرت سے پڑھے اور اُن کی سنت کا کامل اِتباع کرے تو یہاں بھی رہے گا۔ ثواب گویا وہاں رہنے کا ہی دیا جائے گا۔

غمِ مصطفیٰ جس کے سینے میں ہے
جہاں بھی رہے وہ مدینے میں ہے

تو بہرحال بات لمبی ہو گئی، وقت چونکہ بہت کم ہے، تو چوتھا عمل یہ کہ درود شریف کثرت کے ساتھ پڑھیں۔

(۵) سبحان اللہ پڑھنا

پانچواں عمل حدیث پاک میں آتا ہے:

كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ عِنْدَ الرَّحْمَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ عَلَى الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

''دو کلمے رحمان کو بڑے محبوب ہیں، زبان پر بڑے ہلکے لیکن ترازو میں بڑے بھاری ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم''

دو کلمے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو بڑے محبوب ہیں، یہ جو محبوب کا لفظ ہے، یہ لفظ ہی دل میں ٹھنڈ ڈال دیتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں تو پھر اور پیچھے کیا رہا؟...... سبحان اللہ۔ ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جو شخص دن میں سو مرتبہ **سبحان اللہ وبحمدہ** پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کے سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے چاہے اُس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔ تو اگر سو مرتبہ **سبحان اللہ وبحمدہ** پڑھنے سے گناہ معاف ہو گئے۔ اب ذہن میں سوال پیدا ہو جائے گا کہ **سبحان اللہ العظیم** پر کیا ملے گا؟۔ علما نے لکھا ہے کہ جس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے تو اتنی ہی نیکیاں یعنی سمندروں کی جھاگ کے برابر نیکیاں **سبحان اللہ العظیم** پڑھنے پر اس کے نامہ اعمال میں لکھوا دیں گے۔ اب دیکھو! یہ عمل ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے فرشتے اجر لکھ لکھ کر تھک جاتے ہیں۔

(۲) تَعَوُّذ پڑھنا:

آخری چیز:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے''

ایک بہت ہی برکت والا کلمہ ہے، انسان کو شیطان سے بچاتا ہے اور انسان کو ہر خطرے کی حالت میں پڑھنے پر اللہ کی پناہ دیتا ہے۔ تو جب بھی آپ کو کسی چیز کا خطرہ ہو، مثلاً: خاوند سے ڈانٹ پڑنے کا خطرہ، ساس کے سامنے ذلیل ہونے کا خطرہ، کوئی نقصان ہو گیا، اب پوچھ گچھ کا خطرہ، یا اولاد کے بگڑنے کا خطرہ، یا کسی کے ناراض ہونے کا خطرہ، جب بھی کوئی خطرہ آپ کے دل میں ہو، اس وقت اگر آپ ﴿ **اَعُوْذُ**

بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾) پڑھ لیا کریں گی، اللہ تعالیٰ اُس خطرے کو آپ کے سر سے ٹال دیں گے۔

یہ چند اعمال ہیں لیکن انشاء اللہ اگر ان کو آپ پابندی سے کریں گی تو نامہءاعمال نیکیوں سے بھرے گا اور اللہ تعالیٰ کی مقبول بندیوں میں آپ شامل ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی ظلہ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (بیس جلدیں)
- مجالس فقیر (چھ جلدیں)
- مکتوبات فقیر
- حیات حبیب (سوانح حیات)
- عشق الٰہی
- عشق رسول ﷺ
- باادب بانصیب
- لاہور سے تاخاک بخارا و سمرقند (سفرنامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار ورموز
- نماز کے اسرار ورموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- موت کی تیاری
- کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے
- پریشانیوں کا حل
- مہلک روحانی امراض
- مثالی ازدواجی زندگی کے رہنما اصول
- گھریلو جھگڑوں سے نجات
- سوئے حرم
- میں کہاں تک نہ پہنچا تیری دید کی طلب میں

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ 047-7625454
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 062-2442791
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 041-7224228
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ دار الاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539
- مکتبہ الشیخ 445/3 بہادر آباد کراچی 0214935493
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- مکتبہ علمیہ، دوکان نمبر 2 اسلامی کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی 021-4918946
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2288261
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ، پشاور روڈ، راولپنڈی 03009834893 ، 051-5462347

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد
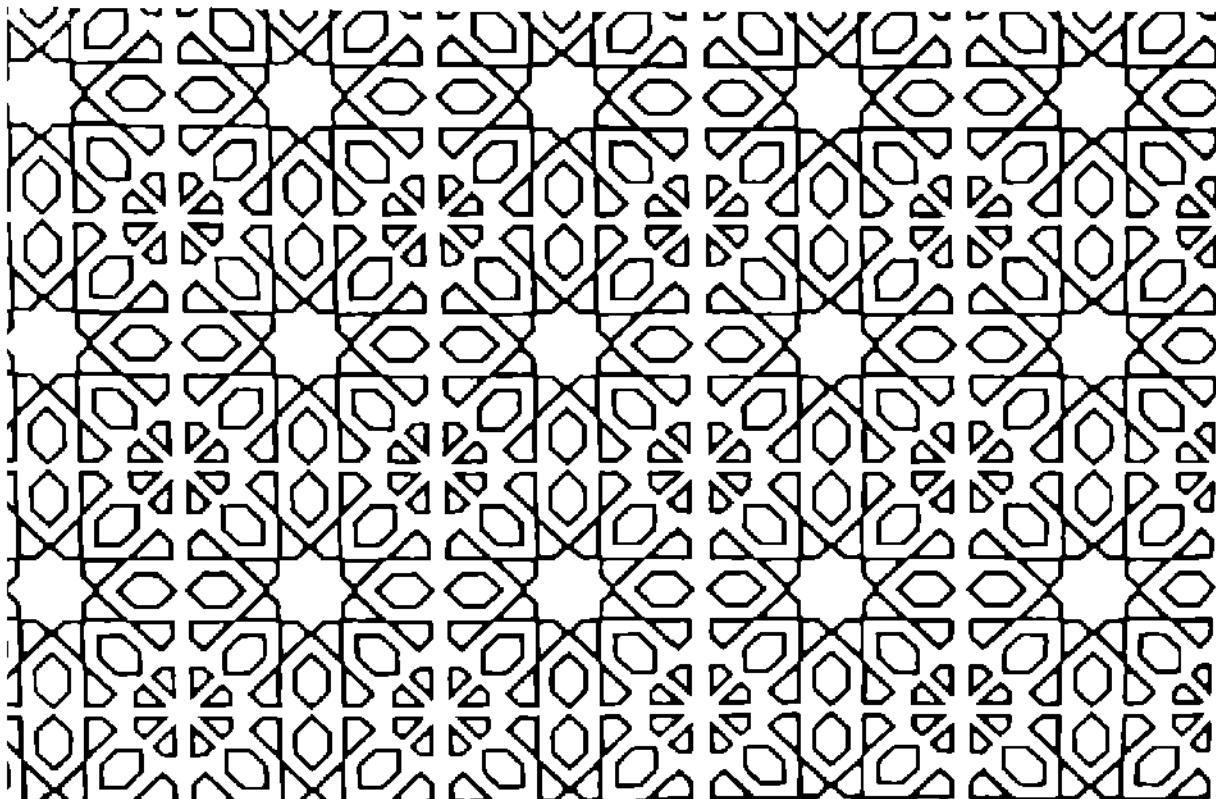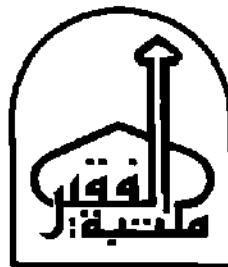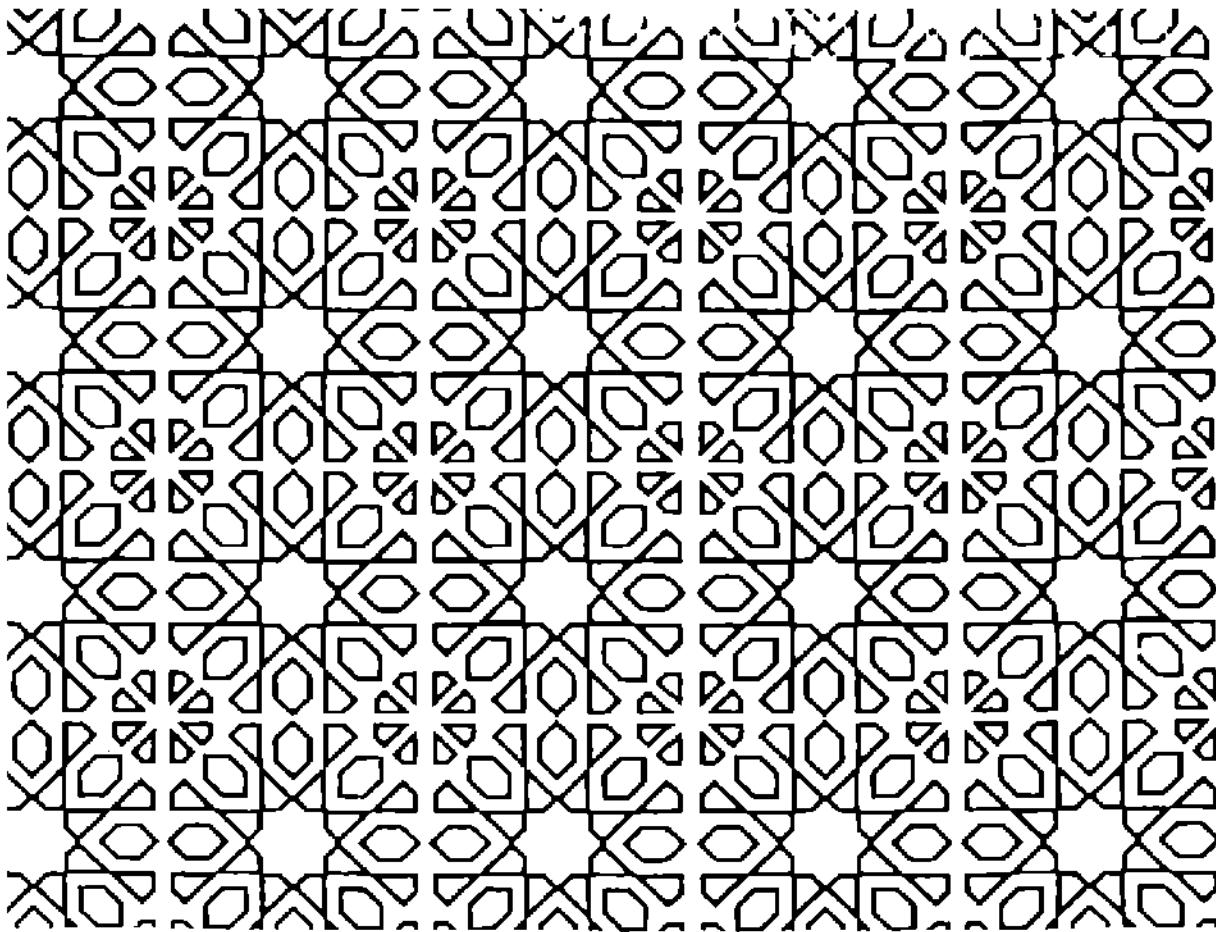
خواتین کے متعلق مفید عام کتب

جن کا مطالعہ اصلاحِ احوال کے لئے نہایت ضروری ہے

- اولاد کی تربیت کے سنہری اصول
- مثالی ازدواجی زندگی کے سنہری اصول
- خواتین کے لئے تربیتی بیانات
- حیاء اور پاکدامنی
- سکون خانہ
- خواتین اسلام کے کارنامے
- گھریلو جھگڑوں سے نجات